بسم الله الرحمن الرحيم

انتخاب

تفسیر المیزان

(جلد: 7)

تالیف و تصنیف:

علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ

مترجم:

علامہ سید افتخار حسین نقوی النجفی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں!

تعارف

نام کتاب:	انتخاب تفسیر المیزان
تالیف:	علامہ محمد حسین طباطبائیؒ
ترجمہ و حاشیہ:	سید افتخار حسین نقوی النجفی
معاونت:	مولانا محمد نقی
کمپوزنگ و فارمیٹنگ:	شاہد علی جعفری
فنی معاونت:	قرآن سنٹر، لاہور
جلد:	ہفتم
ناشر:	مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور

ملنے کا پتہ:

قرآن سنٹر لاہور: 042-37211214

معراج کمپنی لاہور: 042-37361214

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد: 0333-5234311

فہرست

سورۃ الدخان 37

سورہ کے مطالب 37

قرآن کے بارے بیان 38

قرآن کا نزول 38

اللہ کی سنت 39

شب قدر کے بارے 40

امر سے مراد 40

نزولِ قرآن باعثِ رحمت 41

بت پرستی کے مقابلے میں صحیح عقیدہ 42

احیاء اور اماتہ 42

رسول اللہؐ کے زمانہ والے 43

عذاب الٰہی اور کافروں کی التجاء 43

کافروں کی مزاجی کیفیت 45

اللہ کی پکڑ 46

قوم فرعون کی طرف اللہ کے رسول کی آمد 47

فرعونیوں کا انجام 49

فرعونیوں کے حالات 50

فرعونیوں کی ہلاکت........................ 51

بنی اسرائیل کی برتری........................ 52

بنی اسرائیل کا امتحان........................ 53

رسول اللہؐ کے لیے نوید........................ 54

معاد کے منکرین کا دعویٰ........................ 54

تبع کی قوم سے مراد........................ 56

مشرکین مکہ سے سوال........................ 56

معاد کے اثبات بارے بیان........................ 57

قیامت کے دن اہل البیتؑ کا مقام........................ 58

قیامت کے دن کی خصوصیات 58

قیامت کے دن استثنائی صورتحال 59

شفاعت کی دلیل........................ 59

اہل البیتؑ کا اللہ کے اذن سے مؤمنین کی مدد کرنا........................ 60

دوزخیوں کے حالات 61

متقین کی خصوصیات 63

قرآن کا وصف........................ 65

سورۃ الجاثیہ 66

سورہ کے مطالب 66

آسمانوں اور زمین میں اللہ کی نشانیاں.. 68
اہل یقین کا امتیاز.. 69
زمینی امور کی تدبیر.. 70
آیات الٰہی کی تلاوت.. 70
آیات الٰہی کی شمولیت و عمومیت.. 70
قرآنی آیات.. 71
الٰہی معجزات.. 71
ایمان سے مراد.. 71
کفار کی ملامت.. 71
جھوٹوں اور افتراء پردازوں کے لیے ہلاکت.. 73
قرآن عین ہدایت.. 74
ربوبیت سے متعلق آیات و نشانیاں.. 75
آسمان و زمین کا انسان کے اختیار میں ہونا.. 75
مومنین کے لیے ہدایت.. 77
ایام اللہ سے مراد.. 77
بنی اسرائیل پر اللہ کے انعامات.. 78
شریعت اسلام کا بیان.. 80
جاہلوں کی ناتوانی.. 80
اللہ کی ولایت و سرپرستی.. 81
شریعت اسلام کا بیان.. 81

نیک اور برے برابر نہیں 82
باہدف خلقت 83
نفسانی خواہشات کی پیروی 84
مشرکین کی بات 85
مشرکین کی غیر منطقی خواہش 86
قیامت کے دن سب مردوں کا حاضر ہونا 87
اللہ تعالیٰ کی مالکیت 88
ہر فرد اور ہر اُمت کا اعمال نامہ 89
اہل سعادت کے بارے بیان 90
اہل کفر کی کیفیت 90
اللہ کے رسول کی دعوت کے انکار کا انجام 91
قیامت کے دن اعمال کی نمائش 92
قیامت کے دن کفار سے خطاب 93
آسمانوں اور زمین میں اللہ کی حمد وستائش 94
کبریائی اور عظمت اللہ کے لیے ہے 95
سورۃ الاحقاف 96
سورہ کے مطالب 96
قرآن کی خصوصیت 97
اجل مسمّٰی سے مراد 98

عالَم مشہود کی خلقت 98
مشرکین سے احتجاج 99
غیر اللہ کی پرستش کرنے والوں کے بارے 100
حشر کا معنی 101
قیامت کے دن کا حال 101
مشرکین کی سرزنش 102
مشرکین کی قرآن کے بارے ایک اور گفتگو 103
رسول اللہؐ کا مشرکین کو جواب 104
مشرکین کے ساتھ ایک اور گفتگو 105
کافروں کا متکبرانہ جواب 106
قرآن کی حقانیت 107
مومنین کی شان 108
انسان کے لیے اللہ کی خصوصی ہدایت 109
۱۔ حمل کا زمانہ 110
۲۔ بچے کی ولادت کا مرحلہ 110
۳۔ دودھ پلانے کا مرحلہ 110
اسلام میں منصوبہ بندی 110
ماں کا اعلیٰ مقام 111
بلوغ اشد 111
عقل کا کمال 111

اللہ کی بارگاہ میں دعا..112
توبہ اور اسلام..113
اعمال کی قبولیت..113
اللہ کا وعدہ..114
اُف کا معنی..115
والدین کے نافرمان اور ناشکرے کی بات..115
والدین کا نافرمان اولاد کے انکار پر رد عمل..116
اولاد کی ضد و ہٹ دھرمی..116
مجرموں کی سزا..117
سزا و جزاء کے مراتب..117
کافر اور آگ کا عذاب..118
عاد کا بھائی..119
احقاف..119
حضرت ہودؑ کی تبلیغ..120
قوم عاد کا ہود کو جواب..120
حضرت ہودؑ کا اپنی قوم کو جواب..121
قوم عاد کا عذاب..122
عذاب الٰہی کا نتیجہ..123
کفار مکہ کو نصیحت..124
گذشتہ اقوام کی ہلاکت..124

کافروں کے کردار پر طعنہ.......... 125
جنات کے بارے.......... 126
جنات کی اپنی قوم کو دعوت 127
داعی اللہ کی تائید.......... 128
داعی اللہ کی دعوت رَد کرنے کا نتیجہ.......... 129
اللہ کی قدرت 130
قیامت کے دن کافروں کا اقرار.......... 131
رسول اللہؐ کو تسلی 131
رسول اللہؐ اولوالعزم پیغمبر 132
الٰہی احکام کے نفاذ کے لیے صبر واستقامت کا حکم.......... 133
سورۃ محمد 134
سورہ کے مطالب 134
کافروں کا رویہ اور ان کا انجام.......... 135
مومنوں کے اعمال کا نتیجہ 135
کفار اور مومنوں کا تقابل.......... 136
کافروں سے جنگ کا حکم.......... 138
جہاد کی تشویق.......... 139
جہاد کی تشویق.......... 140
کافروں پر نفرین.......... 140

کافروں کے سقوط کی وجہ 141
کافروں کا انجام 141
مومنوں کی نصرت اور کافروں کی ہلاکت 142
کافروں کی ناکامی 142
اللہ کی ولایت کے اثرات 143
رسول اللہؐ کے لیے تسلی 144
دلیل و ثبوت رکھنے والے 145
بہشت کی نعمتیں 146
جنت کی خصوصیات 146
بعض اصحابِ رسولؐ کا تذکرہ 147
ہدایت یافتہ ہونا 148
کافروں کی حالت کا بیان 149
رسول اللہؐ کے لیے خصوصی ہدایت 151
پیغمبر اکرمؐ اور استغفار 151
مومنین کے بارے 152
مومنین کی خصوصیات 153
ضعیف الایمان مومنین 154
ہدایت کے بعد گمراہی 156
مرتدین کے دل کی بات 156
مرتدوں کی حالت 157

ضعیف الایمان اور کمزور دلوں کا انجام.................................158
منافقین کی شناخت.................................159
جہاد کے فریضہ کی حکمت.................................160
کفار مکہ کے بڑوں کا تذکرہ.................................161
مومنین کے لیے خصوصی فرمان.................................162
کافروں سے ملحق ہو جانا.................................163
بعض اصحاب کی غلط سوچ.................................163
جہاد میں سستی نہ کرنے کا حکم.................................164
صلح کا مطلب.................................164
دنیا و آخرت کی حقیقت.................................165
پورے اموال نہ لینے کی وجہ.................................166
انسان کی طبیعت و مزاج.................................166
اللہ کے فرمان سے سرپیچی کا نتیجہ.................................167
سورۃ الفتح.................................170
سورہ کے مطالب.................................170
رسول خداؐ پر اللہ کے احسانات.................................170
صلح حدیبیہ کا واقعہ.................................171
رسول اللہؐ کی طرف گناہ کی نسبت.................................171
اللہ کے گناہوں کی مغفرت کا معنی.................................173

صراط مستقیم کی ہدایت......................................173
مومنین کے ایمان میں اضافہ......................................174
اللہ کی افواج......................................174
مومنوں کے دلوں پر اطمینان وسکون اُتارنے کی وجہ......................................175
منافقوں اور مشرکوں کا انجام......................................176
تمام اسباب کا مالک......................................177
رسول اللہؐ کی ذمہ داریاں......................................178
رسول اللہؐ کی بعثت کا مقصد......................................179
تسبیح کا ثواب......................................179
رسول اللہؐ سے بیعت......................................180
جہاد میں شرکت نہ کرنے والوں کی بات......................................182
پورے عالم پر اللہ کی تدبیر......................................183
رسول اللہؐ کے ساتھ مکہ نہ آنے کی وجہ......................................184
اللہ اور رسول اللہؐ کے منکروں کی سزا......................................184
اللہ کی مالکیت......................................185
مسلمانوں کی کامیابی اور جنگِ خیبر کے غنائم......................................186
نئی جنگ کے لیے دعوت......................................188
جہاد کے وجوب سے استثناء......................................189
اطاعت گذاروں کی توبہ......................................189
بیعت رضوان......................................190

صلح حدیبیہ کے بعد ملنے والا مال غنیمت.. 191
مسلمان مجاہدین کے لیے اللہ کی مدد.. 191
فتح خیبر اور مال غنیمت کا حصول.. 192
مسلمانوں کو مال غنیمت کا ملنا.. 193
کافروں کی ناتوانی.. 193
اللہ کا قانون.. 194
صلح حدیبیہ کا واقعہ.. 195
مکہ کے مشرکین بارے.. 196
کافروں کے مسلمانوں کے بارے اقدامات.. 197
اللہ تعالیٰ کافروں کے مقابل میں.. 197
رسول اللہؐ کے خواب کی تصدیق.. 199
غلبۂ دین.. 200
پیغمبر اکرمؐ اور ان کے ساتھیوں کی توصیف.. 201
اجر عظیم.. 202

سورۃ الحجرات.. 204
سورہ کے مطالب.. 204
اللہ اور اللہ کے رسولؐ بارے.. 204
پیغمبر اکرمؐ کا احترام.. 205
رسول اللہؐ کے احترام کا لحاظ رکھنے کا اجر.. 207

رسول اللہؐ کی بے احترامی کرنے والوں کی مذمت 208
جفاکاروں کے بارے 208
خبر دینے اور خبر لینے کا قانون 209
غلط خبر کے منفی اثرات 209
رسول اللہؐ کے پاس غلط خبر کا پہنچایا جانا 210
عقلائی اصول 210
رسول اللہؐ کی اطاعت کا قانون 211
ایمان کی محبوبیت 212
اللہ کا انعام 213
جنگ کا خاتمہ اور صلح کی برقراری 213
مومنین کا باہمی تعلق و رابطہ 215
اسلامی اقدار 216
نفرتوں کا موجب بننے والے اعمال 217
تمسخر اڑانا 217
دوسرے کو بہتر سمجھنا 217
اپنے عیبوں کو دوسرے کے لیے بیان کرنا 218
دوسروں کو برے القاب دینا 218
گناہ کے ارتکاب کا نتیجہ 219
معاشرہ کو تباہ کرنے والے امور 220
انسان کی خلقت اور فضیلت کا معیار 223

کرامت و عزت کا معیار..224
اسلام اور ایمان کا فرق..225
ایمان سے مراد..225
بادیہ نشین عربوں سے خطاب..225
حقیقی مومن..227
بادیہ نشین عربوں کی سرزنش..228
اللہ کا احسان..229
اللہ کا علم..230
سورۃ ق..231
سورہ کے مطالب..231
رسول اللہؐ انذار دینے والے..232
معاد کے بارے شکوک و شبہات کا ازالہ..233
آسمان و زمین کی خلقت..236
اللہ کے خالص بندے..236
اللہ کی عظمت اور قدرت کی نشانیاں..237
کفار مکہ سے پہلے کی اقوام کا تذکرہ..239
گذشتہ اقوام..239
دوبارہ خلقت کا مسئلہ..241
انسان کا وسواسی ہونا..241

انسان پر مامور دو فرشتے........243
دائیں اور بائیں سے مراد........243
رقیب اور عتید........244
سکرات موت........245
صُور کا پھونکا جانا........246
حساب دینے کے لیے قیامت کا دن........246
انسان کے لیے عتاب........247
کافروں کا انجام اور قیامت کے دن مجرموں کی حالت........249
دو فرشتوں کو حکم ملنا........249
جہنم میں پھینکے جانے والے افراد........250
شیطانی قرین کا اعلان........250
اللہ کا شیطانی قرین کو جواب........251
جہنمیوں کے لیے معافی........251
اللہ ظالم نہیں........252
جہنم کی کیفیت........252
قیامت کے دن اہل تقویٰ کے حالات........253
متقین کے لیے خطاب........254
خواہش سے بڑھ کر........254
اللہ کی پکڑ سے چھٹکارا نہیں........255
حقائق کا ادراک اور آسمان و زمین کی خلقت........256

صبر اور حوصلہ کی تلقین 257

معاد کا تذکرہ.. 258

رسول اللہؐ کے لیے تسلی.. 259

سورۃ الذاریات 261

سورہ کے مطالب.. 261

کائنات میں نظم الٰہی کی مثالیں................................. 262

قیامت کی حقیقت کا بیان.. 264

قیامت کا انکار کرنیوالوں کے لیے بیان............................ 266

قیامت کے دن متقین کے حالات.................................. 268

توحید ربوبی کا بیان.. 270

سماء سے مراد 271

ابراہیمؑ کو بیٹے کی بشارت 273

ابراہیمؑ کی بیوی کا تعجب.. 273

قوم لوط کی تباہی... 275

موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ.. 277

قوم عاد کا قصہ 278

قوم ثمود کا قصہ.. 278

قوم نوحؑ کا تذکرہ.. 280

توحید کا اثبات 281

سابقہ بحثوں کا نتیجہ 282
اللہ کے نمائندوں کے مدمقابل انسانوں کا رویہ 283
خلقت کا ہدف.. 285
عبادت کی حقیقت.. 286
اللہ کی عبادت کا فائدہ.. 286
ظالموں کا انجام 287

سورۃالطور 290
سورہ کے مطالب 290
عذاب الٰہی کا حتمی ہونا 291
قیامت کے دن کی کیفیت 293
جھٹلانے والوں کی سزا 293
قیامت کا وصف.. 294
قیامت کے دن سوال 294
کافروں سے خطاب.. 295
متقین کے حالات.. 296
اہل تقویٰ کے لیے پیغام 297
مومنوں پر اللہ کا احسان.. 297
بہشتیوں کو ملنے والی چند نعمات کا تذکرہ.. 298
بہشتیوں کی جنت میں خوش گپیاں.. 299

رسول اللہؐ کے لیے خصوصی پیغام 301
کافروں کی بے بنیاد باتوں پر تبصرہ 302
کفار کے خلاف احتجاج 304
اتمام حجت کے بعد کا اقدام 307
رسول اللہؐ کے لیے خصوصی پیغام 308
سورۃ النجم 310
سورہ کے مطالب 310
معراج کا واقعہ 311
تعلیمی وحی کی نسبت 312
جبرائیلؑ کا تعارف 312
رسول اللہؐ کی شان 312
معراج بارے بیان 313
جبرائیلؑ کو دیکھنے کا واقعہ 314
معراج کی شب رسول اللہؐ کے مشاہدات 316
جبرائیلؑ سے اصل شکل میں ملاقات 316
کفار مکہ سے گفتگو 318
رسول اللہؐ کے لیے اللہ کا پیغام 319
دنیا و آخرت اللہ کا ملک ہے 319
شفاعت اللہ کی اجازت سے مشروط 320

فرشتوں کے بارے مشرکین کا عقیدہ.. 321
دینی احکام اور فروعات.. 322
عتبہ بن ابی لہب کی جسارت.. 322
مشرکین سے بے توجہی کا حکم.. 323
اعمال کے مطابق جزا.. 324
گناہان کبیرہ اور گناہان صغیرہ.. 325
مال خرچ کرنے میں کنجوسی.. 327
اللہ کی تدبیر کا بیان.. 329
خلقت کی ابتداء و انتہاء.. 330
بندوں پر احسانات کا تذکرہ.. 331
نافرمان اقوام کا انجام.. 332
انسان کی بیداری کے اسباب.. 334
سورۃ القمر.. 337
سورہ کے مطالب.. 337
قیامت اور چاند کا دو نیم ہونا.. 338
مشرکین مکہ کی کیفیت.. 339
رسول اللہؐ کے لیے پیغام.. 340
داعی سے مراد.. 341
قوم نوحؑ کی ہلاکت کا واقعہ.. 342

طوفان نوحؑ 343

اللہ تعالیٰ کا طریقہ انداز 344

آسان قرآن 345

قوم عاد کا انجام 346

عذاب کی کیفیت 346

قوم ثمود کا انجام 348

قوم ثمود پر آنے والا عذاب 349

درس عبرت 350

قوم لوط کا انجام 351

قرآن سے عبرت لینا 352

آل فرعون 353

رسول اللہؐ کے ہم عصر کفار کا تذکرہ 354

آخرت کا عذاب 355

اللہ تعالیٰ کا مرتب نظام 356

کلی عقلی ضابطے 356

اللہ کا امر 357

کفارِ مکہ پر عذاب کا نزول 358

اہل تقویٰ کے لیے بشارت 358

سورۃ الرحمٰن 359

سورہ کے مطالب 359
رحمٰن کا معنی 360
اللہ تعالیٰ کے انعامات 360
اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوقات 362
حق و باطل کی تشخیص کا معیار 363
اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ 364
انسان کی خلقت 365
جنات کی خلقت 366
نعمات کا تذکرہ 366
مشارق اور مغارب سے مراد 366
دو سمندروں سے مراد 368
دونوں سمندروں سے استفادہ 369
سمندری بیڑے اور کشتیاں 370
ہر شئی کے لیے فنا 371
اللہ کی لافانی ذات اور وجہ اللہ کا معنیٰ 371
مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی احتیاج 373
قیامت میں سب کا احتساب 373
عذابِ الٰہی سے گریز ناممکن ہے 374
مجرموں پر آگ کا عذاب 376
قیامت کے دن آسمان کی حالت 376

قیامت کے دن مجرموں کی سزا...378
سعادت مند جن وانس کا تذکرہ...380
مقامِ رب کا خوف...380
اللہ کے مقام سے خوف کا نتیجہ...381
بہشت کی توصیف...382
اہل بہشت کو ملنے والے انعامات...384
نعمتیں عطا کرنے کی وجہ...384
اللہ کی نعمات کا تذکرہ...387
بہشتیوں کا تذکرہ...387
اللہ کے اسماء و صفات کا تذکرہ...389
سورہ رحمٰن کی خصوصیت...390

سورۃالواقعہ...391
سورہ کے مطالب...391
قیامت کا وقوع...392
قیامت کے وقوع سے پہلے کے حالات...393
تین گروہ...394
سابقون کا اعزاز...397
سبقت لینے والے کون؟...398
سابقون کے لیے نعمات...398

نیک اعمال کا بدلہ 399
لوگوں کی اعمال کے حوالے سے تقسیم 400
حور العین 402
اصحاب یمین کے لیے انعامات 402
اصحابِ شمال کے بارے 405
اصحابِ شمال کا انجام 405
سزا ملنے کی وجوہات 405
منکرین قیامت کا جواب 406
منکرینِ قیامت کا انجام 407
معاد کی تصدیق کے لیے تشویق 408
پہلی دلیل 409
دوسری دلیل 409
مرنے کے بعد دوبارہ خلقت 410
انسانی زندگی کی بنیادی ضروریات کا بیان 412
پانی اللہ کی عطاء 414
آگ کی نعمت کا تذکرہ 415
نعمات الٰہی کا تقاضا 415
قَسم کی عظمت 416
قرآن کا تعارف 417
قرآن اللہ کی طرف سے 418

مشرکین اور کافروں کو تنبیہ..420
قیامت کا دن اور تین گروہ..422
تیسرا گروہ..423
حق اور یقین..424
سورۃ الحدید..425
سورہ کے مطالب..425
اللہ کی تسبیح..425
اللہ عزیز و حکیم ہے..426
اللہ تعالیٰ کی ملکیت و مالکیت..427
اللہ کی مالکیت اور قدرت مطلقہ کا نتیجہ..428
چھ ایام..430
عرش الٰہی..430
اللہ کا علم مطلق..431
اللہ کی مالکیت..432
شب و روز کا انتظام..432
ذات الصدور سے مراد..432
مومنین کے لیے انفاق کی ہدایت..433
ایمان سے مراد..434
آیات الٰہی، روشن دلیلیں..435

اللہ کی میراث اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا........................ 436
اللہ کے لیے قرض دینا.. 437
قیامت کے دن مومنین کی کیفیت.................................... 438
قیامت کے دن منافقوں کی خواہش.................................. 440
مومنین کے لیے خصوصی ہدایت...................................... 442
مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا.. 444
اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے.................................... 445
خالص ایمان والے.. 446
کافروں کا انجام.. 447
دنیا اور آخرت کا تقابل... 448
زندگی کی مثال.. 449
ابدی حیات.. 450
اہل ایمان ہونا... 450
مغفرت ورضوان.. 450
دنیا ایک متاع واثاثہ ہے.. 451
مسابقہ ومسارعۃ.. 451
سماء وارض.. 452
مسابقہ ومسارعۃ کی دعوت.. 452
مصیبت کا معنی... 453
زمین پر آنے والی مصیبت.. 454

خوشی و غمی کا معیار 455
بخل و کنجوسی سے دُوری کا حکم 456
اللہ کا فیصلہ 456
انبیاء ورسولوں کا مقصد 457
میزان کا کتابوں کے ہمراہ اُتارا جانا 458
لوہے کا اُتارا جانا 458
انسان کے بارے 459
سابقہ اُمتوں کا حال 460
نوحؑ اور ابراہیمؑ کے بعد رسولوں کی آمد 461
تمام انبیاء کا طریقہ 462
رہبانیت کی بدعت 463
اسلام میں رہبانیت 463
نور سے مراد 464
تقویٰ کا حکم 464
مومنین کے لیے خوشخبری 465
سورۃ المجادلہ 467
سورہ کے مطالب 467
"اشتکاء" کا مطلب 468
تحاور سے مراد 468

اسلام میں ظِہار کا حکم 468

ظِہار کے احکام 470

ظِہار کا حکم 470

ظِہار کا کفارہ 471

اللہ کی حدود اور سزائیں 471

اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کا انجام 472

یوم بَعث 473

اللہ کا احاطہ علمی 474

رسول اللہؐ کے خلاف سرگوشیاں کرنا 475

مومنوں کو نجویٰ کی اجازت 477

نجویٰ ایک شیطانی عمل 478

مجالس میں بیٹھنے کے آداب 479

نجویٰ سے پہلے صدقہ دینے کا حکم 481

صدقہ کے حکم کا منسوخ ہو جانا 482

قوم یہود کا تذکرہ 483

منافقین کا رویہ 485

منافقین کے لیے عذاب 485

اموال اور اولاد 486

قیامت کا دن 486

شیطانی غلبہ کے اثرات 487

اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی مخالفت کا نتیجہ.. 488
اللہ اور اللہ کے رسولوں کا غلبہ.. 488
استدلال کا میدان.. 489
غیبی تائید.. 489
طبیعی لحاظ سے.. 489
آغاز اسلام کے مسلمان 490
اللہ تعالیٰ کا تکمیل دین کر دینا.. 490
حزب اللہ میں شامل افراد کی خصوصیات 492
مومن کی رُوح.. 493
مومنوں کے لیے خوبصورت وعدہ.. 493
اللہ کی رضایت.. 494
سورۃ الحشر.. 495
سورہ کے مطالب 495
موجودات کا تسبیح کرنا.. 495
قبیلہ بنی نضیر کا واقعہ.. 497
اللہ کا یہود بنی نضیر کے بارے بیان 498
جلاوطنی اور دنیا کا عذاب.. 499
اللہ سے مخالفت کی سزا.. 499
بنی نضیر کا کھجور کے درخت کو کاٹنے کا معاملہ 500

بنی نضیر کے اموال.. 501
ایک ضابطہ کا بیان.. 501
فئی اور بغیر جنگ کے ملنے والے غنائم کا حکم.. 503
مال فئی کا رسول اللہؐ سے اختصاص کی وجہ.. 504
فئی سے مہاجرین وانصار کا سہم.. 504
مال فئی میں سے انصار کا حصہ.. 505
فتح مکہ کے بعد.. 506
منافقوں کے رویہ کا تذکرہ.. 508
منافقوں کے عمل بارے.. 509
منافقین کی جہالت کا نتیجہ.. 509
بنی نضیر اور منافقین کے بارے پیشن گوئی.. 510
بنی قینقاع کا انجام.. 511
شیطان اور منافقین میں مماثلت.. 512
شیطان کا اللہ سے ڈرنا.. 512
بنی قینقاع کے اخراج کا مسئلہ.. 513
ظالموں کا انجام.. 513
مؤمنوں کے لیے خصوصی ہدایت.. 514
مومنوں کے لیے تنبیہ.. 515
اہل جنت و جہنم کا تقابل.. 516
قرآن کی عظمت وبرتری کا تذکرہ.. 518

اللہ کے اسماء الحسنٰی کا بیان...... 519
الوہیت میں توحید 520
کلمہ لاالہ الااللہ کا بیان...... 523
اللہ جل جلالہ کا نام...... 523
عوالَم کی تسبیح 523
سورۃ الممتحنہ 525
سورہ کے مطالب 525
دشمنوں سے دوستی رکھنا...... 526
کافروں سے دوستی کا نتیجہ...... 527
قیامت میں نفع اور نقصان کا معیار...... 528
ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کا عمل 530
اللہ پر توکل...... 531
ابراہیمؑ اور آپ کے پیروکاروں کی دعاء...... 531
اسوہ و نمونہ...... 532
کافروں سے مودت 533
ہر کافر سے دشمنی کا حکم نہیں...... 534
کافروں سے دشمنی کا معیار...... 535
صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہونے والی خواتین 536
کافر ہونے والی عورتیں...... 538

مومن عورتوں کے لیے بیعت کرنے کا حکم 539
یہود سے دوستی 541
سورۃ الصف 542
سورہ کے مطالب 543
اللہ کی تسبیح 543
گفتار اور کردار کا تضاد 544
جنگ میں صف بندی کی اہمیت 544
رسول اللہؐ کا احترام اور ان کو اذیت سے ممانعت 545
رسول اللہؐ کی نبوت و رسالت کا ثبوت 546
رسول اللہؐ کے بارے عیسیٰؑ کی بشارت 547
کافروں کے لیے جواب 548
دین اسلام کی بقاء 549
دوسرے ادیان پر اسلام کا غلبہ 549
بہترین منفعت اور تجارت 550
اللہ سے تجارت کا فائدہ 551
اللہ کے دین اور اس کے رسولؐ کی مدد کرنا 552

سورۃ الدخان

(مکی۔ کل آیات: ۵۹)

سورہ کے مطالب

اللہ کی کتاب کے بارے میں شک کرنے والوں کے لیے تنبیہ، دُنیاوی اور اخروی عذاب کا بیان، قیامت پر دلائل، قیامت کے حالات، قیامت میں فیصلے کی کیفیت، مومنین اور کافروں کا انجام، قرآن کے نزول کا بیان، قرآن کا تعارف، اللہ کی رحمت کا بیان۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۚ ①

ترجمہ: ''حٰ مٓ۔''

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ ②

ترجمہ: ''واضح اور روشن کتاب کی قسم ہے۔''

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ③

ترجمہ: ''ہم نے اسے (قرآن) کی مبارک رات میں نازل کیا ہے، بلا شک ہمیں ڈرانا ہی مقصود تھا۔ (ہم ہی ہیں کہ جو ڈرنے والے ہیں)''

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ ④

ترجمہ: ''سارے کام جو حکمت پر مبنی ہیں اسی رات تصفیہ پاتے ہیں۔''

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۚ ⑤

ترجمہ : ”ہمارے خاص حکم سے، کیوں کہ ہمیں رسول بھیجنا منظور تھا۔ (ہم ہی رسول کو بھیجنے والے ہیں)“

رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۙ‏ ﴿۶﴾

ترجمہ : ”آپ کے پروردگار کی رحمت ہے، بے شک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔“

قرآن کے بارے بیان

حاء میم کے بارے ہم نے بتایا ہے یہ حروف مقطعات میں سے ہیں۔ سورہ کے مطالب کی طرف ان حروف سے اشارہ کیا گیا ہے۔ حروف مقطعات سے جن سورتوں کا آغاز ہوا ہے ان کے مطالب ایک دوسرے کے ساتھ مماثلت رکھتے ہیں۔ اس سورہ کے مطالب بھی سورہ زخرف، سورہ یٰسین، سورہ جاثیہ اور احقاف کی مانند ہیں۔

قرآن ایسی کتاب ہے جو اپنے مطالب کو کھول کر اور واضح الفاظ کے ساتھ بیان کرتی ہے اس کا بیان واضح اور روشن ہے۔ شب قدر برکت کی رات ہے جیسا کہ سورہ القدر میں بیان ہوا ہے۔ اور سورہ بقرہ آیت ۱۸۵ میں ہے :

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِىۡٓ اُنۡزِلَ فِيۡهِ الۡقُرۡاٰنُ

ترجمہ : ”ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کو اُتارا گیا ہے“

قرآن کا نزول

اس رات قرآن کو لوح محفوظ سے سماء دنیا پر اُتارا گیا۔ قلب رسول اللہ ﷺ پر اُتارا گیا پھر تئیس (۲۳) سال میں تدریجاً پیغمبر ﷺ پر قرآن کو اُتارا گیا۔ اس رات قرآن کو قلب مبارک پیغمبر ﷺ پر اُتارا گیا اس لیے یہ شب قابل قدر ہے، بڑی شان والی ہے۔ اس آیت

میں مبارک رات سے مراد شب قدر ہی ہے۔ برکت سے مراد خیر کثیر ہے یعنی قرآن جو کہ تمام مخلوقات کے لیے خیر کثیر ہے اس شب میں اتارا گیا۔ رحمت واسعہ الٰہی نے تمام انسانون کو اپنے دائرہ میں لے لیا قرآن مجموعی طور پر ماہ رمضان کی راتوں میں سے ایک رات میں اُتارا گیا (یہ رات ہر سال تکرار ہوتی ہے)۔ روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ یہ رات ۱۹، ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ کی رات ہے (بعض نے ۱۵ شعبان کو بھی اس کے ساتھ ملایا ہے البتہ قرآن کا نزول کیونکہ ماہ رمضان میں ہوا ہے اس لیے شب قدر ماہِ رمضان ہی میں ہے البتہ شب نیمہ شعبان کو شب قدر جیسی شان ملی اس وجہ سے اسے بھی شب قدر کا عنوان مجازی طور پر دیا گیا)۔ اس رات میں مجموعی طور پر قرآن کا ایک نزول اجمالی تھا اور دوسرا نزول قرآن کا تفصیلی ہے اور وہ قرآن کا آیت، جزء، ہر واقعہ یا حکم کی مناسبت سے اُتارا جانا ہے اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کی مدتِ رسالت یعنی ۲۳ سال میں قرآن اُترا۔ اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ قرآن کی آیات پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو بلکہ جب ہماری طرف سے آیت اُترے تو اس وقت اسے پڑھ کر سنایا کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ قرآن قلب مبارک پیغمبر ﷺ پر اُتر چکا تھا اور آپ کو پورے قرآن کا علم تھا لیکن قرآن کی آیات کے پڑھنے کا حکم نہ تھا، وہ تدریجاً اور تفصیلی نزول سے مربوط تھیں جیسے کوئی آیت اُترتی تو آپ اسے پڑھ کر سناتے اور اسے مناسب جگہ پر لکھنے کا حکم دیتے اور اس آیت میں ذکر شدہ حکم سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے۔ اسلامی احکام تدریجاً اترے بعض احکام آغاز اسلام میں ہی بیان ہوگئے جیسے نماز، روزہ کا حکم۔

اللہ کی سنت

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کا حوالہ دیا ہے کہ انسانوں کو خطرات سے آگاہ کیا جاتا ہے، انہیں ڈرایا جاتا ہے، وحی کے طریقہ سے اپنے رسولوں کو انسانوں کے پاس بھیجا کہ ان

کو اللہ کی اطاعت کی دعوت دیں اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں۔ قرآن کا نزول کوئی ایسا امر نہیں کہ اس سے پہلے اس کی مثال موجود نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ رسول آتے رہے اور اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچاتے رہے۔

شب قدر کے بارے

جس رات کتاب کا نزول ہوا ہے تو اس رات میں ہر مبہم اور پوشیدہ امر کو واضح کر دیا جاتا ہے۔ مشکل گتھیاں سلجھائی جاتی ہیں۔ اس رات اجمال سے تفصیل کی طرف جایا جاتا ہے۔ ان امور میں سے ایک امر قرآن ہے۔ شب قدر میں قرآن ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ کی طرف نازل ہوا۔ اس انداز میں قرآن کو لایا گیا جو عام انسانوں کی سمجھ میں آسکے۔ اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تکوینی امور اس رات میں اجمال سے تفصیل میں آتے ہیں اور تمام تکوینی امور کو پھیلا دیا جاتا ہے۔ ان کی تفصیل کو بیان کر دیا جاتا ہے جو واقعات و حادثات رونما ہوتے ہیں ان کا بیان ہوتا ہے جو معاملات حتمی ہیں ان کا تذکرہ ہوتا ہے۔ پورے سال میں کیا ہونے والا ہے اسے بیان کر دیا جاتا ہے اور یہ سارے امور ولی امر کے پاس آتے ہیں جس کے بارے سورہ القدر میں بیان ہوا ہے کہ:

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۛ

ترجمہ: ”(فرشتے اپنے رب کے اذن سے ہر امر (ہر فیصلہ) کو لے کر اترتے ہیں) اپنے زمانے کے الٰہی نمائندہ کے پاس۔“

امر سے مراد

امر سے مراد فیصلہ، حکم و شان اور کیفیت ہے۔ تو اس کا ترجمہ اس طرح کریں گے یہ امور ہماری جانب سے ایک شان و حیثیت کے ساتھ نازل ہوتے ہیں اور ہم ہی ان امور کا آغاز

ہیں، امر کا معنیٰ حکم لیا جائے تو اس کا معنیٰ ہو گا کہ اس رات میں ہماری جانب سے ہر فرمان اور حکم کو تفصیل سے بیان کر دیا جاتا ہے۔

اس کا معنی یوں بھی کر سکتے ہیں یہ قرآن جس حالت میں نازل ہوا ہے تو یہ ہماری شان سے ہے۔ اس کا تعلق ہماری حیثیت سے ہے۔ یہ ہماری شان سے ہے کہ قرآن کو نازل کریں یا قرآن ہمارے حکم سے نازل ہوا ہے کیونکہ ہمارا قانون ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے ہم رسولوں کو بھیجتے ہیں۔

نزولِ قرآن باعثِ رحمت

قرآن نازل کرنا اللہ کی رحمت ہے۔ اللہ کی طرف سے یہ فضل ہے جو انسانوں پر ہوا۔ اللہ ہی تمام درخواستوں کا سننے والا ہے اور تمام لوگوں کی حاجات اور ان کے مسائل سے آگاہ ہے۔ اللہ کی ہدایت میں لوگوں کی حاجات پوری ہوتی ہیں۔ اسی لیے قرآن اُتارا گیا اسی غرض سے رسولوں کو اللہ بھیجتا ہے۔ یہ سب اللہ کی رحمت کا تقاضا ہے۔ اس انداز سے اللہ اپنے بندوں پر رحمت کرتا ہے۔

پیغام: انسانوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کو لوح محفوظ سے اپنے رسول کے قلب مبارک پر اجمالی اتارا اور پھر تدریجاً اسے نازل کیا گیا۔ قرآن رحمت ہے۔ رسول رحمت ہے۔ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس لیے ان کی ہدایت کا انتظام کیا۔ رسول بھی بھیجا اور اسے کتابِ حق دی۔ قرآن واضح و روشن کتاب ہے۔ اس سے ہدایت لینی چاہیے۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ۝

ترجمہ: ”اللہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اگر تم یقین کرنے والے ہو۔“

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ؕ رَبُّکُمۡ وَ رَبُّ اٰبَآئِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۸﴾

ترجمہ: ”اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، وہ زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے، وہی تو تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی۔“

بت پرستی کے مقابلے میں صحیح عقیدہ

ان آیات میں وثنیت، بت پرستی کی تردید ایک اور انداز سے کی گئی ہے۔ جو لوگ کہتے تھے کہ ہر عالم اور ہر آسمان کا علیحدہ الہ (معبود) ہے اور ہر ایک کا الگ رب ہے۔ اور ہر ایک کے لیے الگ قانون ہے تو یہاں یہ وضاحت دی گئی ہے کہ جو تمہارا خیال ہے ایسا نہیں ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ جو تمہارا رب ہے وہی تمام آسمانوں، پوری زمین کا اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے ان سب کا رب ہے۔ تمام موجودات کا ایک ہی رب ہے نیز یہ بھی فرمایا کہ تمام اہلِ زمین اس بات کو سمجھتے اور جانتے ہیں اگر تم اہل یقین میں سے ہو تو تم بھی بغیر شک کے اس بات کو جان لوگے کہ ہر چیز کا رب ایک ہی ہے۔ مالکیت اور تدبیر اسی ایک کے ہاتھ میں ہے کیونکہ الوھیت و ربوبیت کے لوازمات سے ہے۔ اسی وجہ سے ربوبیت کے ساتھ ہی الوھیت کو بیان کیا ہے اور الوھیت کے ساتھ ربوبیت کا بیان آیا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

احیاء اور اماتہ

یعنی زندہ کرنا اور مارنا، یہ دو اہم صفات ہیں۔ یہ دونوں صفات اللہ کے لیے ہیں یعنی اللہ ہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں موت و حیات ہے وہی مالک ہے وہی الہ اور معبود ہے۔ لہٰذا تمہارا اور تمہارے آباء کا رب اللہ ہی ہے لہٰذا تمہیں اللہ کی عبادت کرنی چاہیے، غیر اللہ کی پرستش نہ کرو اور اس بارے شک بھی نہ کرو۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۝٩

ترجمہ: ''بلکہ وہ تو شک میں کھیل رہے ہیں۔''

رسول اللہؐ کے زمانہ والے

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی قوم کے بارے بتایا گیا ہے کہ رسول ان کے پاس آئے، کتابیں ان کے پاس بھیجی گئیں، لیکن رسول کا آنا اور کتاب کا اتارا جانا انہیں شک سے نہیں نکال سکا۔ یہ لوگ اسی طرح شک وتردید میں پڑے رہیں گے، یہ لوگ دنیاوی امور میں سرگرم اور کھیل تماشہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَاۗءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝١٠

ترجمہ: ''سو اس دن کا انتظار کیجیے کہ آسمان دھواں ظاہر لائے۔''

يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١١

ترجمہ: ''جو لوگوں کو ڈھانپ لے، یہی دردناک عذاب ہے۔''

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝١٢

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب دور کر دے بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں۔''

عذاب الٰہی اور کافروں کی التجاء

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ خبر دی ہے کہ تمام تر نشانیوں کے دیکھنے کے بعد بھی یہ لوگ ایمان نہیں لے آئے اور اسی طرح شک وتردید میں سرگرم رہیں گے۔ دنیاوی کھیل تماشے میں لگے رہیں گے تو آپ اس دن کا انتظار کرو جب ہر طرف دھواں چھا جائے گا۔

یہ دردناک عذاب ہو گا۔ ایسی صورتحال کو دیکھ کر وہی کافر چیخ اٹھیں گے اور پھر ''رَبَّنَا'' (یعنی ہمارے رب) کی صدا بلند ہو گی کہ اے ہمارے رب ہمیں اس عذاب سے نجات دے دے، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اب کی بار ایمان لے آئیں گے۔ اس عذاب سے مراد قیامت کے دن کا عذاب ہے۔

تفسیر رُوح المعانی کے مطابق دھوئیں والے عذاب سے مراد وہ قحط ہے جو اہل مکہ پر آیا کہ بھوک وپیاس کی وجہ سے ان کے سامنے سارا جہاں دھواں دھواں نظر آتا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو جو اذیتیں دیں یہ ان کا نتیجہ تھا۔ اہلِ مکہ پشیمان ہوتے ہیں، ایمان لانے کا وعدہ کرتے ہیں، رسول رحمت ان کے لیے دعا دیتے ہیں اور وہ قحط ان سے ٹال دیا جاتا ہے لہٰذا اس عذاب سے مراد اہل مکہ پر آنے والا قحط ہے۔

کچھ نے یہ کہا ہے کہ دھوئیں والا عذاب قیامت کی نشانیوں میں سے ہے یا تو قیامت سے پہلے محقق ہو گا اور یہ دھواں لوگوں کے کانوں میں داخل ہو گا، لوگوں کے سر بکرے کے بھنے ہوئے سر کی مانند کھول اٹھیں گے۔ مؤمنین کو اس سے فقط زکام کی تکلیف ہو گی، چالیس دن تک زمین اسی حالت میں رہے گی، پوری زمین پر دھوئیں کا راج ہو گا جو کہر کی مانند ہو گا مگر اس سے شدید تر ہو گا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد فتح مکہ ہے کہ جب اسلامی افواج فاتحانہ انداز میں مکہ میں داخل ہوئے تو ہر طرف گرد و غبار اٹھ رہا تھا اس نے پورے مکہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا کفار پریشان تھے اور (**یاربّنا**) کی آواز بلند کر رہے تھے اور یہ کہتے جا رہے تھے کہ ہم ایمان لاتے ہیں۔ کچھ نے اسے قیامت کے دن کی حالت اور اس دن کے عذاب کو قرار دیا ہے۔ بہرحال یہ اقوال اس بارے موجود ہیں لیکن آخری دو اقوال قابل توجہ نہیں کہ فتح مکہ پر گرد و غبار ہو یا دھواں لوگوں کے کانوں میں داخل ہو گا۔ اس دھوئیں سے مراد یا تو مکہ میں آنے والا قحط ہے یا پھر قیامت کے دن کا عذاب ہے۔ زیادہ قوی آخری احتمال ہے۔

أَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾

ترجمہ: ''وہ کہاں سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے پاس ہر بات واضح اور کھول کر سنانے والا رسول بھی آچکا ہے۔''

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿١٤﴾

ترجمہ: ''پھر اس سے بھی پھر گئے اور کہا کہ یہ شخص تو سکھایا ہوا دیوانہ ہے۔''

کافروں کی مزاجی کیفیت

ان آیات میں یہ بتایا جارہا ہے کہ کافروں کو اپنی فطرت کی طرف لوٹانا آسان نہیں۔ یہ ان کی ہٹ دھرمی ہے، ضد ہے سب کچھ دیکھنے کے باوجود ان پر اثر نہیں ہوتا اور اس سے عبرت نہیں لیتے، ان کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ ان کے پاس رسول آیا ہے جو یہ بات واضح بیان کر رہا ہے، ان کو روشنی کی طرف بلاتا ہے مگر یہ لوگ اس کی بات مانتے نہیں بلکہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں بلکہ اسے دیوانہ کہتے ہیں کہ اس کو تو کچھ باتیں رٹا دی گئی ہیں۔ دنیا میں وہ اس طرح پیغمبر اسلامؐ سے معاندانہ رویہ اپناتے رہے اب عذاب کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہیں کہ ہم سے عذاب ہٹا لیا جائے ہم ایمان لے آئیں گے تو اللہ اپنے حبیب کو بتا رہا ہے کہ ان کا مزاج ہی ایسا ہے یہ جھوٹ بول رہے ہیں ان میں تبدیلی نہیں آئے گی۔

اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿١٥﴾

ترجمہ: ''ہم اس عذاب کو تھوڑی دیر کے لیے ہٹا دیں گے لیکن تم پھر وہی کرنے والے ہو (جو کچھ پہلے کر رہے تھے)۔''

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿١٦﴾

ترجمہ: ''جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے، بے شک ہم بدلہ لینے والے ہیں۔''

اللہ کی پکڑ

اس جگہ اللہ کی پکڑ اور گرفت کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ فرمارہا ہے کہ ہم تو تھوڑی دیر کے لیے تم لوگوں سے عذاب کو ٹال دیں گے، یہ ہمارے اختیار میں ہے لیکن تم دوبارہ کفر اختیار کروگے اور پھر ہمارے نمائندے کی باتوں کو جھٹلاؤگے یا تم پھر قیامت کے عذاب کی طرف لوٹ جاؤگے جب کہ تم ایمان نہ لاؤگے تمہیں مہلت ملی ہوگی جب ایسا ہوگا تو گویا خود ہی تم قیامت کے عذاب کی طرف لوٹ جاؤگے۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے دن کا عذاب بڑا ہی سخت ہے اس دن تم ہماری بڑی پکڑ میں ہوگے۔ اس دن سے مراد یا تو جنگ بدر کا دن ہے کہ اس دن بڑے بڑے کافروں کو کس طرح پکڑ میں لے لیا گیا لیکن جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے اس جگہ قیامت کا دن مراد ہے لہٰذا اس دن جو عذاب ہوگا اور اللہ اس جس طرح اپنے نافرمانوں سے انتقام لے گا اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''اور ان سے پہلے ہم فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں اور ان کے پاس ایک عزت والا رسول بھی آیا تھا۔''

اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''(اس رسول نے فرعون سے کہا) کہ اللہ کے بندوں کو میرے حوالہ کردو، بے شک میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔''

وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾

ترجمہ : ''اور یہ کہ اللہ کے خلاف سرکشی نہ کرو، میں تمہارے پاس کھلی دلیل لایا ہوں۔''

وَ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾

ترجمہ : ''اور بے شک میں نے اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لے رکھی ہے کہ تم مجھے سنگسار کرو۔''

وَ اِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾

ترجمہ : ''اور اگر تم میری بات پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔''

قوم فرعون کی طرف اللہ کے رسول کی آمد

ان آیات میں یہ بتایا جارہا ہے کہ ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کے پاس اپنا رسول بھیجا تھا۔ ہمارا رسول معزز و مکرم تھا۔ قوم فرعون کا امتحان لیا گیا، ہم نے ان کو محلات دیئے، زمین کا اقتدار انہیں دیا، جب ہمارا رسول ان کے پاس ہمارا پیغام لے کر آیا تو انھوں نے اس کی قدر نہ کی۔ ان آیات میں فرعونیوں کے پاس جو پیغام بھیجا گیا وہ کچھ اس طرح تھا۔

پہلی بات : فرعون اور اس کے ساتھیوں سے یہ کہا گیا کہ تم بنی اسرائیل کو میرے حوالے کر دو یہ اللہ کے بندے ہیں، انہیں اذیت دینا بند کردو۔ میں ایک امانت دار رسول ہوں۔ پیغام رسانی میں خیانت نہیں کرتا، مجھے ماموریت دی گئی ہے کہ میں بنی اسرائیل کو ظلم سے نجات دلاؤں۔

دوسری بات : کہ تم مجھے مت جھٹلاؤ اور مجھ سے بے اعتنائی نہ کرو اور اللہ کا کفر نہ کرو۔ اللہ پر اپنی برتری ظاہر نہ کرو، میرے پاس اللہ کا رسول ہونے کے بارے واضح اور روشن

نشانیاں موجود ہیں۔ یہ سب معجزات تمہارے پاس لے کر آیا ہوں۔ لہٰذا تم میری بات کو مان لو۔

تیسری بات: یہ تھی کہ جب فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو نہ مانا، بنی اسرائیل کو آپ کے حوالے نہ کیا اور ان کی باتوں کو جھٹلایا اور تکفیر و غرور میں غرق رہے تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ان سے کہا کہ دیکھو میرا رب اور تمہارا رب ایک ہی ہے اور وہ اللہ ہے میں خود کو اس کی پناہ میں دیتا ہوں، یہ کہ تم مجھے سنگسار مت کرو، وہی رب مجھے پناہ دے گا اور تمہارے شر سے مجھے بچالے گا تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ جو کچھ تم کر رہے ہو یہ میری نمائندگی کے خلاف ہے اور اللہ ہی میری حفاظت فرمائے گا۔

چوتھی بات: ان سے یہ کہی کہ اگر تم ایمان نہیں لاتے تو دیکھو مجھ سے الگ ہو جاو۔ میرا راستہ نہ روکو، حضرت موسیٰ علیہ السّلام ان سے کہہ رہے تھے کہ اگر تم میرے ساتھ بھلائی نہیں کرتے، میری باتوں کو نہیں مانتے تو پھر کم از کم اپنے شر کو مجھ سے دُور رکھو، مجھے اذیت نہ دو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، مجھے میرا کام کرنے دو۔ لیکن سرکشوں کو اپنے بارے خطرہ لاحق ہوتا ہے اس لیے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ چھوڑا اور نہ ہی انہیں اذیت دینے سے باز آئے۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوۡمٌ مُّجۡرِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ”پس اس نے اپنے رب کو پکارا کہ یہ تو مجرم لوگ ہیں۔“

فَاَسۡرِ بِعِبَادِیۡ لَیۡلًا اِنَّكُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ”حکم ہوا پس میرے بندوں کو رات کے وقت لے چل کیوں کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔“

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ۲۴

ترجمہ : "اور سمندر کو ٹھہرا ہوا کھلا چھوڑ دے، بے شک وہ لشکر ڈوبنے والے ہیں۔"

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۲۵

ترجمہ : "کتنے انہوں نے باغات اور چشمے چھوڑے ہیں۔"

وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۲۶

ترجمہ : "اور کھیتیاں اور مقام عمدہ۔"

وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۲۷

ترجمہ : "اور نعمت کے ساز و سامان جس میں وہ مزے کیا کرتے تھے۔"

كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۲۸

ترجمہ : "اسی طرح ہوا، اور ہم نے ان کا ایک دوسری قوم کو وارث بنا دیا۔"

فرعونیوں کا انجام

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں سے مایوس ہو گئے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوئی بات نہ مانی تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی طرف رجوع کر لیا اور اپنے رب سے درخواست کی کہ یہ تو جرائم پیشہ ہیں، کچھ بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، یہ ہلاکت کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کو قبول کر لیا اور انہیں یہ حکم دیا:۔

1. رات کے وقت اس جگہ سے نکل کھڑے ہو۔

2. بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے جائیں۔

3. فرعون تمہارا پیچھا کریں گے تم جب سمندر کنارے پہنچ جاؤ تو اپنا عصا مارنا، راستہ بن جائے گا وہاں سے اپنی قوم سمیت گزر جانا اور وہ راستہ فرعونیوں کے لیے چھوڑ دینا اور اس جگہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ اطلاع دی کہ جب وہ سمندری راستہ سے گزریں گے تو ان سب کو غرقِ آب کر دیا جائے گا یعنی موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا کہ سمندر سے گزرنے کے بعد دوبارہ عصاء کو مار کر اس راستہ کو بند نہیں کرنا۔ فرعونیوں کو اس راستہ پر داخل ہونے دینا ہے۔

فرعونیوں کے حالات

اس کے ساتھ ہی یہ بتایا کہ فرعونیوں کے پاس کیا کچھ تھا۔ یعنی اس کے پاس باغات، چشمے، سرسبز و شاداب کھیت اور آسائش کے لیے بڑے بڑے محلات تھے، وہ اللہ کی تمام نعمات سے بہرہ ور تھے لیکن اللہ کے نافرمان تھے۔ ہم نے ان سے یہ تمام نعمات واپس لے لیں اور پھر یہ نعمات دوسروں کو دے دیں۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: ''پس ان پر نہ آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ ان کو مہلت دی گئی۔''

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس ذلت کے عذاب سے نجات دے دی۔''

مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾

ترجمہ: ''(یعنی) فرعون سے، بے شک وہ ایک سرکش حد سے بڑھنے والا تھا۔''

وَ لَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے اپنے علم سے ان کو جہان والوں پر چن لیا تھا۔''

وَ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے ان کو نشانیاں دی تھیں جن میں صریح آزمائش تھی۔''

فرعونیوں کی ہلاکت

فرعونیوں کی ہلاکت پر کسی کو دُکھ نہ ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس سے کائنات میں ہر شئی اثر لیتی ہے۔ جیسا کہ مشہور تھا کہ اگر کوئی ناحق قتل ہوتا ہے تو سرخ آندھی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جگہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ فرعونیوں پر اللہ کا عذاب تھا وہ جرائم پیشہ تھے، زمین پر بوجھ تھے اس وجہ سے ان کی اس طرح اکٹھی ہلاکت پر کائنات میں موجودات پر کسی قسم کا اثر ظاہر نہ ہوا کیونکہ زمین اور آسمان دونوں اللہ کی اطاعت میں ہیں لہٰذا مشرکین کا شرک اور کافروں کا کفر اور گناہگاروں کا گناہ عبادت کرنے والوں کی کوتاہیاں ان مخلوقات کے لیے ناپسندیدہ ہیں ایسے شخص کو زمین و آسمان پسند نہیں کرتے۔

روایت میں ہے جب اولاد آدم سے کوئی مرتا ہے تو دو جگہیں اس کے لیے گریہ کرتی ہیں۔

۱۔ زمین کی وہ جگہ جس میں وہ عبادت کرتا تھا۔

۲۔ دوسری جگہ آسمان کی وہ جگہ جہاں پر اس کا عمل جا کر اترتا تھا لہٰذا فرعون اور فرعونیوں کی ہلاکت پر زمین اور آسمان کا گریہ نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کفر و گناہ اور جرائم پیشہ ہونے کی وجہ سے وہ اس قدر بے حیثیت ہو چکے تھے کہ ان کی ہلاکت پر اللہ کی مخلوقات میں سے کسی کو افسوس تک نہ ہوا۔ حضرت امام صادق علیہ السّلام سے ''من لا یحضرہ الفقیہ'' جلد ا میں روایت اسی مطلب کو بیان کر رہی ہیں۔

فرعون اور فرعونیوں کی ہلاکت اتنی تیزی سے ہوئی کہ انہیں سنبھلنے کا موقع تک نہ ملا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون اور فرعونیوں کے عذاب سے نجات دلائی۔ فرعون جو کہ منکر تھا جرائم پیشہ تھا۔ اللہ نا فرمان تھا، فرعون و فرعونیوں کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کو ان کے عذاب سے نجات دلانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے بیان فرمایا کہ:

جب بنی اسرائیل کو نجات مل گئی تو بنی اسرائیل کو تمام عالمین پر برتری دے دی گئی۔ اس کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ:۔

ہم نے بنی اسرائیل کو علم عطا کیا۔ جس کی بنیاد پر ہم نے انہیں باقی اُمتوں پر برتری دے دی۔

یہ برتری اس طرح سے ظاہر ہوئی کہ

ا۔ بنی اسرائیل میں بہت زیادہ انبیاء اور اللہ کے رسول قرار پائے۔

۲۔ آسمان سے نعمات کی فراوانی، بادلوں کا سایہ کرنا، من و سلویٰ (آسمان سے مزیدار غذا، شہد، بھنے ہوئے پرندے) اُترنا۔

بنی اسرائیل کی برتری

بنی اسرائیل کو مختلف جہات سے برتری دی گئی لیکن یہ برتری ان کے اپنے زمانے سے متعلق ہے تمام زمانوں کے حوالے سے نہیں ہے۔ یہ بات بھی حقیقت ہے کہ اُمتِ اسلامیہ پر بنی اسرائیل کو برتری حاصل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ کے بارے میں واضح فرما دیا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔۔۔ (سورہ آل عمران، آیت ۱۱۰)

اس آیت میں مسلمانوں کو خطاب کیا ہے کہ تم ایک بہترین اُمت ہو جسے تمام انسانوں کے لیے خیر قرار دیا گیا ہے لہٰذا اب تک اللہ کے قانون و شریعت میں جتنی اُمتیں آئی ہیں ان سب میں تم بہترین اُمت ہو۔ بنی اسرائیل اپنے دور کی بہترین اُمت تھے اور اُمت مسلمہ تم اُمتوں پر برتر ہے فقط شرط یہ ہے کہ اُمت مسلمہ امر بالمعروف کریں اور نہی عن المنکر کریں۔

بنی اسرائیل کا امتحان

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک اور قانون بیان کیا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو بہت سی آیات اور نشانیاں عطا کیں، ان میں بنی اسرائیل کے لیے امتحان و آزمائش تھی کیونکہ اس طرح کا نمونہ کسی اور اُمت میں موجود نہ تھا۔ امتحان اس وقت لیا جاتا ہے جب ہر حوالے سے انعامات سے نوازا جائے، تمام امکانات دیئے جائیں، بنی اسرائیل کو ہر طرح کی نعمات دی گئیں پھر مکمل اور پورا پورا امتحان لیا گیا۔ اس امتحان پر پورا نہ اُترنے کی صورت میں پھر اللہ کی طرف سے سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کا مواخذہ کرتا ہے زمین کو ظالموں کی نجاست سے پاک کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں اس قانون کو جاری کیا کہ جب بھی بنی اسرائیل زمین پر ظلم کریں گے اللہ کے قوانین کی خلاف ورزی کریں گے، اللہ کی اطاعت چھوڑ دیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان پر ایسے حکمران مسلط کر دے گا جو ان کو ذلت و خواری میں ڈال دیں گے۔ اس آیت کا مصداق ہمارے زمانہ میں بھی یہودیوں کے بارے نظر آتا ہے۔ اس کے لیے ہٹلر نے یہودیوں پر جو مظالم ڈھائے تو یہ یہودیوں کے اپنے اعمال کا نتیجہ تھا اور ایک دفعہ پھر ان یہود پر اللہ کا عذاب اُترے گا۔ اُنھوں نے آخری پیغمبرؐ کی نبوت کو تسلیم نہ کرکے اللہ کی نافرمانی کی۔ تمام تر معلومات رکھنے کے باوجود آخری پیغمبر ﷺ پر ایمان نہ لائے اور پھر آج تک خود کو برتر جانتے ہیں۔ دوسری اقوام کو انسان نہیں سمجھتے، خود کو اللہ کا محبوب

قرار دیتے ہیں اور اللہ کے بندوں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں۔ آج کے دور میں ہر قتل کے پیچھے یہودیوں کی سازش موجود ہے۔ لہٰذا اللہ کا عذاب یہودیوں پر حتمی آئے گا دنیا میں بھی ان کے لیے رسوائی اور ذلت ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے شدید ترین عذاب ہے۔

رسول اللہؐ کے لیے نوید

اس بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی بھی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بنی اسرائیل کو اپنے دور کے سب سے بڑے ظالم و جابر فرعون اور فرعونیوں کے شر سے نجات دی تو اللہ تعالیٰ آپؐ کو اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کو مکہ کے کفار اور مشرکین کے شر سے نجات دے گا اور مکہ کا اقتدار آپ کو دے گا جس طرح فرعون کی سلطنت بنی اسرائیل کو دے دی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برتری اور کامرانی اور فتح و نصرت کی اس واقعہ میں نوید موجود ہے۔

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ”بے شک یہ لوگ کہتے ہیں۔“

اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ”کہ اور مرنا نہیں ہے مگر یہی ہمارا پہلی بار کا مرنا، اور ہم دوبارہ اٹھائے جانے والے نہیں۔“

فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ”پس ہمارے باپ دادا کو لے آؤ اگر تم سچے ہو۔“

معاد کے منکرین کا دعویٰ

یہ مشرکین اور وثنیٰ مسلک (بت پرست) معاد کے منکرین کہتے ہیں کہ موت کے بعد دوسری بار زندگی نہیں ہے بس یہی زندگی ہے اس کے بعد کچھ نہیں جب موت آگئی تو کام تمام ہو گیا اور یہی ہماری زندگی کا اختتام ہے۔ ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ مشرکین نے جب یہ آیت سنی کہ:

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ (سورہ غافر، آیت: ۱۱) کہ گناہگار قیامت کے دن کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دوبارہ مہلت دی اور ہمیں دوبارہ زندہ کیا، کہ انہوں نے اس جگہ ایک موت کی بات کی ہے، ان کی مراد دنیاوی زندگی کے بعد موت ہے لیکن دوسری موت برزخی زندگی کے بعد موت ہے۔ مشرکین اس کی نفی کرتے ہیں دنیاوی موت کو مکمل خاتمہ قرار دیتے ہیں کہ دنیاوی موت سے انسان اصلاً معدوم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے کیونکہ موت عدم وفنا سے عبارت ہے۔

اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے مشرکین اور معاد کے منکرین کہتے ہیں کہ اگر معاد کا عقیدہ صحیح ہے اور یہ درست ہے کہ اس دنیاوی موت کے بعد پھر زندگی ہے، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور حساب کے لیے محشور ہونا ہے تو پھر اس بات کا ثبوت پیش کرنے کے لیے ہمارے گزرے ہوئے آباء کو زندہ کر دو تاکہ ہمیں اطمینان ہو جائے کہ موت ختم ہو جانا نہیں ہے بلکہ اس کے بعد بھی زندگی ہے۔

اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: "کیا وہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم، اور وہ لوگ جو ان سے پہلے ہوئے، ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، کیوں کہ وہ مجرم تھے۔"

تبع کی قوم سے مراد

تبع حمیر بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کا نام تھا جو یمن پر حکومت کرتا تھا اس جگہ بادشاہ کی رعیت اور اس کے ساتھی مراد ہیں جو بظاہر بہت ہی طاقتور اور مضبوط تھے۔

مشرکین مکہ سے سوال

اس جگہ مشرکین مکہ کو ان کے جرائم کے حوالے سے سابقہ دور کے ایک واقعہ کا حوالہ دیا گیا جس سے انہیں ان کے برے انجام سے ڈرایا گیا۔ ان کو کہا جا رہا ہے کہ ذرا تم اپنا تقابل تبع بادشاہ کی قوم سے کرو جس کے بارے مکہ والے آگاہ تھے ان سے سوال کیا ہے کہ تم زیادہ طاقتور ہو یا تبع قوم والے زیادہ طاقتور تھے؟۔ مکہ والوں کو پتہ تھا کہ تبع والے ان سے کہیں زیادہ بہتر اور طاقتور تھے اللہ فرما رہا ہے ہم نے انہیں ان کے جرائم اور گناہوں کی پاداش میں انہیں ہلاک کر دیا تمہارا انجام بھی وہی ہوگا اگر تم نے ہمارے رسول کو جھٹلانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ کیونکہ اقوام کو سزا دینے اور انہیں ان کے جرائم کی بنیاد پر ہلاک کرنے کا قانون جاری و ساری ہے۔ اس آیت سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ تبع کی قوم ہلاک ہوئی اور خود تبع بادشاہ بچ گیا۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے یہ سب کھیل تماشا کے لیے نہیں بنایا۔''

مَا خَلَقْنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ''ہم نے انہیں بہت ہی مصلحت کے تحت بنایا ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔''

معاد کے اثبات بارے بیان

آسمان وزمین اور اس میں جو کچھ ہے یہ سب بغیر مقصد کے خلق نہیں کئے گئے کوئی بھی حکیم و دانا کسی کام کو بغیر ہدف کے انجام نہیں دیتا اس مخلوق کو زندگی دینا، پھر موت دینا، اس مخلوق کا ہونا یا نہ ہونا، یہ سب بے ہودہ اور کھیل تماشا نہیں۔اس بارے ایک معین ہدف ہے اللہ تعالیٰ بغیر مقصد کے کوئی کام انجام نہیں دے سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس سب کے پیچھے ایک معقول غرض کارفرما ہے۔اگرچہ عام لوگ اس سے لاعلم ہیں۔

اللہ کا فرمان ہے کہ ہم نے ان سب کو برحق خلق کیا ہے ان کی خلقت کا ایک مقصد ہے یہ سب کچھ باطل و بے کار نہیں ہے۔ اس عالم کے بعد ایک اور عالم بھی ہے، سارے موجودات اس عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو جائیں گے۔ یہ موجودہ عالم فانی ہے۔اس کے بعد دوسرا عالم ہے جو عالم اخروی ہے یہ عالم دنیا اس اخروی عالم کے لیے مقدمہ ہے۔عالم اُخروی کو بقاء ہے۔

لیکن بہت سارے مشرکین ہیں جو اس بات کا علم نہیں رکھتے۔اس آیت میں کافروں کو ان کی جہالت اور نادانی پر ڈانٹ پلائی جارہی ہے کہ تم کس قدر جاہل و نادان ہو کہ اتنی بڑی کائنات کی خلقت کو لغو سمجھتے ہو اور یہ کہ یہ سب کچھ کھیل تماشا ہے اور ختم، جبکہ ایسا نہیں ہے یہ ایک سلسلہ ہے اس عالم کے بعد دوسرا عالم ہے پھر تیسرا عالم ہے۔ دنیاوی زندگی کے بعد برزخی زندگی ہے پھر اخروی زندگی ہے۔ حساب وکتاب ہے پھر ہمیشہ کے لیے جنت یا ہمیشہ کے لیے جہنم ہے جیسا کہ بہت ساری آیات میں بیان ہو چکا ہے۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ”بے شک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے مقرر ہو چکا ہے۔“

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ''جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہیں آئے گا اور نہ انہیں مدد ملے گی۔''

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ''مگر جس پر اللہ نے رحم کیا، بے شک وہ زبردست رحم والا ہے۔''

قیامت کے دن اہل البیتؑ کا مقام

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ قیامت میں فقط ہم ہی ہوں گے جو لوگوں کو پریشانی کے عالم میں اللہ کے اذن سے فائدہ دیں گے، یہ اللہ کا خصوصی کرم ہوگا۔ اس روایت میں شفاعت کے مسئلہ کی طرف لطیف اشارہ موجود ہے۔اس الہی روایت میں اہل البیت علیہم السّلام کے بلند مقام کی طرف اشارہ ہے۔

قیامت کے دن کی خصوصیات

قیامت کے دن کی خصوصیات کو پچھلی آیات میں بیان کیا گیا کہ قیامت کے دن کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس دن حق و باطل کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی۔ وہ ایسا دن ہے کہ جس میں اللہ کا فیصلہ ہی حتمی ہوگا۔ سارے انسان اولین سے لے کر آخرین تک تمام اقوام، عرب و غیر عرب، قریش و غیر قریش سب اپنے رب کے حضور میں آکھڑے ہوں گے وہ دن سب کی واپسی (معاد) کا دن ہے۔

اس دن کی ایک اور خصوصیت یہ ہے اس دن کسی کا دوست کسی کے کام نہ آئے گا ہر شخص اپنی اپنی ذات میں گم ہوگا کوئی بھی کسی کے امور کی سرپرستی نہیں کرسکتا کوئی کسی کو مدد نہ دے سکے گا۔

" مولیٰ" سرپرست کو کہتے ہیں اور ایسے شخص کو کہتے ہیں جو دوسروں کے معاملات میں مدد دے سکے۔ ان کے معاملات میں تصرف کر سکے۔ اس دن تمام امور فقط اللہ کے ہاتھ میں ہوں گے۔ استقلالی حثیت فقط اللہ کے لیے ہے۔

اس جگہ دو باتیں کہی جارہی ہیں (۱) کوئی کسی کو بے نیاز نہیں کر سکتا۔ (۲) کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ دنیا میں ایسا ہوتا رہا کہ کوئی کسی کو مال دے دے، کسی کو غنی بنادے اور کسی کے لیے ناصر و مددگار بنے لیکن قیامت کے دن تمام دنیاوی اسباب بے کار ہوں گے کوئی فائدہ نہ دیں گے۔

قیامت کے دن استثنائی صورتحال

پہلے تو قیامت کے دن کی خصوصی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے کہ اس دن کوئی بھی کسی کی سرپرستی نہیں کر سکتا، کوئی کسی کو اللہ سے بے نیاز نہیں کر سکتا اور نہ کوئی کسی کو مدد دے سکتا ہے۔ اس بیان کے بعد استثناء اس طرح کیا ہے فقط ان لوگوں کی نصرت ہو گی جن پر اللہ کا خصوصی رحم ہو گا جن پر اللہ کا خصوصی فضل و کرم ہو گا کیونکہ اللہ ہی عزیز وصاحب عزت ہے، باوقار ہے، طاقتور ہے، مقتدر ہے، غلبہ اسی کے لیے ہے، وہی غالب ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے گا اس کو فائدہ ملے گا جس سے چاہے گا عذاب کو ٹال دے گا وہ مہربان اور رحیم ہے وہ جس کے بارے چاہے اسے اپنی رحمت میں شامل کر سکتا ہے۔

شفاعت کی دلیل

یہ آیت قیامت کے دن شفاعت کے دلائل میں سے شمار ہوتی ہے البتہ اگر "لا ینصرون" کافروں کی طرف منسوب ہو کہ کافروں کی مدد نہیں کی جائے گی تو اس صورت میں

یہ استثناء منقطع ہے اس کا معنی اس طرح ہو گا کافروں کی مدد نہیں کی جائے گی مگر جو متقین ہیں توان پر ہماری رحمت ہو گی۔ اللہ کی طرف سے ان کی مدد ہو گی کیونکہ متقین اللہ کے سوا دوسرے ہر مولا اور ناصر سے بے نیاز ہیں

اہل البیتؑ کا اللہ کے اذن سے مؤمنین کی مدد کرنا

اس بارے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت بھی بیان ہوئی ہے کہ اس دن کسی کے لیے کوئی مولا نہ ہو گا مگر ان کے لیے وہ مولا ہو گا جس کو اللہ نصرت کی اجازت عطا فرمائے گا اور وہ ہم ہیں جو اللہ کے اذن سے گناہگاروں کی مدد کریں گے یہ اللہ کا خصوصی فضل و کرم ہو گا۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ”بے شک تھوہر کا درخت۔“

طَعَامُ الۡاَثِیۡمِ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ”گناہگاروں کا کھانا ہے۔“

کَالۡمُہۡلِ ۚ یَغۡلِیۡ فِی الۡبُطُوۡنِ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ”پگھلے ہوئے تانبے کی طرح شکموں میں کھولے گا۔“

کَغَلۡیِ الۡحَمِیۡمِ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ”جیسے اُبلتا ہوا، کھولتا ہوا، جوش مارتا ہوا پانی۔“

خُذُوۡہُ فَاعۡتِلُوۡہُ اِلٰی سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ”اسے پکڑ لو پس اسے دوزخ کے درمیان دھکیل کر لے جاؤ۔“

ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٨﴾

ترجمہ: ''پھر اس کے سر پر عذاب کا کھولتا ہوا پانی ڈالو۔''

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿٤٩﴾

ترجمہ: ''چکھ بے شک تو تو بڑا عزت والا بزرگی والا ہے۔''

اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: ''بے شک یہی وہ عذاب ہے جس کی نسبت تم شک کیا کرتے تھے۔''

دوزخیوں کے حالات

ان آیات میں دوزخیوں کے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ دوزخیوں کی غذا کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ زقوم درخت ان کا کھانا ہوگا جو کہ بہت ہی کڑوا ہے اور اس کے کھانے سے انسان کا بدن متورم ہو جاتا ہے، پیٹ میں درد اور تکلیف ہوتی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ دوزخیوں کی غذا زقوم درخت ہے۔ اس غذا کے بارے بیان کیا گیا ہے کہ پگھلے ہوئے تانبے اور لوہے کی طرح ہے۔ کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں کھولے گا۔ یہ بات تو غذا کے بارے تھی۔ اس کے بعد گناہگاروں کو عذاب میں ڈالنے کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے

ہم فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان گناہگاروں کو پکڑ لو اور پوری طاقت کے ساتھ انہیں دوزخ میں پھینک دو تاکہ آگ انہیں ہر طرف سے اپنے گھیرے میں لے لے۔ اس کے بعد ان کے سر پر تانبا یا لوہے کا پگھلا ہوا اور کھولتا ہوا پانی ڈال دو۔ ایسا کرنے کے بعد فرشتے ان کا مذاق اڑائیں گے اور اس سخت ترین عذاب میں مبتلا مجرموں سے کہیں گے تم تو دنیا میں بڑے عزت دار تھے اپنے اپنے حلقہ میں بہت معزز و مکرم تھے اپنے لیے خاص مقام کے قائل تھے

اب اس جرم کی سزا کے طور پر عذاب کا مزہ چکھو۔ سچ ہے کہ تم بڑے ہی محترم و معزز ہو، تمہارا ٹھکانہ بالکل یہی ہے، تم جیسے عزت داروں کا ٹھکانہ ہی بھڑکتی آگ ہے۔

پھر ان مجرموں سے کہا جائے گا یہ وہی عذاب ہے جس کے بارے تمہیں دنیا میں آگاہ کیا گیا تھا تم اس کا انکار کر رہے تھے اور دنیا میں آخرت کے بارے شک کرتے تھے دنیا میں تم جس کا انکار کرتے تھے آج تم اسے اپنے پورے وجود کے ساتھ محسوس کر رہے ہو اور اب یہ سب کچھ تمہارے مشاہدہ میں آچکا ہے۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ یہ کلام نیا ہو اور اللہ کی طرف سے یہ بات کہی جا رہی ہے یہ بات فرشتوں کی طرف سے نہ ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ یہ وہ کچھ ہے جس کا تم انکار کرتے رہے ہو۔

گناہگار سے جب یہ کہا جائے گا کہ یہ وہ عذاب ہے جو تمہارے جرائم کے نتیجہ میں ہے اب اس کا مزہ چکھو اور پھر اس کے ساتھ مجرموں کے لیے عزیز و کریم کی وصف بیان کرنا، تو اس بیان میں بڑی لطافت ہے مجرموں کی تدبیر بھی اور ان کی دنیا میں جو روش تھی اس کا بیان بھی کر دیا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۙ﴿۵۱﴾

ترجمہ: ''بے شک پرہیزگار ہی امن کی جگہ میں ہوں گے۔''

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۚ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ''باغوں اور چشموں میں۔''

يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۚ﴿۵۳﴾

ترجمہ: ''باریک ریشم اور گاڑھا پہن کر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔''

كَذٰلِكَ ۣ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۭ﴿۵۴﴾

ترجمہ: ”یونہی ہوگا، اور ہم ان کا نکاح بڑی آنکھوں والی حوروں سے کر دیں گے۔“

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: ”وہ اس میں ہر قسم کا میوہ امن و اطمینان سے طلب کریں گے۔“

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَ وَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: ”وہاں پہلی موت کے سوا اور موت کا مزہ نہ چکھیں گے، اور انہیں اللہ دوزخ کے عذاب سے بچالے گا۔“

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: ”یہ آپ کے رب کا فضل ہوگا، یہی وہ بڑی کامیابی ہے۔“

متقین کی خصوصیات

ان آیات میں صاحبانِ تقویٰ کی خصوصیات اور ان کو ملنے والے انعامات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اہل تقویٰ پُرامن جگہ پر ہوں گے، ایسی جگہ جس میں کسی قسم کی پریشانی اور نامناسب حالات کا سامنا نہ ہوگا۔ ایسی جگہ پر ہوں گے جس میں کوئی بھی ناپسندیدہ چیز موجود نہ ہوگی اور کوئی ایسی حالت انہیں پیش نہ آئے گی جو ان کے لیے پسندیدہ نہ ہو، سب کچھ ان کی پسند کا وہاں پر موجود ہوگا۔ ان کی رہائش سرسبز و شاداب باغات میں ہوگی جن میں چشمے رواں دواں ہوں گے، وہ مختلف انواع و اقسام کے ہوں گے ہر ایک کے لیے ایک بہشتی باغ یا کئی بہشتی باغات ہوں گے جو ان کے اختیار میں ہوں گے۔ ان کے بدن پر جو لباس ہوں گے بہت ہی عمدہ باریک و نازک ہوں گے جو ابریشم سے عبارت ہوں گے۔

اہل تقویٰ آپس میں ایک دوسرے سے مانوسیت اور پیار کی وجہ سے آمنے سامنے بیٹھے خوش وخرم ہوں گے۔ پیاری پیاری باتیں کرتے ہوں گے۔ خوبصورت موٹی موٹی سیاہ آنکھوں والی، دل کو لبھانے والی پیاری پیاری حوریں ان کی دلہنیں ہوں گی۔ ایسی خوبصورت کہ ان کی آنکھوں کی سیاہی و سفیدی اپنی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہو گی اور یہ حور العین ان کی دنیاوی عورتوں کے علاوہ ہوں گی ان کی نیک بیویاں بھی حقیقت میں ان کے ہمراہ ہوں گی۔ متقیوں کے حالات میں مزید یہ بات کہی گئی ہے کہ وہ پوری امنیت و سکون میں ہوں گے ان کے لیے میوہ جات کی تمام اقسام وانواع مہیا ہوں گی، جو وہ چاہیں گے وہ انہیں ملے گا، وہ اپنے پروردگار کے پاس خوش ہوں گے، ہمیشہ وہیں پر رہیں گے، بہشت میں انہیں موت نہ آئے گی اللہ انہیں جہنم سے محفوظ رکھے گا۔ سعادت و خوش بختی کی حالت میں بہشتی نعمتوں سے بہرہ ور ہوں گے۔ سعادت سے شقاوت میں منتقل نہ ہوں گے اور نہ ہی جنت سے جہنم کی طرف جائیں گے۔ یہ سب اللہ کا فضل و کرم ہے۔ اللہ کی طرف سے اپنے نیک بندوں کے لیے کہ دنیا میں ان کے معمولی درجے بے حیثیت عمل کے بدلے میں اللہ ان کے لیے اتنا بڑا اجر و ثواب دے گا۔ یہ لوگ اللہ سے کچھ طلب نہیں رکھتے خدا پر کچھ فرض نہیں کہ وہ یہ سب نعمتیں ان کو دے۔

اس لحاظ سے کہ اللہ مالک مطلق ہے کسی کا اس پر کوئی حق نہیں ہے بلکہ بہشت کا ثواب اللہ کی طرف سے اپنے نیک بندوں کے لیے دیا گیا ایک وعدہ ہے اور اللہ نے خود فرمایا ہے کہ اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لہٰذا یہ نعمتیں حقیقت میں انسان کو مل جانا بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ انسان انتہاء درجہ پر جس سعادت اور کمال کو پا سکتا ہے وہ اسے مل جائے گا۔

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: ”اس قرآن کو ہم نے آپ کی زبان میں آسان کر دیا تاکہ وہ سمجھیں۔“

فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: ”پس آپ انتظار کیجیے بے شک وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔“

قرآن کا وصف

قرآن کی خصوصیات سے ہے کہ یہ آسان زبان میں ہے۔ یہ عام فہم عربی زبان میں ہے اسے آپ کی زبان پر جاری کیا تاکہ لوگ قرآن سے مقاصد اور مطالب کو سمجھیں۔ اس کے معانی سے آگاہ ہوں لیکن انہوں نے اس کتاب سے کچھ بھی درس نہ لیا۔ انہوں نے اس کے واضح بیانات سے منہ موڑ لیا اور شک میں غوطہ ور رہے تو اب عذاب کے سوا کچھ کسی چیز کا انہیں انتظار نہیں ہونا چاہیے۔ اے ہمارے رسول! آپ بھی انتظار کریں جس طرح وہ لوگ اس بات کی انتظار میں ہیں کہ ان پر عذاب آن پڑے۔ اس جگہ مشرکین کا استہزاء کیا گیا ہے کہ اب جیسا تم نے قرآن سے کچھ نہیں سیکھا تو پھر انتظار کرو عذاب تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا تم اس سے بچ نہیں سکتے۔

پیغام: اس سورہ میں انسان کو آخرت پر ایمان لانے کی تاکید کی گئی ہے اور یہ پیغام ہے کہ صاحبانِ ایمان اور صاحبان تقویٰ ہی کامیاب ہیں جو آخرت کے بارے شک کرتے ہیں دنیا کے علاوہ آخرت کا انکار کرتے ہیں، قرآن سے درس نہیں لیتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں، ان کے لیے سخت ترین عذاب ہے جو اس عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو صاحبانِ ایمان و تقویٰ اختیار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں ان کے لیے جنت ہے، بہشتی باغات ہیں وہ امن و سکون میں ہیں۔

مجمع البیان جلد ۹ حدیث قدسی میں اللہ کا بیان نقل ہوا ہے؛ اللہ نے فرمایا: ”کبریائی میری رداء ہے عظمت و بزرگی میرا لباس ہے جو کوئی بھی میری کبریائی یا میری عظمت بارے میں جھگڑا کرے گا تو میں اسے آتش جہنم میں ڈال دُوں گا“۔

سورۃ الجاثیہ

(مکی۔ کل آیات: 37)

سورہ کے مطالب

توحید کا بیان، شریعت کے قوانین کا بیان، کتاب کا معاملہ، مومنین کے لیے جنت کا وعدہ، گنہگاروں کے لیے جہنم کی سزا، بشارت اور انذار۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: ”حا، میم۔“

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾

ترجمہ: ”اس کتاب کا نزول بڑے غالب آنے والے، حکمت والے اللہ کی طرف سے ہے۔“

حم حروف مقطعات میں سے ہے جو قرآن کے اسرااور رموز ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ یہ ایسی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری گئی ہے اس پر کوئی بھی طاقت غلبہ نہیں پا سکتی۔ اللہ عزیز اور سب پر قادر ہے۔اللہ حکیم ہے اس نے اپنی حکمت کی بنیاد پر کتاب (قرآن) کو نازل فرمایا تاکہ اس کے وسیلہ سے مخلوق کی ہدایت ہو۔ (تنزیل) کے لفظ سے قرآن کے تدریجی نزول کی طرف اشارہ ہے۔ جبکہ ”انزال“ کے لفظ سے دفعی (ایک ہی مرتبہ) نزول مراد ہے۔

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ﴿۳﴾

ترجمہ: ”آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“

وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ”اور تمہاری خلقت میں اور ان جانوروں میں جنہیں اللہ نے پھیلا رکھا ہے یقین رکھنے والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔“

وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۵﴾

ترجمہ: ''اور رات اور دن کی آمد و رفت میں نیز اس رزق میں جسے اللہ آسمان سے نازل فرماتا ہے پھر زمین کو اس سے زندہ کر دیتا ہے اس کے مردہ ہونے کے بعد اور ہواؤں کے بدلنے میں عقل رکھنے والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں۔''

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ: ''یہ اللہ کی آیات ہیں جنھیں ہم آپ کو برحق سنا رہے ہیں، پھر یہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟''

آسمانوں اور زمین میں اللہ کی نشانیاں

آیت نشانی کے معنی میں ہے، جو کسی مطلب کی نشاندہی کر رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آسمان اور زمین یہ سب ایسی آیات اور نشانیاں ہیں کہ جب ان کے اجزا کو باہم ملا کر دیکھا جائے تو وہ اس بات کی نشاندہی کر رہی ہیں کہ اللہ ان سب کا خالق اور مدبر ہے اور اللہ کا اس امر میں کوئی شریک نہیں ہے کیونکہ اگر ان کا پیدا کرنے والا اور بنانے والا موجود نہ ہوتا تو یہ وجود میں نہ آتے اور اگر ان کا تدبیر کرنے والا ایک نہ ہوتا تو ان کی جزئیات کا نظام ایک دوسرے سے ٹکرا جاتا۔ اور وہ باہم ضد و نقیض ہوتے۔ اور ان کی تدبیر میں ہم آہنگی نہ ہوتی پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: خود تمہارے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی بہت ساری نشانیاں ہیں، خلقت کے اعتبار سے تمہارا وجود مختلف اجزاء سے مرکب ہے ایک طرف تو مادی بدن ہے جو مرنے سے فاسد ہو جاتا ہے اور دوسری طرف علوی اور غیر مادی جز ہے جو کہ روح ہے۔ جو موت آنے سے فاسد نہیں ہوتا۔ انسان جب اپنے وجود میں غور کرتا ہے تو مادی و غیر مادی دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ ان کا آپس میں اتصال ہے۔ یہ

سب اہل یقین کے لیے نشانیاں اور علامات ہیں۔ جو اللہ کے خالق اور مدبر ہونے کا ثبوت ہیں۔ اسی طرح زمین پر رینگنے والا موجود بھی اپنی جگہ پر اللہ کی خالقیت و مدبریت پر دلیل ہے ۔زمین پر حرکت کرنے والی جتنی بھی مخلوقات انسان کو نظر آتی ہیں یہ سب بتارہی ہیں کہ ان کا خالق اور مدبر موجود ہے۔ نباتات اور جمادات کا وجود بھی اپنے خالق اور مدبر کے وجود پر دلیل ہے۔ ایسے افراد جو یقین کے راستے پر ہیں ان کے لیے سب نشانیاں ہیں جن سے وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اور اللہ کی الوہیت کی یکتائی اور ربوبیت کی وحدانیت پر یقین حاصل کر لیتے ہیں۔

اسی طرح شب و روز کا اختلاف، سال کے مختلف موسم، بارش کا برسنا، پانی سے زمین پر روزی کے اسباب مہیا ہونا، زمین پر سبزہ اور زمین کی شادابی، پانی سے زمین کی آبادی، بادلوں کا پانی لے کر ہوا کے دوش میں ادھر سے ادھر جانا اور پھر زمین کے مختلف حصوں پر برسنا ،نباتات، پودوں ،درختوں، پھل دار پودوں میں تلقیح (جفت بازی کے عمل کا جاری ہونا)، ہوا کے ذریعے بدبو کا فضاء سے دور ہونا، درختوں، پھولوں اور سبزہ سے ماحول کی آلودگی کا خاتمہ اور انسان کی صحت مند زندگی کے لیے حالات سازگار ہونا، یہ سب سمجھ داروں اور عقلمند وں کے لیے نشانیاں ہیں، جو صاحبان عقل ہیں، اپنی سمجھ سے حق و باطل میں فرق کرتے ہیں، اچھائی اور برائی میں تمیز کرتے ہیں۔ اگر آیات اور نشانیوں کے ایک گروپ کو کچھ افراد کے لیے قرار دیا ہے اور کچھ کو دوسروں افراد کے لیے تو شاید یہ اس وجہ سے ہو کہ آسمانوں اور زمین کی خلقت سادہ اور عام افراد کو اپنے خالق کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ جبکہ باایمان آدمی ان سب کو دیکھ کر ان کے وسیلے سے اپنے خالق کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

اہل یقین کا امتیاز

یہ بات کہ اللہ انسان کا بھی خالق ہے اور تمام جاندار اور غیر جاندار مخلوق کا بھی خالق ہے۔ تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے حیات اور شعور عطا کیا ہے اور عالم مادہ سے ماوراء نفوس قدسیہ اور ارواح کو (عالم ملکوت سے) تمام جاندار موجودات کو افاضہ کیا ہے، یہ ایسا مطلب ہے جس کا ادراک اہل یقین کرتے ہیں، یہ صاحبان یقین کا امتیاز ہے۔ اہل یقین وہ ہیں جن میں ماورائے محسوسات کو سمجھنے اور درک کرنے کی صلاحیت اور قابلیت موجود ہے۔

زمینی امور کی تدبیر

زمینی امور کی تدبیر (دن اور رات کا بدلنا، بارش کا برسنا، ہواؤں کا چلنا، ہوا کی دوش پر بادلوں کا حرکت میں آنا، سال کے چار موسم، زمین کی ویرانی کے بعد آبادانی) یہ سب ایسے امور ہیں جو زمین پر اور زمین کے ارد گرد موجود فضاء میں روزانہ رونما ہوتے رہتے ہیں۔ ان کو سمجھنے اور درک کرنے کے لیے بہت زیادہ دقت کی ضرورت نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمین کے امور کی تدبیر میں غور اور فکر کرنے کو اہل تعقل سے مختص کیا ہے۔ اہل تعقل سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی عقل استعمال کرتے ہیں، غور و فکر کی صلاحیت کو استعمال کرتے ہیں۔

آیات الٰہی کی تلاوت

رسول اللہ ﷺ سے کہا جارہا ہے کہ الٰہی آیات جو برحق ہیں ہم انہیں آپ پر تلاوت کرتے ہیں، اس کے بعد دیکھنا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی ان آیات میں سے کس پر ایمان لاتے ہیں؟

آیات الٰہی کی شمولیت و عمومیت

الٰہی آیات تکوینی آیات کو بھی شامل ہے۔ ان سے مراد ایسے امور ہیں جو اپنے خارجی اور بیرونی وجود کیساتھ عالم کے خالق اور اس کی صفات کمالیہ پر دلالت کرتے ہیں۔ ان آیات پر ایمان لانے کا مطلب، خالق ہستی پر ان آیات کی دلالت پر ایمان لانا ہے۔

قرآنی آیات

قرآنی آیات بھی ان تکوینی آیات کو بیان کر رہی ہیں اس کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات عقیدتی معارف یا عملی احکام اور امور حیات سے متعلق قوانین اور اخلاقی احکام و ضوابط کو بھی بیان کر رہی ہیں۔

الٰہی معجزات

اللہ کی طرف سے اپنے نمائندوں (انبیاء ورسل) کو جو معجزات دیئے جاتے ہیں، وہ بھی الٰہی آیات ہیں کیونکہ ان کا وجود، طبیعی قوانین کے مخالف اپنا اثر کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ سب خالق کون و مکاں اور اس کی صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ ان آیات کو سمجھنا اور ان کی گہرائی میں جاکر ان کے بارے میں سوچنے کا لازمہ ہی تعقل اور تفکر ہے اور اس کا نتیجہ کون و مکاں کے خالق پر ایمان لانا ہے۔

ایمان سے مراد

کسی چیز پر ایمان لانے کا مطلب اس چیز کو تسلیم کرنا، اس کے وجود کو ماننا ہے۔ اور اس کے ماننے کے ساتھ اس کی طرف سے جاری ہونے والے احکامات پر عمل کرنا ہے۔

کفار کی ملامت

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی ملامت کی ہے کہ وہ واضح معجزات، تکوینی آیات، قرآنی آیات سب کو دیکھنے اور ان کے اثرات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ان پر ایمان نہیں لاتے ہیں اور

ہٹ دھرمی کرتے ہیں۔ کیونکہ واضح نشانیاں اپنے مدلول پر دلالت کر رہی ہوتی ہیں، اگر دیکھنے والا کہے کہ ایسا نہیں ہے تو یا تو وہ شخص بے عقل ہے یا پھر ہٹ دھرم اور ضدی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے بارے میں فرمایا کہ جب یہ لوگ اللہ کی ان آیات اور اللہ کی طرف سے واضح بیانات اور نشانیاں آنے کے باوجود ان پر ایمان نہیں لاتے تو پھر وہ اس کے بعد کس سخن اور کس قسم کی گفتگو پر ایمان لائیں گے ؟!

وَيۡلٌ لِّـكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍ ۙ‏ ﴿۷﴾

ترجمہ: ''تباہی ہے ہر جھوٹے گنہگار کے لیے''

يَّسۡمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتۡلٰى عَلَيۡهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسۡتَكۡبِرًا كَاَنۡ لَّمۡ يَسۡمَعۡهَا ۚ فَبَشِّرۡهُ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ‏ ﴿۸﴾

ترجمہ: ''وہ اللہ کی آیات کو جو اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں سن تو لیتا ہے پھر تکبر کے ساتھ ضد کرتا ہے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں، سو اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔''

وَاِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰيٰتِنَا شَيۡئَا ۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ؕ‏ ﴿۹﴾

ترجمہ: ''اور جب اسے ہماری آیات میں سے کچھ کا پتہ چلتا ہے تو ان کی ہنسی اڑاتا ہے، ایسے لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔''

مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُمۡ مَّا كَسَبُوۡا شَيۡـئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ؕ‏ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''ان کے پیچھے جہنم ہے اور جو کچھ ان کا کیا دھرا ہے وہ انہیں کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور نہ وہ جنہیں اللہ کے سوا انہوں نے کارساز بنایا تھا اور ان کے لیے تو بڑا عذاب ہے۔''

هٰذَا هُدًى ۚ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''یہ (قرآن) ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے رب کی آیات کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب کی سخت سزا ہوگی۔''

جھوٹوں اور افتراء پردازوں کے لیے ہلاکت

اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ ہر اس شخص کے لیے ہلاکت و موت ہے جو قرآن کی ان آیات کا انکار کرتا ہے جو اس پر تلاوت کی جاتی ہیں۔ وہ ان واضح نشانیوں کے باوجود اس رب کو جھٹلاتے ہیں اور کفر پر قائم ہیں حق کے مدمقابل کھڑے ہیں اور نافرمانی پر ڈٹ گئے ہیں ،ان کی حالت ایسی ہے کہ انہوں نے ان آیات کو باطل سمجھا ہے۔ حق کے انکار کی وجہ سے ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو۔ جو شخص ہماری آیات کے بارے علم وآگہی حاصل کرلیتا ہے پھر اس آگہی کے بعد ان کا مذاق اڑاتا ہے تو ایسے افراد کو اپنی خودپرستی اور تمسخر اڑانے کی بنیاد پر ذلت آمیز عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔ حق سے انحراف کی وجہ سے ان کے بارے یہ فیصلہ حتمی اور یقینی ہے یہ سب جہنم میں ہوں گے۔ اس کے دنیا میں حاصل کیے اموال اور تمام ارباب اور اصنام جن کی وہ پرستش کرتا رہا،اس کو ذرہ برابر بھی فائدہ دینے کی پوزیشن میں نہ ہوں گے۔ جب اس کا مال و زر ضائع ہوجائے گا۔ اس کا تسلط اور غلبہ اور اقتدار بھی نہ رہے گا، اس کے پیروکار اور جماعتی بھی ان سے بیزاری کا اعلان کردیں گے۔ تو ایسی کیفیت میں انہیں دھمکایا جا

رہا ہے اور بتایا جارہا ہے کہ وہ خبر دار ہو جائیں کہ ان کے لیے بڑا ہی سخت عذاب ہوگا، یہ عذاب درد ناک بھی ہے اور ذلیل اور خوار کنندہ بھی ہے اور عظیم بھی ہے، انہیں یہ سب کچھ اس لیے بتادیا کہ وہ جان جائیں اور ہٹ دھرمی چھوڑ دیں اور اللہ کی آیات پر ایمان لے آئیں۔

قرآن عین ہدایت

قرآن کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ مکمل ہدایت ہے اور انسانوں کو صراط مستقیم کی رہنمائی دیتا ہے۔ پھر کفار کو دھمکایا جارہا ہے اور انہیں خبر دار کیا جارہا ہے کہ دیکھو جو بھی اپنے پروردگار کی آیات کا انکار کرے گا تو اسے دردناک اور شدید ترین عذاب دیا جائے گا اور اس عذاب کا موجب اور سبب وہ خود ہیں کہ انہوں نے اس قرآن کا انکار کیا ہے جو عین ہدایت اور سچ و حق ہے اور ہر بات کو واضح طور پر سمجھاتا ہے اور اللہ کی الوہیت و ربوبیت کو بیان کرتا ہے۔اس کا انکار کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۚ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور شاید تم شکر کرو۔“

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے لیے مسخر کیا، غور کرنے والوں کے لیے یقیناً اس میں نشانیاں ہیں۔“

ربوبیت سے متعلق آیات ونشانیاں

اس حصہ میں کچھ ایسی تکوینی آیات کو بیان کیا گیا ہے جو اللہ کی ربوبیت پر دلیل ہیں۔ ان آیات پر غور کرنے میں واضح ثبوت مل جاتا ہے کہ پوری کائنات کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اس جگہ سمندروں کی تسخیر کو بیان کیا ہے پھر آسمانی اور زمینی تمام موجودات کی تسخیر کو بیان کیا ہے۔ انسانوں میں سے جو بھی سوچ و سمجھ رکھتا ہے وہ ان موجودات کو دیکھ کر اس بات کے قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ کہہ دے "ربنا اللہ" اللہ ہی ہمارا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو لفظ "کن" کے ذریعہ اس طرح سے خلق کیا ہے کہ تمہاری کشتیاں اور بحرتی بیڑے پانی کی سطح پر تیریں تاکہ ان بحری بیڑوں پر بیٹھ کر اللہ سے روزی طلب کرو ،سمندری سفر کے ذریعہ انسان اپنے لیے روزی حاصل کرتا ہے۔ سمندروں کو انسان کے اختیار میں دینے کو لفظ "سخر" سے بیان کیا ہے ،جو شکار، خوراک، زیب وزینت کا سامان اور حمل ونقل سب کو شامل ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان اللہ کا شکر بجالائے۔

آسمان وزمین کا انسان کے اختیار میں ہونا

اس کے بعد خاص پر عام کو عطف کیا ہے اور کلام کو ایک مرتبہ اوپر ترقی دے دی ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ ہم نے آسمان اور زمین کے تمام اجزا کو تمہارے لیے مسخر کردیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات اور ہستی اور موجودات کو انسان کے ساتھ متصل اور مربوط کردیا ہے، اس طرح کہ انسان ان سب کو اپنے منافع اور مقاصد کے لیے جس طرح چاہے استعمال کرے۔ یہ سب انسان کے اختیار میں ہیں۔ جبکہ ان سب کی موجودیت کا آغاز اللہ تعالیٰ سے ہے، اور وہی سے سب کو وجود اور ہستی ملی ہے۔ لہٰذا تمام آسمانی اور زمینی

موجودات ذاتی حیثیت میں اور اپنے تمام آثار اور خواص کے لحاظ سے سب اللہ کی مخلوق ہیں اور سب کا وجود اللہ سے ہے۔ان سب میں اہل تفکر کے لیے نشانیاں ہیں۔ کیونکہ صاحبان فکر اور عقل ان آیات کو دیکھنے کے بعد کہتے ہیں: اے ہمارے رب! یہ سب تو نے بے ہودہ اور باطل خلق نہیں کیا۔ تو اس سے پاک و منزہ ہے۔ لہٰذا ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔[1] تفکر انہیں اللہ کے حضور مقام خشیت و خوف میں لے جاتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جو ذمہ داری دی جاتی ہے وہ اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے انجام دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جس جگہ موجود ہونے کا حکم دیا ہے وہ وہاں موجود ہوتے ہیں اور جہاں سے منع کیا ہے یہ لوگ اس جگہ نہیں جاتے، یہ لوگ زبان حال و زبان قال سے کہتے ہیں: اے اللہ! تری ذات پاک و منزہ ہے، تو نے ہمارے لیے ان مخلوقات کو مسخر کیا ہے اور ان سب کو ہمارا خادم بنا دیا ہے۔ یہ سب خود بخود اپنی مرضی سے ہماری خدمت میں نہیں آگئے، ان سب کو تو نے حکم دیا ہے کہ وہ ہماری خدمت میں رہیں اور ہمارے اختیار میں ہوں کہ ہم جس طرح چاہیں انہیں اپنی دنیاوی روزی اور منافع و مفادات کے لیے استعمال میں لے آئیں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: "ایمان والوں سے کہہ دیجئے: جو لوگ ایام اللہ پر عقیدہ نہیں رکھتے ان سے در گزر کریں تاکہ اللہ خود اس قوم کو اس کے کیے کا بدلہ دے۔"

---

[1] ۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر 191۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ : ''جو نیکی کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے اور جو برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہے، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

مومنین کے لیے ہدایت

اس جگہ رسول اللہؐ کو خطاب کیا ہے کہ مومنین سے کہہ دو کہ منکرین، اترانے والوں، مسخرہ کرنے والوں اور ٹھٹھہ مذاق اڑانے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ ان سب نے ایک دن پروردگار کی طرف لوٹ جانا ہے۔ ان منکرین کا مواخذہ آپ کے ذمہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہی ان کو ان کے اعمال کے مطابق اپنی گرفت میں لے گا۔ جو نیک عمل کرے گا اور صاحب ایمان ہو گا تو اس کے مطابق اللہ کی طرف سے انعام پائے گا اور جس نے برا عمل کیا ہے ، کفر اختیار کیا ہے تو اسے اس کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ سب نے اللہ کی طرف پلٹ کر آنا ہے اور سب کو ان کے اعمال کی جزاء اور بدلہ ملے گا۔ آخرت کا حساب لینے والا اللہ ہے جو باخبر بھی ہے اور علیم بھی ہے اور عدل محض ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرے گا، ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دے گا۔

ایام اللہ سے مراد

ایام اللہ سے ایسے ایام مراد ہے جن میں اللہ کے حکم کے سواء کسی کا حکم نہ رہے گا۔ ان ایام میں سلطنت اور اقتدار فقط اللہ کا ہو گا۔ اللہ کے سوا کسی کا غلبہ نہ ہو گا، اس دن سارے دنیاوی اسباب ختم ہو جائیں گے جیسے : موت کا دن ، برزخ کے ایام، قیامت کا دن

،عذاب کا دن ،ثواب ملنے کا دن یہ سب اللہ کے ایام ہیں۔ ان میں حکم اللہ کا چلتا ہے کسی اور کا نہیں۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۚ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکمت اور نبوت دی اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزیں عطا کیں اور ہم نے انہیں اہل عالم پر فضیلت دی۔“

وَ اٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے انہیں امر (دین) کے بارے میں واضح دلائل دیئے تو انہوں نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد آپس کی ضد میں آ کر اختلاف کیا، آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے۔“

بنی اسرائیل پر اللہ کے انعامات

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے ہم نے بنی اسرائیل کو توراۃ دی، جس میں موسیٰ کی نبوت کی تائید ہے۔ اس کتاب میں حضرت موسیٰ پر اتاری گئی شریعت کے احکام ہیں۔ اس جگہ کتاب کا حوالہ انجیل کو شامل نہیں ہے کیونکہ انجیل میں شریعت (قانون) نہیں۔ اس طرح حضرت داؤد کی زبور کو بھی شامل نہیں کیونکہ زبور میں دعائیں اور اذکار ہیں۔ فقط ایک صورت میں

"کتاب" انجیل اور زبور کو شامل ہو سکتی ہے کہ جب " الکتاب" سے جنس مراد لیں جو سب کتابوں کو شامل ہے۔

"الْحُكْمَ" سے مراد وہ قوانین ہیں جن کے تحت لوگوں کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔

"النُّبُوَّةَ" سے بنی اسرائیل سے مبعوث ہونے والے انبیاء مراد ہیں۔

"رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ" سے اللہ تعالیٰ کی وہ پاکیزہ روزی مراد ہے جو اس نے آسمان سے اتاری تھی، جس کو "من و سلویٰ" کہا جاتا ہے، جس میں بھنے ہوئے پرندے، شہد نما لذیذ قسم کے قطرات آسمان سے اترتے تھے جسے فارسی میں ترنجبین کہا جاتا ہے۔

" وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ" ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ اگر برتری سے بعض جہات میں برتری مراد ہو تو اس سے بنی اسرائیل سے کثیر تعداد میں انبیاء کا ہونا اور معجزات کا بہت زیادہ ہونا مراد ہے۔ "الْعٰلَمِيْنَ" سے تمام جہانوں والے مراد ہیں۔ لیکن اگر تمام جہات میں برتری مراد ہو تو اس صورت میں اسے مراد فقط اس دور کے لوگ مراد ہیں یعنی بنی اسرائیل کے ہم عصر لوگ۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: "پھر ہم نے آپ کو امر (دین) کے ایک آئین پر قائم کیا، لہٰذا آپ اسی پر چلتے رہیں اور نادانوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں۔"

اِنَّهُمۡ لَنۡ یُّغۡنُوۡا عَنۡكَ مِنَ اللّٰهِ شَیۡـًٔا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ۚ وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''بلاشبہ یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں آپ کے کچھ بھی کام نہیں آئیں گے اور ظالم تو یقیناً ایک دوسرے کے حامی ہوتے ہیں اور اللہ پرہیزگاروں کا حامی ہے۔''

شریعت اسلام کا بیان

اس مقام پر رسول اللہؐ کو خطاب ہے اور یہ خطاب آپؐ کی امت کو بھی شامل ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب تورایت دی، انہیں شریعت سے نوازا اور بہت سارے انعامات سے بھی انہیں نوازا۔ ہم نے آپ کو بھی دین الٰہی کے امر کے خاص طریقے سے نوازا اور وہ امر شریعت اسلام ہے۔ لہٰذا تم اس دین کے احکام کی پیروی کرو جس کی آپ کو وحی کی جاتی ہے۔ جاہلوں کی ان نفسانی خواہشات کی پیروی مت کرو جو دین خدا کے مخالف ہیں۔ اس آیت سے یہ استفادہ ہو رہا ہے کہ:۔

1۔ رسول اللہ ﷺ بھی امت کی طرح دین کے احکام اور دستورات پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔

2۔ ہر وہ حکم اور عمل جو وحی کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ جاہلوں کی نفسانی خواہشات کا نتیجہ ہو اسے علم کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

جاہلوں کی ناتوانی

جاہلوں کی نفسانی خواہشات کی پیروی سے منع اس لیے کیا جا رہا ہے کہ وہ تمہاری کسی بھی ضرورت و حاجت کو پورا نہیں کر سکتے۔ حاجات، احتیاجات اور ضروریات کی برآوردی کے لیے اللہ کے دین کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد جاہلوں کی نفسانی خواہشات کی

پیروی سے منع کرنے کی وجہ اس طرح بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ ظالم اور کفر کے پیشوا و راہنماء ہیں، یہ لوگ بدعتوں کی پیروی کرتے ہیں اور خود ساختہ احکام پر عمل پیرا ہیں اور ظالم ایک دوسرے کے ولی و سرپرست ہیں۔

اللہ کی ولایت و سرپرستی

اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کا ولی اور سرپرست ہے جو اللہ کے دین کی پیروی کرتے ہے۔ اللہ ان کا ولی ہر گز نہیں جو جاہلانہ میلانات اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ پر لازم ہے کہ وہ امر دین کی پیروی کریں۔ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جن کا اللہ ولی و سرپرست نہیں ہے۔ کیونکہ جاہلوں اور کفر پیشہ افراد کی ولایت و سرپرستی کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی اور نہ ہی اللہ کی ولایت و سرپرستی کی جگہ لے سکتی ہے۔

پیغام : انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے سرپرستی اور ولی یعنی اللہ تعالیٰ سے ارتباط اور تعلق مستحکم کرے۔ اس کے لیے اللہ کے دین کی پیروی کرنا اور جاہلانہ خواہشات اور میلانات رکھنے والوں کی بات کو قبول نہ کرنا ضروری ہے۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٢٠﴾

ترجمہ : ”یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت افروز اور یقین رکھنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔“

شریعت اسلام کا بیان

”هٰذَا“ اسم اشارہ ہے اس سے یا تو شریعت اسلام مراد ہے یا قرآن مراد ہے۔ بصائر ،بصیرت کی جمع ہے اور بصیرت اشخاص کی ایسی سمجھ اور ادراک کو کہتے ہیں جو حقیقت اور واقعیت کے مطابق ہو۔ شریعت کو بصیرت اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ شریعت میں ایسے احکام

اور قوانین ہیں جو انسان کی سعادت اور خوش بختی کا راہنما ہیں۔ اس لحاظ سے آیت کا معنی اس طرح ہوگا کہ یہ دین قرار دیا گیا ہے، اسے قانون بنایا گیا ہے یا یہ قرآن شریعت (قانون) پر مشتمل ہے، ایسے عملی وظائف پر مشتمل ہے کہ اگر لوگ اس پر عمل کریں تو تمام انسانوں کو بابصیرت بنا دے۔اور لوگ اس کے وسیلہ سے حق کے راستہ کی ہدایت پائیں گے۔اس کی دلالت واضح ہے کیونکہ یہ خیر دینے والی کتاب ہے۔ یہ کتاب ایسی جماعت کو خیر و برکت عطاء کرنے والی ہے جو اللہ کی آیات پر یقین رکھتے ہیں۔ (جو دینی معارف کے اصول اور بنیادوں پر دلالت کرتی ہے) اس مقام پر ہدایت اور رحمت کو اہل یقین سے خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہدایت سے مراد ہدف تک لے جانا ہے، اور ہدف و مقصود کی رحمت ان کے لیے خاص ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں اور اہل یقین ہیں۔ اگرچہ رحمت اور ہدایت کے عمومی معنی کے اعتبار سے اس میں تمام لوگ شامل ہیں۔ لیکن خاص رحمت اور ہدایت جو مقصود تک لے جانے کے معنی میں ہے تو یہ فقط اہل یقین اور اہل بصیرت کے لیے ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ”برائی کا ارتکاب کرنے والے کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم انہیں اور ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجا لانے والوں کو ایک جیسا بنائیں گے کہ ان کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے؟ برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔“

نیک اور برے برابر نہیں

”اِجْتِرَاحْ“ کسب کرنے اور حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔

" السَّیِّاٰتِ "ایسی برائی کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے برائی انجام دینے والا مذمت کا مستحق ٹھہرے۔

"جعل" کسی چیز کو خاص شکل میں قرار دینے کے معنی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ جو لوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں انہوں نے یہ خیال کرلیا ہے کہ ہم انہیں اہل ایمان اور نیک اعمال بجالانے والوں کے برابر قرار دے دیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایمان اور شریعت کی پابندی ان کی زندگی اور موت کے حوالہ سے کچھ بھی اثر نہیں رکھتی! سچ تو یہ ہے کہ یہ کتنا برا فیصلہ ہے۔ ایسی سوچ بالکل باطل اور نادرست ہے۔ یہ دو گروہ نہ تو حیات و زندگی میں برابر ہیں اور نہ ہی موت میں برابر ہیں، کیونکہ مومنین دین میں بابصیرت ہیں۔ اپنے پروردگار کی ہدایت کے تحت زندگی گزار رہے ہیں، روحانی سکون اور اطمنیان میں ہوتے ہیں۔ جبکہ گنہگار پروردگار کی ہدایت اور رحمت سے محروم ہیں اور وہ ایک طرح کی مایوسی اور اندرونی بے سکونی میں ہوتے ہیں، ان میں اطمنان قلب نہیں ہوتا۔ مومنین نے دنیا کی ناپائیدار اور زوال پذیر زندگی سے اللہ کی رحمت کے سایہ میں باقی رہنے والی زندگی کی طرف جانا ہے جبکہ گنہگاروں نے موت کے بعد دنیاوی زندگی سے ہمیشہ کے عذاب اور بدبختی کی طرف جانا ہے لہٰذا دونوں میں بڑا فرق ہیں اور وہ بلکل ایک جیسے نہیں۔

وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝٢٢

ترجمہ: "اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق خلق کیا ہے تاکہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

باہدف خلقت

عالم محسوسات کی خلقت حق کے مطابق تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی خلقت میں ایک ہدف قرار دیا ہے۔ اللہ کی آفرینش اور خلقت کا ہدف یہ ہے کہ ہر ایک شخص نے جو عمل کیا ہے اسے اس کا بدلہ دیا جائے اور یہ جزاء عدل پر مبنی ہوگی کیونکہ ان کی جزاء بعینہٖ خود ان کا عمل ہوگا، ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے (اپنے) علم کی بنیاد پر اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے؟ پس اللہ کے بعد اب اسے کون ہدایت دے گا؟ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟''

نفسانی خواہشات کی پیروی

کیا تمھیں اس بات پر تعجب نہیں کہ جو شخص یہ جانتا ہے کہ الہ اور خدا موجود ہے اسے چاہیے تو تھا کہ وہ خدائے سبحان کی پرستش کرے، لیکن وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے، ایسا شخص آگہی رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص کو گمراہ قرار دے دیتا ہے۔ کیونکہ وہ علم رکھنے کے باوجود اپنی نفسانی خواہشات کی اطاعت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اس رویہ کی سزا کے طور پر اس کی گمراہی کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دیتا ہے کہ نہ وہ حق کو سن سکیں اور نہ ہی حق کو قبول

کرسکیں۔ اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ حق کو دیکھ نہیں سکتا۔ الٰہی آیات سے بصیرت حاصل نہیں کرتا کیونکہ اس کے دل پر مہر لگ چکی ہوتی ہے۔ اس صورت میں کون ہے جو اسے ہدایت دے کیونکہ ہدایت دینا تو صرف اللہ کا کام ہے۔ ''سورۃ بقرہ آیت نمبر 120'' بتحقیق اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے جسے اللہ گمراہ کردے تو پھر اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ ''سورۃ مومن آیت نمبر 33'' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملامت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم اس شخص کی حالت کے بارے سوچ کر اس سے عبرت کیوں حاصل نہیں کرتے؟

وَ قَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ۝۲۴

ترجمہ: ''اور وہ کہتے ہیں: زندگی تو بس یہی دنیاوی زندگی ہے (جس میں) ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مارتا ہے اور انہیں اس کا کچھ علم نہیں ہے، وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔''

مشرکین کی بات

اس آیت شریفہ میں مشرکین کے کلام کو بیان کیا جارہا ہے جو معاد کے منکر ہیں۔ اس میں دہریوں کی بات بیان نہیں کی جو مبدء و معاد دونوں کے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ وہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ ہماری دنیوی حیات کے بعد دوسری کوئی زندگی و حیات نہیں ہے ۔ جبکہ ادیان الٰہی کا یہ دعویٰ ہے کہ مرنے کے بعد سب مردے ایک دن دوبارہ زندہ ہوں گے اور پھر سے نئی زندگی کا آغاز ہوگا۔ مشرکین اس بات کو نادرست قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو اسی دنیا میں ہیں، ہم میں سے کچھ مرتے ہیں اور کچھ دنیا میں آرہے ہیں۔ نونہال بوڑھوں

کی جگہ لیتے ہیں اور انسانی نسل اسی طرح جاری ہے ہمیں تو زمانہ کے سوا کوئی اور نہیں مارتا۔ زمانہ کے گذرنے سے ہی ہر نئی چیز پرانی اور فرسودہ ہوتی ہے اور اس طرح زمانہ ہی ہر سالم کو فاسد کرتا ہے۔ ان کے پاس ان باتوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جبکہ معاد (مرگ کے بعد حیات) کے ثبوت پر دلیل و ثبوت موجود ہے۔ مشرکین ظن و گمان کی بنیاد پر بات کرتے ہیں اور ظن و گمان سے کبھی بھی حق کو ثابت نہیں کیا جاسکتا:

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغۡنِىۡ مِنَ الۡحَـقِّ شَيۡـئًا‌ؕ (سورہ یونس، آیت ۳۶)

ترجمہ: ''بلاشک ظن انسان کو حق (کی ضرورت) سے ذرہ برابر بے نیاز نہیں کرتا۔''

وَ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝۲۵

ترجمہ: ''اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پوری وضاحت کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں تو ان کی حجت صرف یہی ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کرکے) لے آؤ۔''

مشرکین کی غیر منطقی خواہش

مشرکین کے پاس معاد کے انکار کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے۔ جبکہ معاد کے اثبات کے لیے بہت ساری مضبوط دلیلیں موجود ہیں۔ جب مشرکین ان محکم دلائل کے سامنے لاجواب ہو گئے تو انہوں ایک مضحکہ خیز خواہش کا اظہار کردیا کہ اگر معاد سچ ہے تو جو لوگ مر چکے ہیں انہیں دوبارہ زندہ کیا جائے، ہمارے آباؤ واجداد میں سے جو مر چکے ہیں انہیں زندہ کردیں اور انہیں ہمارے پاس لے آئیں۔ ان کی یہ بات کوئی دلیل نہیں بلکہ بے ہودہ بات اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ”کہہ دیجئے: اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تمہیں مار ڈالتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جس میں کوئی شبہ نہیں جمع کرے گا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

قیامت کے دن سب مردوں کا حاضر ہونا

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی بات کا جواب دیا ہے کہ اے رسولؐ ان سے کہہ دو! کہ اللہ ہی نے تمہیں حیات دی ہے اور اللہ ہی تمہیں مارتا ہے اور وہی اللہ تمہیں قیامت کے دن زندہ کرے گا۔ اگرچہ مشرکین اس لائق نہیں کہ ان کی بات کا جواب دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کا جواب اس لیے دیا ہے تاکہ ان پر حجت تمام ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! اللہ ہی نے تمہیں آغاز میں عدم سے وجود عطاء کیا اور زندگی کا ایک دورانیہ گزارنے کے بعد اللہ ہی ہے جو تمہارے بدن سے روح کو جدا کر دیتا ہے اور تمہیں موت دے دیتا ہے۔ حیات اور موت اللہ کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا آخرت اور قیامت کے دن کے بارے میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ تم سب کو زندہ کرے گا، یعنی تمہاری ارواح کو تمہارے ابدان کیساتھ جوڑ دے گا اور اس دن تم سب اللہ کے حضور پیش کئے جاؤ گے۔ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا سخت ہے بہ نسبت اس کے کہ جو چیز موجود ہو اسے مار کر دوبارہ حیات دی جائے، یہ تو بہت ہی آسان ہے لیکن اس مطلب سے اکثر لوگ آگاہ نہیں ہیں۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس روز اہل باطل خسارے میں پڑ جائیں گے۔''

اللہ تعالیٰ کی مالکیت

اللہ تعالیٰ ہی مالک مطلق ہے۔آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب میں تصرف کا اختیار اللہ کے پاس ہے۔اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے ان میں اپنا حکم جاری کرے اور جیسے چاہے انہیں بنائے۔اللہ ہی کے پاس یہ اختیار ہے کہ لوگوں کو (ان کی موت کے بعد) اپنے پاس واپسی کا حکم دے۔ اس بابت اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے انہیں قیامت کے دن اکٹھا کرے اور اس دن ان کے درمیان قضاوت اور فیصلہ کرے اور حق پر مبنی جزاء دے، اس دن کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔لہٰذا وہ باطل پرست جو دنیا میں اس بات کا انکار کرتے تھے قیامت کے دن وہ خسارے میں ہوں گے کیونکہ انہوں نے اپنے اصلی سرمائے کو استعمال میں نہیں لایا جو کہ عقل تھا۔اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سلامتی اور صحت جیسی نعمات اور صلاحیتیں جو ان کے اختیار میں تھیں ان سے انہوں نے فائدہ نہیں اٹھایا جس کے نتیجہ میں قیامت کے دن وہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ اللہ کی مالکیت کا انکار کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

وَ تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۟۲۸

ترجمہ: ''اور آپ ہر امت کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھیں گے اور ہر ایک امت اپنے نامہ اعمال کی طرف بلائی جائے گی، آج تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے ہو۔''

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنۡطِقُ عَلَيۡكُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسۡتَنۡسِخُ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ : ''ہماری یہ کتاب تمہارے بارے میں سچ سچ بیان کر دے گی جو تم کرتے تھے، ہم اسے لکھواتے رہتے تھے۔''

ہر فرد اور ہر اُمت کا اعمال نامہ

اس آیت میں رسول اللہؐ کو خطاب ہے اور ان سے بھی خطاب ہے جن میں دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہے۔ کہا جارہا ہے کہ قیامت کے دن تم اس بات کو دیکھو گے کہ ہر امت خضوع و خشوع اور عاجزی، خوف اور گھبراہٹ کی حالت میں ، گھٹنوں کے بل رینگ رہے ہوں گے۔ انہیں اس کتاب کی طرف بلایا جائے گا جس میں ان کے اعمال درج ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ آؤ اور اپنے اعمال کو خود دیکھ لو۔ پھر ان کو آگاہ کیا جائے گا آج تمہیں ان اعمال کی جزا ملنے والی ہے جو تم نے دنیا میں انجام دیئے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس ہر فرد کا شخصی اعمال نامہ ہوگا۔ اس طرح ہر امت کے لیے بھی ایک کتاب اور اعمال نامہ ہوگا۔ اس دن اللہ تعالیٰ مجرموں سے خطاب کرے گا اور فرمائے گا یہ تمہاری کتاب ہے جو تمہارے خلاف برحق فیصلہ کو بیان کر رہی ہے۔ اس اعمال نامہ سے لوح محفوظ کے اجزاء میں سے ایک جز مراد ہے کیونکہ اس جگہ اس اعمال نامہ کی نسخہ برداری ہوتی ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ فرشتے مخلوق کے اعمال کو ثبت کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ان کے پاس لوح محفوظ میں درج شدہ موجود ہے اسے بندوں کے اعمال کے ساتھ تطبیق دیتے ہیں۔ تفسیر قمی میں اس آیت کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی گئی ہے جو اس معنی کی تائید کرتی ہے۔

کتاب کا صاحب نامہ عمل کے خلاف گواہی دینے کی وجہ: یہ بات کہ وہ کتاب اعمال بجالانے والوں کے خلاف فیصلہ دے رہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ ہماری کتاب تمہارے کئے ہوئے اعمال پر دلالت کرتی ہے اور یہ بات برحق ہے اور اس کتاب میں وہی کچھ ہے جو تم نے انجام دیا ہے۔ اس کتاب اور تمہارے عمل میں ذرا برابر بھی فرق نہیں ہے۔ تمہارے عمل سے کچھ بھی نہیں بچا، پورے کا پورا عمل اس میں درج ہے کیونکہ ہماری کتاب لوح محفوظ ہے جو تمہارے اعمال کی واقعیت اور اصلیت کو پوری طرح احاطہ کئے ہوئے ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُدۡخِلُهُمۡ رَبُّهُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ”پھر جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح بجا لائے انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا، یہی تو نمایاں کامیابی ہے۔“

اہل سعادت کے بارے بیان

اس آیت میں اہل سعادت اور صاحبان ایمان کی بات کی گئی ہے۔ ان کی کیفیت ایسی ہوگی کہ وہ سب مطمئن اور خوش و خرم ہوں گے کیونکہ انہوں نے دنیا میں نیک اور شائستہ اعمال دئے تھے۔ ان کے ایمان اور عمل میں ہم آہنگی تھی اس لیے ان کے رب نے انہیں اپنی رحمت واسعہ میں داخل کرلیا اور بہشت ان کا ٹھکانا قرار دیا اور یہ کمال اور سعادت ہے جو ان کو نصیب ہوگا اور یہی کھلی اور واضح کامیابی ہے۔

اہل کفر کی کیفیت

جنہوں نے اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت کا انکار کیا، اللہ کی آیات کو جھٹلایا، اللہ کے مد مقابل تکبر اور بڑائی کا اظہار کیا تو قیامت کے دن انہیں ڈانٹ پلانے کے انداز میں خطاب کیا جائے گا: بتاؤ کیا ایسا نہیں تھا کہ ہماری واضح اور ایسی آیات جو ہماری بات کا واضح ثبوت تھا وہ آیات تمہارے اوپر تلاوت کی جاتی تھیں اور تم ان کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے اور تکبر کرلیا کرتے تھے، تم گناہ گار تھے تو پھر آج تمہیں سخت ترین عذاب اور ہمیشہ کی بد بختی کے سواء کسی اور چیز کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ''اور جنہوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیات تمہیں سنائی نہیں جاتی تھیں؟ پھر تم نے تکبر کیا اور تم مجرم قوم تھے۔''

وَ اِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ السَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''اور جب (تم سے) کہا جاتا تھا کہ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے: ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے، ہمیں گمان سا ہوتا ہے اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں۔''

اللہ کے رسول کی دعوت کے انکار کا انجام

اللہ تعالیٰ نے کفار کی بات بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا ہے کہ جب تمہارے پاس ہمارے رسول آتے اور قیامت کا بتاتے تھے، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور حساب کے

لیے محشور ہونے کا بیان کرتے تھے تو تم اس پر ایمان نہیں لاتے اور بے یقینی کی حالت میں کہتے تھے کہ قیامت کا بپا ہونا ہمارے لیے نا مفہوم اور نا معقول بات ہے، ہم اس بات کو نہیں سمجھ پاتے، یہ ایک گمان و خیال ہے جس پر ہم اعتماد نہیں کر سکتے، ہمیں بالکل اس بات کا یقین نہیں آتا۔ان کی یہ بات بہت ہی زیادہ لجبازی، ضد اور ہٹ دھرمی تھی اور وہ حق کے مقابلہ میں تکبر کرتے تھے تو اب انہیں سخت ترین عذاب اور ہمیشہ کی بد بختی کا سامنا کرنا ہوگا۔

وَ بَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''اور ان پر اپنے اعمال کی برائیاں ظاہر ہو گئیں اور جس چیز کی وہ ہنسی اڑاتے تھے اس نے انہیں گھیر لیا۔''

قیامت کے دن اعمال کی نمائش

گنہگاروں کے برے اعمال اور برائیاں قیامت کے دن ان کے سامنے ظاہر ہوں گی۔ یہ آیت ان آیات میں سے ہے جو اعمال کے مجسم ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ آخر میں فرمایا کہ اب اس عذاب کا سامنا کرو جسے ہمارے انبیاء نے تمہارے لیے دنیا میں لیے بیان کیا تھا اور تم ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

وَ قِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: "اور کہا جائے گا: آج ہم تمہیں اسی طرح بھلا دیتے ہیں جس طرح تم نے اپنے لیے اس دن کے آنے کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں ہے۔"

قیامت کے دن کفار سے خطاب

قیامت کے دن کفار اور دعوت حق کو جھٹلانے والے مجرموں سے خطاب ہو گا کہ آج ہم تمہارے اوپر توجہ نہیں دیں گے اور تمہیں قیامت کی ہولناکیوں، سختیوں اور سخت ترین عذاب کے لیے آزاد چھوڑیں گے۔ جس طرح تم نے دنیا میں قیامت کے دن کو بھلا دیا تھا اور ہماری یاد نہیں کرتے تھے اور قیامت کو یاد کرنے سے منہ موڑ لیتے تھے اور اس کے ذکر پر توجہ نہیں دیتے تھے۔ آج تمہارا ٹھکانہ آتش جہنم ہے، آج تمہارا کوئی یاور اور مددگار نہیں ہے جو تمہارا عذاب کم کر سکے۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ
فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: "یہ (سزا) اس لیے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کو مذاق بنایا تھا اور دنیاوی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، پس آج کے دن نہ تو یہ اس (جہنم) سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کی معذرت قبول کی جائے گی۔"

بات کو جاری رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ عذاب جس میں تم اس وقت گرفتار ہو چکے ہو یہ اس وجہ سے ہے کہ تم لوگ دنیا میں اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے تھے، استھزاء کرتے تھے اور ٹھٹھہ مذاق اڑاتے تھے۔ دنیاوی زندگی نے تمہیں مغرور کر دیا تھا، اس سے تم نے دل لگا رکھا تھا۔ جبکہ تم خلقت کے حقیقی غرض اور مقصد سے غافل تھے اور دنیاوی

زندگی کو سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہوگا کہ دیکھو آج یہ لوگ آتش جہنم میں ہیں، وہ اس سے باہر نہ آپائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کا کوئی بہانہ و معافی کی درخواست بھی قبول نہ ہوگی۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: ''پس ثنائے کامل اس اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں کا رب اور زمین کا رب ہے، عالمین کا رب ہے۔''

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: ''اور آسمانوں اور زمین میں بڑائی اسی کے لیے ہے اور وہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔''

آسمانوں اور زمین میں اللہ کی حمد و ستائش

ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ حمد کسی اختیاری اچھے فعل پر ستائش کرنے کے معنی میں ہے۔ ''کبریا'' ایسی عظمت اور بزرگی کو کہتے ہیں جس میں پستی نہ ہو۔ عظمت و ملک کا معنی بھی ہے، اللہ تعالیٰ کے وجود کی کمال اور لامتناہی عظمت پر بولا جاتا ہے اور اللہ ہی پر اس لفظ کا اطلاق حقیقی ہے۔ تمام آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور تمام جہانوں میں اللہ کی حمد و ستائش ہے، ہر حمد اس رب کے لیے مخصوص ہے جو سب جہانوں کے تمام امور کا مدبر ہے کیونکہ اس نے تمام ہستی کو عدم محض سے وجود میں لایا ہے اور ان کے تمام امور کی تدبیر بھی فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آفرینش حق پر مبنی اور باہدف ہے اس نے کوئی بھی چیز بے مقصد خلق نہیں کیا ہے۔ تمام خلایق کی بازگشت اللہ کی طرف ہے جہاں ان سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزاء دی جائے گی۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی آفرینش اور خلقت بھی بہترین

ہے اور اس کی تدبیر بھی بہترین ہے۔ تمام ستائشیں اور ہر طرح کی حمد اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔

کبریائی اور عظمت اللہ کے لیے ہے

ہر جگہ اللہ کی عظمت اور کبریائی کا اظہار ہے، آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی اللہ سے بزرگ تر نہیں ہے۔ سب اللہ کے سامنے ہیچ اور کم تر ہیں، بالاتر اللہ ہی ہے۔ کوئی بھی اللہ کو اپنے تابع قرار نہیں دے سکتا۔ کیونکہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے عاجز ہیں۔ سب کی بازگشت اللہ کی جانب ہے۔ سب اللہ کے حضور مطیع ہیں۔ ہر شئی کو عدم سے وجود کا کمال اسی نے دیا ہے لہٰذا وہ ہی عظیم اور عظیم تر ہے۔ وہ جو ارادہ کرے وہی ہونا ہے کوئی اس کے ارادہ کے سامنے مانع و رکاوٹ نہیں کھڑی کر سکتا۔ اللہ عزیز ہے اور ہر شئی پر غالب ہے کوئی طاقت اس پر غلبہ نہیں پا سکتی۔ وہ حکیم ہے اور اس کی ہر خلقت مصلحت پر مبنی ہے اور ایک ہدف کے تحت ہے۔ اس کے سب کاموں میں استحکام ہے اس نے ہر مخلوق کو بہترین اور محکم خلق کیا ہے اور وہی اپنی مخلوقات کی احسن طریقہ سے تدبیر کرتا ہے۔ (تفسیر مجمع البیان 92 میں حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کبریائی میری رداء ہے اور عظمت میرا جامہ ہے جو کوئی ان دو کے متعلق مجھ سے جھگڑا کرے اور اس میں شریک ہونا چاہئے تو میں اسے آتش جہنم میں پھینک دوں گا)۔

پیغام: ابدی سعادت کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق زندگی گزارے۔ ہر حال میں اس کی حمد کرے۔ تکبر و غرور نہ کرے بلکہ عاجزی و انکساری اختیار کرے۔ امن و سکون ان کے لیے ہے جو اللہ کے حضور خاشع و خاضع ہیں اور ایمان و عمل کو اکٹھا کرکے اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونگے۔

سورۃ الاحقاف

(مکی۔ کل آیات: 35)

سورہ کے مطالب

مشرکین کو مستقبل کے خطرات سے آگاہ کرنا، توحید اور نبوت کے دلائل، جھوٹوں کی ہلاکت کا تذکرہ، بعض جنات کے ایمان لانے کا قصہ، قیامت کے دن کا تذکرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: ''ح مٓ۔''

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲

ترجمہ: ''یہ کتاب اللہ کی طرف سے اُتاری گئی ہے جو غالب حکمت والا ہے۔''

''حٰم'' یہ حروفِ مقطعات میں سے ہیں، یہ قرآنی رموز و اشارات ہیں۔ ہم نے پہلے بھی کہا ہے وہ سورتیں جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں ان میں جو بیانات موجود ہیں وہ ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں۔

قرآن کی خصوصیت

پہلی بات یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ غالب و قاھر مطلق ہے۔ یہ کتاب کسی کی اپنی تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ یہ کتاب اللہ نے نازل فرمائی ہے وہ خود صاحبِ اختیار ہے، اللہ حکیم ہے اس کے تمام فیصلہ جات حکمت اور مصلحت کے تابع ہوتے ہیں اس کی خلقت حکمت کے تحت ہے یہ انتہائی محکم کتاب ہے اللہ کی حکمت کا کمال ہی ہے کہ اس نے انسان کی ہدایت کے لیے کتاب کو نازل فرمایا ہے۔

پیغام: قرآن کو اللہ کی کتاب مانتے ہوئے اس کے مضامین پر عمل کیا جائے۔

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝۳

ترجمہ: ''ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے کسی مصلحت ہی سے اور ایک خاص وقت تک کے لیے پیدا کیا ہے، اور کافروں کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔''

آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس سے مراد پوری کائنات ہے۔ پورا عالم محسوسات اس کے دائرہ میں آتا ہے۔

اجل مسمّٰی سے مراد

اجل مسمّٰی سے ہر چیز کے وجود کا نقطۂ انتہاء مراد ہے۔ اس جگہ عالم محسوسات میں جو کچھ ہے ان کے وجود کی ایک انتہاء ہے اور وہ انتہاء روز قیامت ہے۔ لہٰذا اس سے مراد روز قیامت لیا گیا۔

عالَم مشہود کی خلقت

اللہ فرمارہا ہے کہ پوری کائنات جو کہ عَالَمِ مشہود ہے اور انسان کے محسوسات میں آسکتی ہے اسے ہم نے حق پر مبنی خلق کیا ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اس کی حقیقت کا ایک ہدف ہے اس کی ایک انتہاء ہے ایک مقصد ہے، بغیر مقصد و ہدف کے نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے انہیں ایک طے شدہ وقت کے لیے خلق کیا ہے۔ اس عالم کی ایک انتہاء ہے اس کے بعد پھر دوسرا عالم ہے۔ دوسرا عالَم عالَمِ بقاء ہے اس میں خُلد اور ہمیشگی ہے۔

جبکہ کافر اور مشرکین اس عالم کے بعد دوسرے عالم کے وجود کو نہیں مانتے، وہ معاد کے انکاری ہیں۔ کافر اور مشرکین کو جب قیامت کے دن سے آگاہ کیا جاتا ہے اور عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ منہ موڑ لیتے ہیں وہ غفلت میں ہیں۔ انہیں اس کی بالکل پرواہ نہیں ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴

ترجمہ : ”کہہ دو بھلا بتاؤ تو سہی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں میں ان کا کونسا حصہ ہے، تم میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی کتاب لاؤ یا کوئی علم چلا آتا ہو وہ لاؤ اگر تم سچے ہو۔ (کوئی علم کی نشانی لے آؤ جو پہلے موجود چلی آرہی ہو)“

مشرکین سے احتجاج

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپان مشرکین سے سوال کریں کہ اگر وہ سچے ہیں اور وہ جن خداؤں کی پرستش کر رہے، وہ صحیح کر رہے ہیں تو پھر ذرا یہ بتاؤ اللہ نے تو زمین کو خلق کیا تو ان شرکاء نے زمین کے کون سے حصہ کو خلق کیا؟ اگر سچے ہو تو قرآن سے پہلے جو آسمانی کتابیں نازل ہوئیں ان میں سے کوئی ثبوت پیش کرو کہ زمین کے کچھ حصہ کی یا آسمانوں میں سے کسی آسمان کی یا آسمان کسی کے حصہ کی خلقت میں اُنہوں نے حصہ لیا۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو کوئی موروثی منقولات سے دلیل لے آؤ، جو کچھ تمہیں وراثت میں ملا ہے موروثی تحریروں میں کچھ اس طرح کا ثبوت موجود ہے تو وہ دکھا دو تاکہ تمہارا دعویٰ ثابت ہو جائے۔ جبکہ ایسا بالکل نہیں ہے تمہارے خداؤں نے زمین اور آسمانوں میں سے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان میں سے کسی میں کچھ نہیں خلق نہیں کیا اور خلقت تدبیر سے جدا نہیں ہے، جو خلق کرتا ہے تو وہ اپنی مخلوق کی تدبیر بھی کرتا ہے۔ مدبر کے لیے ضروری ہے کہ اس کی خلقت میں اس کا حصہ ہو۔ لہٰذا تمہارا دعویٰ باطل و غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پورے عالم کی تدبیر میں کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

پیغام: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہ دو جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں اور دیگر چیزوں کی پرستش کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں ان کے پاس ان کے مشرکانہ عمل کے جواز کے لیے کوئی ثبوت موجود نہیں۔

وَ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ یَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَنۡ لَّا یَسۡتَجِیۡبُ لَہٗۤ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ وَ ہُمۡ عَنۡ دُعَآئِہِمۡ غٰفِلُوۡنَ ۵

ترجمہ: ''اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ کے سوا اسے پکارتا ہے جو قیامت تک اس کے پکارنے کا جواب نہ دے سکے اور انہیں ان کے پکارنے کی خبر بھی نہ ہو۔''

غیر اللہ کی پرستش کرنے والوں کے بارے

اس آیت میں منکرین معاد سے بات شروع کی گئی ہے۔ ان سے کہا گیا کہ یہ بت اور معبود جن کی تم مشرکین پرستش کرتے ہو یہ معبود اور بت نہ تو اپنی پرستش کرنے والوں کے مالک ہیں اور نہ ہی ان کے ساتھ مربوط معاملات کے مالک ہیں لہٰذا ان کی دعا کو قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ان کی پکار کا کوئی اثر مرتب نہیں ہونے والا۔ یہ مشرکین قیامت کے دن تک جو کہ اس جہاں کی انتہاء ہے اس وقت ان کو پکارتے رہیں، انہیں آوازیں دیتے رہیں ان سے مانگتے رہیں تب بھی وہ ان کی آواز پر جواب نہ دیں گے اور نہ ہی پکار کو سنیں گے کیونکہ اللہ کے سوا جتنے معبود انہوں نے بنا رکھے ہیں وہ دعا کرنے والوں کے معاملات سے بے خبر ہیں انہیں اس کے بارے کچھ پتہ نہیں ہے۔ آخرت میں وہ اس بارے آگاہ ہوں گے کہ یہ مشرکین ان کی عبادت کرتے تھے انہیں اپنی حاجات کے لیے پکارتے تھے انہیں اپنا خدا سمجھتے تھے تو وہاں پر یہ سب بے جان بت اور دیگر ہر قسم کے معبود ان عبادت کرنے والوں سے اعلان برائت کریں گے اور ان کی مخالفت کریں گے۔ لہٰذا اس قسم کے معبودوں کی عبادت کرنا کھلی اور واضح گمراہی ہے۔ اللہ ہی لائق عبادت ہے جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا خالق ہے۔

پیغام: اللہ کی عبادت کی جائے اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک قرار نہ دیا جائے۔

وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝

ترجمہ: ''اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔''

حشر کا معنی

حشر کا معنی ہے کسی چیز کو پوری طاقت سے چھپی ہوئی جگہ سے باہر نکالنا۔ اس آیت میں لوگوں کا قبروں سے نکالنا مراد ہے۔ اللہ کے حکم سے تمام مردے زندہ ہوں گے، وہ سب قبروں سے باہر آئیں گے اور انہیں قیامت کے میدان میں ہانک کر لایا جائے گا۔

قیامت کے دن کا حال

قیامت کے دن کیا ہوگا؟ اس کی تھوڑی سی جھلک اس آیت میں بیان کی گئی ہے:۔

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ تمام مردوں کو قبروں سے نکالا جائے گا۔

۲۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ تمام مردوں کو حساب کے لیے میدان محشر میں لایا جائے گا۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ میدان محشر میں لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے جنہوں نے اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت کی ہو گی تو وہ ان کی طرف دیکھیں گے اور وہ جھوٹے معبود ان کے ساتھ دشمنی کریں گے اور اس بات کا انکار کریں گے کہ ان کی عبادت کی جاتی تھی اور وہ ان سے بیزاری کا اعلان کریں گے۔

۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اس آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جمادات، نباتات، حیوانات سب کی طرف بھی حیات کی نسبت دی گئی ہے کیونکہ تمام مخلوقات شعور سے بہرہ ور

ہیں لہٰذا ان میں سے جس جس کی عبادت کی جاتی رہی ہو گی تو وہ معبود ان عبادت کرنے والوں سے برائت کریں گے۔ آخرت میں ان اشیاء سے حیات کے آثار ظاہر ہوں گے۔

۵۔ پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن ان سب کو بولنے کی طاقت عطا فرمائے گا جن کی دنیا میں لوگ عبادت کرتے تھے اور وہ سب جھوٹے معبود اصولی طور پر اس بات کا بھی انکار کر دیں گے کہ ہمیں تو اس کی خبر تک نہیں کہ کوئی ہماری عبادت کرتا تھا۔ اس مطلب کو سورہ فصلت آیت ۲۱ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''وہ سب کہیں گے اللہ تعالیٰ نے ہمیں گویائی عطا کی ہے اور اللہ ہی ہے جس نے سب کو بلوایا ہے''۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

ترجمہ: ''اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو کافر حق بات کے مقابلے میں کہتے ہیں، جب وہ حق ان کے پاس آ چکا، کہ یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔''

مشرکین کی سرزنش

اس آیت میں مشرکین کی سرزنش کی جا رہی ہے کہ تمہارے پاس جب ہماری آیات پڑھی گئیں تمہیں حق کی طرف بلایا گیا تو تم نے سب باتوں کا انکار کر دیا۔ قرآن جو حق پر مبنی ہے اس کا انکار کر دیا اور ہماری نشانیوں کو قبول نہ کیا بلکہ منکرانہ رویہ اپنایا اور یہ کہا کہ یہ تو سب کچھ جادو ہے۔ یہ تمہاری کھلی ہٹ دھرمی تھی (اب اس کا خمیازہ بھگتو!)

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَیۡتُهٗ فَلَا تَمۡلِكُوۡنَ لِیۡ مِنَ اللّٰهِ شَیۡـًٔا ؕ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَا تُفِیۡضُوۡنَ فِیۡهِ ؕ كَفٰی بِهٖ شَهِیۡدًۢا بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَكُمۡ ؕ وَ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۸﴾

ترجمہ: ''کیا وہ کہتے ہیں آپ نے اسے خود بنالیا ہے، کہہ دو اگر میں نے اسے خود بنا لیا ہے تو تم مجھے اللہ سے بچانے کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتے، وہی بہتر جانتا ہے جو باتیں تم اس میں بناتے ہو، میرے اور تمہارے درمیان وہی گواہ کافی ہے، اور وہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔''

مشرکین کی قرآن کے بارے ایک اور گفتگو

اس آیت میں مشرکین کی ایک اور بات کو نقل کیا گیا ہے جو وہ قرآن کے متعلق کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود سے قرآن کی آیات کو تیار کیا ہے اور ان کی نسبت اللہ کی طرف دیتے ہیں۔ یہ افتراء پردازی ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے (معاذ اللہ)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو تعلیم دی کہ آپ انہیں اس طرح جواب دیں'' اگر میں نے تمہارے لیے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے اور قرآن خود سے بنا کر اللہ کی طرف نسبت دے رہا ہوں تو اللہ مجھے عذاب دے گا تو اس صورت میں اللہ جو مجھے سزا دے گا تم لوگ مجھے اس سزا سے نہیں بچا سکو گے اور اس کی چاہت اور مشیت کے سامنے رکاوٹ کھڑی نہیں کر سکتے ہو۔ پس کیسے ممکن ہے میں اللہ پر جھوٹ باندھوں اور خود کو ہلاکت میں ڈالوں۔ لہٰذا آپ لوگوں کو معلوم رہے کہ میں اللہ پر افتراء باندھنے والا نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ان تمام حرکات اور کرتوتوں کے بارے آگاہ ہے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دوسرا احتجاج اس طرح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ

اپنے کلام میں میری صداقت و سچائی کے بارے گواہی دے رہا ہے کہ قرآن اس کا کلام ہے۔ یہ میری طرف سے اللہ پر افتراء نہیں ہے یہ اللہ کی گواہی میرے لیے کافی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء آیت ۱۶۶ میں فرمایا:

"اللہ گواہی دیتا ہے کہ جو کچھ تیرے اوپر نازل کیا ہے (اس کے بارے کہ یہ اس نے نازل کیا ہے) کیونکہ اللہ نے اپنے علم سے میرے اوپر اسے بھیجا ہے۔"

اس آیت میں اللہ کی دو صفات بیان کی ہیں تاکہ یہ سمجھا دے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا دعویٰ رسالت سچ ہے۔ اللہ غفور ورحیم ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ رحمت اور مغفرت سے معاملہ کرتا ہے۔ اللہ کی رحمت اور مغفرت ان کو شامل ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ صالحین جنہوں نے اپنے عمل کی اصلاح کی ہے وہ اللہ کے راستہ اور ہدایت کی طرف پلٹتے ہیں۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۹

ترجمہ: "کہہ دو میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ تمہارے ساتھ، میں نہیں پیروی کرتا مگر اس کی جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے اور سوائے اس کے (کوئی بات) نہیں کہ میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔"

رسول اللہؐ کا مشرکین کو جواب

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ایک اور جواب تعلیم دیا کہ آپ ان مشرکوں کو یہ بتادیں کہ:۔

۱۔ میں ایسا رسول نہیں کہ مجھ سے پہلے مجھ جیسا کوئی رسول نہ آیا ہو بلکہ ان رسولوں کے تسلسل ہی میں، میں آیا ہوں۔

۲۔ میرا اپنا کچھ اختیار نہیں اور میں اپنی جانب سے کچھ بھی نہیں کہتا۔ میں تو اپنے بارے بھی خبر نہیں رکھتا اور تمہارے بارے کیا بتا سکتا ہوں۔

۳۔ میں تو وحی کے تابع ہوں، میں خود سے کچھ بھی نہیں جانتا، میرے پاس جو خبر ہوتی ہے تو اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔

۴۔ میرے پاس علم غیب نہیں، میرے پاس اتنا علم ہے جو مجھے وحی کے ذریعہ تعلیم دیا جاتا ہے۔

۵۔ اللہ ہی ہے جو مستقبل کے حالات بتاتا ہے، یہ اللہ کا اختیار ہے، میرا اختیار نہیں ہے۔

۶۔ آخری بات یہ ہے کہ میں تمہیں ڈرانے کے لیے آیا ہوں کہ اللہ کی مخالفت نہ کرو۔ اس مخالفت کا انجام بہت برا ہوگا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ؑ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ”ان سے کہہ دو کہ بتاؤ تو سہی اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کے منکر ہو جبکہ بنی اسرائیل کا ایک گواہ ایک ایسی کتاب بارے گواہی دے کر ایمان بھی لے آیا اور تم اکڑے ہی رہے، بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔“

مشرکین کے ساتھ ایک اور گفتگو

اس آیت میں ایک اور بات رسول اللہ ﷺ کو تعلیم دی گئی کہ ان مشرکوں کو جھوٹا ثابت کرنے اور انہیں یہ سمجھانے کے لیے کہ تم غلطی پر ہو اس طرح بات کرو:۔

۱۔ فرض کر لیتے ہیں کہ یہ کتاب قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور یہ سچ ہو جبکہ تم اس کا انکار کر رہے ہو تو اس صورت نقصان کس کا ہوگا؟

۲۔ جبکہ تمہارے پاس اس کی حقانیت کو تسلیم کرنے کے حوالے سے تمہارے درمیان گواہ بھی موجود ہے کہ عبد اللہ بن سلام جو بنی اسرائیل سے تھا اور ان کا بڑا عالم تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو کہا گیا کہ ان سے کہہ دو کہ تمہارے درمیان یہ شخص موجود ہے جس کے پاس اسی قرآن جیسے معارف موجود ہیں اس نے اس کی گواہی دی ہے اور وہ ایمان لے آیا ہے۔

۳۔ اپنے عالم کی گواہی مل جانے کے بعد بھی تم انکاری ہو۔ حق کو ماننے سے سر پیچی کر رہے ہیں، خود کو بڑا بنا رکھا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ”اور کافروں نے ایمانداروں سے کہا اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ اس پر ہم سے پہلے نہ دوڑ کر جاتے، اور جب انہوں نے اس کے ذریعے سے ہدایت نہیں پائی تو کہیں گے یہ تو پرانا جھوٹ ہے۔“

کافروں کا متکبرانہ جواب

کافر یہ خیال کرتے تھے کہ وہ معاشرے کے بہترین لوگ ہیں جو بھی خیر و برکت ہے وہ ان کے لیے ہے۔ اس سوچ کے تحت انہوں نے مومنوں سے کہا اگر اسلام خیر اور اچھا ہوتا تو تم لوگ ہمارے اوپر سبقت نہ لیتے بلکہ پہلے ہم اسلام پر ہوتے کیونکہ ہر خیر ہمارے لیے ہے

جبکہ اپنے استکبار اور برتر طلبی کی وجہ سے انہوں نے قرآن کو قبول نہیں کیا اور ہدایت نہ پائی۔ یہ لوگ بہت جلد یہ کہیں گے کہ قرآن سابقہ لوگوں کا افسانہ ہے سب کچھ من گھڑت ہے اور اللہ پر افتراء ہے۔

وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ وَ هٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِیًّا لِّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَ بُشْرٰى لِلْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲﴾ ۚ

ترجمہ: ''اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے جو رہنما اور رحمت تھی، اور یہ کتاب ہے جو اسے سچا کرتی ہے عربی زبان میں ہے ظالموں کو ڈرانے کے لیے ہے، اور نیکوں کو خوشخبری دینے کے لیے ہے۔''

قرآن کی حقانیت

مشرکین نے قرآن کو افتراء قرار دیا ہے جبکہ موسیٰؑ کی کتاب بنی اسرائیل کی راہنمائی کرنے کے لیے اس سے پہلے آچکی تھی بنی اسرائیل اس کتاب کی پیروی کرتے تھے اور صالحین کے لیے توریت رحمت تھی۔ قرآن اس کی تصدیق کر رہا ہے، قرآن کے نزول سے پہلے توریت میں اس کتاب کے بارے خبر دی تھی کہ یہ کتاب عربی میں نازل ہوئی ہے تاکہ ظالموں اور ستمگاروں کو ڈرانے اور صالحین کے لیے بشارت کا کام دے۔ ان مطالب کے ہوتے ہوئے قرآن کس طرح افترا بازی اور جھوٹ ہو سکتا ہے۔ قرآن میں بیان شدہ مطالب قرآن کی حقانیت اور اللہ کی جانب سے ہونے پر دلیل ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ ۚ

ترجمہ: ”بے شک جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اسی بات پر جمے رہے پس ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

مومنین کی شان

مومنین ربوبیت کو اللہ میں منحصر جانتے ہیں۔ وہ توحید ربوبی کے قائل ہوتے ہیں وہ اللہ کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں اور اس گواہی پر قائم رہتے ہیں اس سے منحرف نہیں ہوتے اس کے خلاف عمل نہیں کرتے اس کے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ اس عقیدہ اور عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں اپنے مستقبل کے بارے کوئی ڈر اور خوف نہیں ہے اور انہیں اس حوالے سے کوئی غم بھی نہیں کیونکہ انہیں اپنے اچھے انجام کا یقین ہے۔

پیغام: اللہ ہی کو اپنا رب قرار دو۔ عقیدہ کے ساتھ عمل بھی کرو۔ صحیح عقیدہ اور عقیدہ کے مطابق عمل کرنا انسان کے انجام کو اچھا قرار دیتا ہے۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾

ترجمہ: ”یہی لوگ بہشتی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے بدلے ان کاموں کے جو وہ کیا کرتے تھے۔“

تیرہویں آیت میں مومنین کے بارے میں جو خصوصیات بیان کی گئی ہیں ان کے لیے ہی جنت ہے جس میں مومنین ہمیشہ رہیں گے بہشت اور بہشت میں ہمیشہ رہنا ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے دنیا میں اللہ کے قرب کی نیت سے خالص عمل انجام دیا جس کا بدلہ جنت ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ

اَرۡبَعِیۡنَ سَنَۃً ۙ قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ
وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰىہُ وَ اَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ۚؕ اِنِّیۡ
تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَ اِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی تاکید کی، کہ اسے اس کی ماں نے تکلیف سے اٹھائے رکھا اور اسے تکلیف سے جنا، اور اس کا حمل اور دودھ کا چھڑانا تیس مہینے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا، تو اس نے کہا اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکرادا کروں جو تو نے مجھ پر انعام کی اور میرے والدین پر اور میں نیک عمل کروں جسے تو پسند کرے اور میرے لیے میری اولاد میں اصلاح کر، بے شک میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور بے شک میں فرمانبرداروں میں ہوں۔''

انسان کے لیے اللہ کی خصوصی ہدایت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک راہنما ضابطہ دیا ہے کہ جس پر عمل کرنے سے پیار و محبت سے بھرا معاشرہ وجود میں آتا ہے اور خاندانی نظام کو استحکام ملتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو وصیت کی ہے۔ وصیت کا معنی ہوتا ہے خیر خواہی کی نیت سے کسی کو کوئی ذمہ داری دینا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو خصوصی ہدایت فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کا احسان یاد کرے۔ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم فقط اسلام کا نہیں، بلکہ یہ بات ہر شریعت میں ہے۔ یہ ایسا قانون ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں۔ ماں بچے کے لیے جو

تکلیف اٹھاتی ہے اس کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے۔ تین مراحل کو ماں کی تکلیف کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ حمل کا زمانہ

یہ ماں کے لیے تکلیف کا زمانہ ہے جس وقت حمل ٹھہرتا ہے اس وقت سے لے کر بچے کی پیدائش تک سب تکلیف اور درد کا وقت گزرتا ہے۔

۲۔ بچے کی ولادت کا مرحلہ

یہ بہت ہی تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے جس سے ماں گزرتی ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ دودھ پلانے کا مرحلہ

ماں اپنا خون جگر پلا کر بچے کو پروان چڑھاتی ہے۔ یہ بھی بہت تکلیف دہ مرحلہ ہے۔ ماں کے لیے ان تکالیف کو برداشت کرنے کا تذکرہ اس لیے کیا ہے تاکہ والدین کے احسانات اور مہربانی و شفقت کے جذبات کی قدر کی جائے۔

اسلام میں منصوبہ بندی

اسلام میں ایک فطری منصوبہ بندی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اور کمترین مدت حمل کا بھی ذکر موجود ہے۔ جب اس آیت کے ضمن میں احادیث کو شامل کیا جائے تو یہ ضابطہ بنتا ہے کہ کمترین حمل چھ ماہ ہے اور دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے اور کل یہ تیس ماہ کی مدت بنتی ہے۔ البتہ اگر حمل نو ماہ تو اس کے اوپر تین ماہ تقریباً اضافہ ہو جائیں

گے۔ اگر ماں بچے کو دودھ پلاتی رہے تو اس کا حمل نہیں ٹھہرتا۔ اس طرح نئے بچے اور پہلے بچے کی پیدائش کے درمیان چار سال کا وقفہ آجاتا ہے۔ اگر اس کا لحاظ رکھا جائے تو ماں کی صحت بھی ٹھیک رہتی ہے ماں کا دودھ پینے سے بچے کا جسم بھی مضبوط ہوتا ہے، اس کی ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں اور بچہ بہت ساری بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔

ماں کا اعلیٰ مقام

اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ بچے کے لیے ماں بہت زیادہ تکالیف برداشت کرتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ سے جب کسی نے سوال کیا ماں کا احترام زیادہ ہے یا باپ کا؟ تو آپ ﷺ نے ماں کے لیے تین درجے زیادہ بتائے اور باپ کا ایک درجہ بیان فرمایا ہے۔ ہر دو کا احترام واجب ہے ہر دو کے ساتھ احسان کرنا ہے ہر دو کے ساتھ نیکی کرنا ضروری ہے۔ والدین مومن ہوں یا کافر، ان کا احترام ہر صورت واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کا شکر بجالانے کا حکم دوسری جگہ بھی دیا ہے اور اپنے شکر کے ساتھ ملا کر فرمایا ہے کہ میرا شکر بجالاؤ کہ اللہ خالق ہے حقیقی وجود دینے والا ہے اور فرمایا کہ اپنے والدین کا شکر بجالاؤ کہ وہ تمہارے دنیا میں آنے کا واسطہ ہیں۔

بلوغ اشد

اس جگہ بلوغ کے ساتھ لفظ " اشد " کو استعمال کیا گیا جس کا معنی مضبوطی اور استحکام کے ہیں یعنی جس وقت انسان کے " قُوٰی " مضبوط ہو جائیں۔ احادیث کی روشنی میں لڑکی کے لیے شرعی بلوغ 9 سال قمری ہیں اور لڑکے کے لیے بلوغ شرعی 15 سال قمری ہیں۔

عقل کا کمال

چالیس سال کا حوالہ دیا گیا ہے کیونکہ یہ انسان کی وہ عمر ہے جس میں اس کی عقل کامل ہو جاتی ہے۔

اللہ کی بارگاہ میں دعا

دعا تو ہر وقت مانگنا ہوتی ہے لیکن اس جگہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے عقلمند، باہوش، بالغ ہو جانے پر دعاء کی بات کی ہے بلکہ اس انسان کو دعا تعلیم دی ہے کہ اب جبکہ تم چالیس سال کے ہو گئے تمہاری عقل کامل ہو چکی ہے، شعور پختہ ہو چکا ہے، (گویا انسان کی فطرت سے اسے یہ الہام ہوتا ہے۔) تو اللہ کی ایک ایک بات کو یاد کرو اور اللہ کا شکر بجالاؤ اس طرح کہ اے اللہ تو نے مجھے ماں جیسی مہربان، شفیق، ہمدرد، خیر خواہ، عشق و محبت سے بھرپور نعمت عطا کی جس نے خود کو تکالیف میں ڈال کر میری پرورش کی۔ اے اللہ تو نے مجھے مہربان شفیق، ہمدرد، باپ عطا کیا جس نے محنت مزدوری کرکے اور مشقتیں برداشت کرکے میری ضروریات کو پورا کیا۔ مجھے زندگی کی ہر نعمت سے نوازا، اے اللہ تو نے مجھے ظاہری نعمات جیسے روزی، صحت، شعور، ارادہ، عقل عطا کی اور باطنی نعمات جیسے ایمان، اسلام، توکل اور خشوع و خضوع عطا کیا۔ پس میں ان ساری نعمات کا جو مجھے یاد ہیں اور یاد نہیں سب کا شکر بجا لاتا ہوں۔

اللہ سے یہ درخواست ہے کہ وہ اسے عمل صالح کی توفیق دے۔ عمل صالح ظاہری شکر کی زینت ہے۔ باطن کی آرائش و زیبائش کا سبب ہے۔ حقیقی شکر خلوص نیت کا سبب اور عمل کی بہتری اور اچھائی کا سبب بنتا ہے۔ انسان اپنی اولاد کے لیے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے نیک اولاد دے، جو اعمالِ صالح بجالائیں، ہمیشہ تیری اطاعت میں رہیں، اہل احسان ہوں،

عمل صالح بجالانے میں انہیں توفیق ملے تاکہ اس کے لیے مرنے کے بعد بھی آخرت کا ذخیرہ قرار پائیں۔

توبہ اور اسلام

آخر میں توبہ اور اسلام و تسلیم کو بیان کیا ہے۔ یعنی توبہ وہ کرتے ہیں جو اپنے تمام امور اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ توبہ کا سبب بنتا ہے کہ اللہ اسے وہ کچھ الہام کر دے جو اس کے لیے خلوص کا سبب بنے۔ اس طرح وہ خود بھی مخلصین میں سے ہو جاتا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ عمل میں قبولیت کی صلاحیت اور بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت کو پانے اور اللہ کی طرف بلند ہونے کا تصور ہی نہیں مگر یہ سب اس وقت ہو گا جب عمل خالص اللہ کے لیے ہو گا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾

ترجمہ: ”یہی وہ لوگ ہیں جن سے ہم وہ نیک عمل قبول کرتے ہیں جو انہوں نے کیے اور بہشتیوں میں شامل کر کے ان کے گناہوں سے در گزر کرتے ہیں، یہ اس سچے وعدے کے مطابق ہے جو ان سے کیا گیا تھا۔“

اعمال کی قبولیت

اس جگہ اللہ کی طرف سے توبہ کی نوید دی جا رہی ہے کہ یہ صاحبان ایمان جو واجبات اور مستحبات انجام دیتے ہیں ہم ان کے اعمال کو قبول کرتے ہیں ان کی خطاؤں کو معاف

کرتے ہیں، یہ لوگ اہلِ بہشت میں سے ہیں، ہم ان سے در گزر کرتے ہیں؛ یہ بدلہ ان کے حسن عقیدہ اور عملِ صالح کا ہے۔

اللہ کا وعدہ

اس جگہ بتایا جارہا ہے کہ نیک عمل کرنے والوں کو ہم نے جو بدلہ دینا وہ یہ ہمارا وعدہ ہے اور یہ وعدہ انسان سے اس کی خلقت کے ساتھ ہی کیا گیا کہ جو ایمان لائے گا اور عملِ صالح بجالائے گا تو اس کے لیے جنت الفردوس ہے۔ اللہ اپنے امر کے بارے جو وعدہ دیتا ہے تو اسے پورا بھی کرنا ہے۔ اللہ اپنے وعدہ کو سچ کرتا ہے۔ قیامت کے دن انہیں یہ نوید ملے گی کہ تم ایمان اور عملِ صالح کے نتیجہ میں جنت میں جاؤگے یہ اس وعدہ کو پورا کیا جارہا ہے جو اللہ نے تمہارے لیے دنیا میں دیا تھا۔ اس سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے منکرین کو اور باغیوں کو معاف نہیں کرے گا۔

وَ الَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَ قَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَ هُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تم پر اُف ہے کیا تم مجھے ڈراتے ہو کہ میں قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر گئیں، اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو ایمان لا، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پھر وہ کہتا ہے کہ یہ ہے کیا (چیز) مگر پہلوں کے افسانے (ہی ہیں)۔''

اُف کا معنی

کسی کو اُف کہنا ناراضگی اور اکتاہٹ کا اظہار ہے۔ یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب انسان کسی بات سے اُکتا جاتا ہے۔ جو مدمقابل اس سے کہہ رہا ہے اسے پسند نہیں کرتا۔ اس لفظ کے بولنے سے ناراضگی کا اظہاراور اس کی اھانت کر رہا ہوتا ہے۔ اس طرح کہہ رہا ہوتا ہے اب بس بھی کردو میں تمہاری بات سن کر تنگ آگیا ہوں۔

والدین کے نافرمان اور ناشکرے کی بات

پہلی آیت میں اس شخص کی بات کی ہے جس نے ماں باپ کا احترام کیا۔ ان کا شکر بجا لایا، ان کے لیے دعا کی، والدین کے لیے مہربان رہا وہ انسان توبہ کرنے والا، اللہ کے آگے تسلیم اور اللہ کے تمام احکام پر عمل کرنے والا ہے۔

اس آیت میں دوسرے انسان کی بات ہو رہی ہے جو اللہ و رسول اور معاد کا انکاری ہے اور ماں باپ کی دعوت کو ٹھکرا دیتا ہے اور والدین کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی کیفیت کو بیان کر رہا ہے کہ جس شخص نے ناراضگی، غصہ اور تنگ دلی سے اپنے ماں باپ سے گستاخی کرتے ہوئے کہا کی تم مجھے دھمکاتے ہو کہ مرنے کے بعد مجھے قبر سے دوبارہ نکالا جائے گا اور مجھے اپنے اعمال کا حساب چکانا ہو گا۔ جبکہ سابقہ امتیں ہلاک ہو چکیں، ان میں سے کوئی بھی نہ زندا ہو نہ ان کا حساب ہوا۔ وہ یہ دلیلیں معاد کے انکار کے لیے دیتا ہے۔ جبکہ وہ اس بات سے غافل ہے کہ اللہ کا وعدہ یہ نہیں ہے کہ دنیا میں کچھ لوگ زندہ ہوں گے اسی دنیا میں بلکہ اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ اس دنیا کے بعد تمام مردے اکٹھے زندہ کئے جائیں گے اور یہ دوسری زندگی کے لیے ہو گا اور وہ عالمِ حساب کا عالم ہے جو کچھ دنیا میں کیا ہے اس کا حساب لیا جائے گا۔ وہ جزا و سزا کا عالم ہے۔

والدین کا نافرمان اولاد کے انکار پر رد عمل

جب ماں باپ اپنے بچے سے اس انکار کو سنتے ہیں تو وہ فریادی بن کر اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اور اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ اے اللہ! میری اولاد کو ہدایت فرما دے اور اپنے فرزند کی ہدایت کے لیے اسے کہتے ہیں: تمہارے اوپر وائے ہو! اللہ، رسول اور معاد پر ایمان لے آؤ اس عقیدہ کا انکار نہ کرو۔ اطمینان حاصل کرو، مطمئن رہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے توسط سے معاد کا جو وعدہ دیا ہے وہ برحق ہے اور اس وعدہ نے ضرور پورا ہونا ہے۔

اولاد کی ضد وہٹ دھرمی

ضدی بچہ ماں باپ کی بات کو نہیں مانتا، ان کے سارے احسانات کو بھول جاتا ہے جبکہ وہ اس کے خیر خواہ تھے۔ اس کی تربیت کرنے والے خود تکالیف میں رہ کر اسے آرام پہنچاتے تھے اور وہ اب بھی یہی چاہتے ہیں کہ اسے آخرت میں تکالیف نہ ہوں لیکن وہ نافرمان اور ہٹ دھرم ماں باپ کی اس دعوتِ حقہ کو قبول کرنے کی بجائے کہے گا ان وعدوں سے تم مجھے ڈراتے ہو کہ آخرت ہے، حساب و سزا ہے یہ کچھ بھی نہیں ہے یہ سب کچھ خرافات ہے۔[1]

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿١٨﴾

[1] ۔ تفسیر در منثور میں ہے کہ یہ بات عبد الرحمٰن ابن ابو بکر نے اپنے بابا سے کہی تھی جب وہ ایمان نہیں لایا تھا۔ ابو بکر نے اسے اسلام کی دعوت دی جسے مروان نے نقل کیا ہے یہ بات عبد الرحمٰن کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

ترجمہ: ''یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول پورا ہو کر رہا جو ان سے پہلے جن اور انسان ہو گزرے ہیں، بے شک وہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔''

مجرموں کی سزا

اس آیت میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ، رسول اور معاد کا انکار کرتے ہیں تو ان کے اس جرم کی سزا بھی وہی ہے جو سابقہ اُمتوں کے مجرمین کے لیے تھی کہ جن و انس سے جو بھی سابقہ اُمتوں سے کافر ہوئے ان پر عذاب الٰہی حتمی ہو چکا ہے کیونکہ یہ قانون ہے کہ جو اللہ کا انکار کرے گا اور اللہ کے قوانین کی خلاف ورزی کرے گا تو اس کے لیے سخت عذاب ہے۔ بد عقیدہ شخص کے اعمال ضبط اور ضائع ہو جاتے ہیں۔ آج بھی جو کفر اختیار کرتا ہے یا بد عقیدہ ہے تو اس پر عذاب حتمی ہے۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''اور ہر ایک کے لیے اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ہیں، تاکہ اللہ ان کے اعمال کا انہیں پورا عوض دے اور ان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔''

سزا و جزاء کے مراتب

جزاء اور سزاء کے لحاظ سے مختلف درجات و مراتب ہیں۔ جزاء و سزا کے مقامات مختلف ہوں گے، کچھ جزاء بلندی پر ہوں گے کچھ اس سے کم درجہ پر ہوں گے اور کچھ عذاب کے آخری درجہ پر ہوں گے یا کچھ اس سے کم درجہ پر ہوں گے جیسے بہشت میں درجات ہیں

اسی طرح جہنم میں بھی طبقات ہیں۔ یہ اختلاف و درجات انسانوں اور جنات کے اپنے عقائد و اعمال کی وجہ سے ہوں گے بہر حال اس درجہ بندی کا ایک مقصد ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ ہو جس نے جو عمل کیا ہے قیامت کے دن وہ عمل کا پورا پورا بدلہ اس عمل کرنے والے کو دیا جائے۔ خود عمل اپنی اصلی شکل میں ان کے سامنے حاضر ہوگا کسی پر ظلم نہ ہوگا ہر ایک کا جو مقام و مرتبہ ہے وہ اس کے عمل کا نتیجہ ہو گا۔ وہاں پر حساب کی بنیاد پر عدل ہو گا اور جزاء و سزا حق پر مبنی ہو گی۔ اس آیت میں اعمال کے مجسم ہونے کا بیان بھی ہے۔

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''اور جس دن کافر آگ کے روبرو لائے جائیں گے، (ان سے کہا جائے گا) تم (اپنا حصہ) پاک چیزوں میں سے اپنی دنیا کی زندگی میں لے چکے اور تم ان سے فائدہ اٹھا چکے، پس آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا بدلے اس کے جو تم زمین میں ناحق اکڑا کرتے تھے اور بدلے اس کے جو تم نافرمانی کیا کرتے تھے۔''

کافر اور آگ کا عذاب

اس جگہ کافروں کے انجام کو بیان کیا گیا ہے کہ کافروں کو آگ میں پھینکا جائے گا۔ اپنے اعمال کی سزا انہیں ملے گی، جہنم میں جانے کی وجہ ان کا عملِ بد ہو گا اور پھر ان کے پاس کوئی سفارشی بھی نہ ہو گا جو انہیں آتش جہنم میں پھینکے جانے سے بچا سکے۔ کافروں کو آتشِ جہنم کے حوالے کرنے کا مرحلہ اس وقت آئے گا جب تمام اعمال کا حساب ہو چکا ہو گا۔ جب انہیں

دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے دنیا میں مزے اڑائے، دنیا میں تمہارے مزاج کے مطابق جو کچھ ملا اسے استعمال کیا اگر ان کے استعمال میں اللہ کے قوانین کا لحاظ رکھا ہوتا تو آج اس کا فائدہ اٹھاتے، خود تم نے آج کے لیے کچھ نہ بھیجا، اب تمہارے پاس کچھ بھی نہیں بچا کہ جس سے تم فائدہ اٹھا سکتے۔ تم نے کفر کیا، حق کا انکار کیا، رسولوں کو جھٹلایا، گناہوں کا ارتکاب کیا، استکبار اور فسق و فجور سے مربوط رہے اور عقیدہ میں تکبر کی وجہ سے اللہ کا اللہ کے رسول اور معاد کا انکار کیا اور اس کے بعد بداعمالیاں کیں، برے اعمال انجام دیئے ، بدعقیدہ ہونے کی وجہ سے جو اچھے عمل کیے وہ بھی رائیگاں ہو گئے۔

وَ اذۡکُرۡ اَخَا عَادٍ ؕ اِذۡ اَنۡذَرَ قَوۡمَہٗ بِالۡاَحۡقَافِ وَ قَدۡ خَلَتِ النُّذُرُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖۤ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''اور قوم عاد کے بھائی کا ذکر کر جب اس نے اپنی قوم کو (وادی) احقاف میں ڈرایا اور اس سے پہلے اور پیچھے کئی ڈرانے والے گزرے کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔''

عاد کا بھائی

اس جگہ عاد کے بھائی سے مراد حضرت ہودؑ ہیں جو عاد کے خاندان میں سے تھے۔

احقاف

احقاف جزیرۃ عرب کے جنوب میں ایک سرزمین ہے جہاں پر قومِ عاد رہتی تھی۔ عاد ظالم و جابر حکمران تھا۔ اس قوم کی ہدایت کے لیے حضرت ھودؑ نے کام کیا لیکن اس سرزمین پر آج اس قسم کے کوئی آثار موجود نہیں ہیں۔

حضرت ہودؑ کی تبلیغ

حضرت ھودؑ جو عاد بادشاہ کی قوم میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں سرزمین احقاف میں تبلیغ کی ذمہ داری دے کر بھیجا جبکہ بہت سارے رسول ان سے پہلے نزدیک یا دور زمانوں میں یا ان سے پہلے اور ان کے بعد بھی آئے سب نے ان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور انہیں اللہ کی نافرمانی سے منع کیا اور لوگوں سے یہ کہتے رہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو۔ حضرت ہودؑ نے بھی ان سے یہی بات کہی اور اس بات سے ڈرایا کہ ایک بڑا عذاب تمہیں اسی دنیا میں آلے گا۔ مجھے یہ خطرہ نظر آرہا ہے کہ تم سب اس عذاب میں بھسم ہو جاؤ گے۔

پیغام: تمام الٰہی ادیان کی بنیاد اور اساس توحیدِ الٰہی پر ہے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: ''انہوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ تو ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا دے پس ہم پر وہ (عذاب) لے آ جس کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اگر تو سچا ہے۔''

قوم عاد کا ہود کو جواب

حضرت ہودؑ نے احقاف کی آبادی میں بسنے والی قوم کو اللہ کی مخالفت سے ڈرایا، انہیں سخت عذاب کی دھمکی دی۔ اس کی دعوت پر انہوں نے حضرت ہودؑ کو جھوٹا کہا ان سے یہ کہا کہ تم افتراء پرداز ہو، ہمیں ہمارے خداؤں سے منحرف کرنا چاہتے ہو، ہم تمہارا کہنا نہیں مان سکتے، تم جھوٹے ہو اور جو کچھ کہہ رہے ہو اس کا انجام دینے سے عاجز بھی ہو۔ اس لیے ان سے کہا کہ تم عذاب کو لے آؤ، تم ہمیں جو ڈرا رہے ہو یہ سب جھوٹ ہے۔

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَ اُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ لٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''اس نے کہا اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے، اور میں تمہیں وہ (پیغام) پہنچاتا ہوں جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں لیکن میں تمہیں دیکھ رہا ہوں تم ایک جاہل قوم ہو۔''

حضرت ہودؑ کا اپنی قوم کو جواب

حضرت ہودؑ نے اپنی قوم کے مطالبہ پر جواب دیا کہ تمہارے اوپر عذاب نے کب آنا ہے اس کا علم اللہ کے پاس ہے۔ میں اس کی کیفیت اور اس کے وقت کے بارے آگاہ نہیں ہوں کیونکہ یہ بات علومِ غیب سے ہے اور غیبی علوم اللہ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ میں تو اللہ کا پیغام پہنچانے کا ذمہ دار ہوں اور پس میری دعوت دینے کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں خطرات سے آگاہ کروں، تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈراؤں، میرا کام تو پیغام پہنچانا ہے۔ مجھے نہ تو یہ علم ہے کہ عذاب نے آنا ہے اور نہ ہی میرے پاس یہ طاقت ہے کہ میں عذاب لے آؤں۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ تم لوگ جاہل ہو، اپنے نفع و نقصان کی تشخیص نہیں کر پا رہے کیونکہ تم نے

اللہ کی دعوت کو رد کر دیا ہے اور جلدی عذاب مانگ رہے ہو اور میری بات کا تمسخر اڑا رہے ہو۔ یہ سب تمہاری جہالت کا نتیجہ ہے۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ”پھر جب انہوں نے اسے دیکھا کہ وہ ایک ابر ہے جو ان کے میدانوں کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے، کہنے لگے کہ یہ تو ابر ہے جو ہم پر برسے گا، (نہیں) بلکہ یہ وہی ہے جسے تم جلدی چاہتے تھے یعنی آندھی جس میں دردناک عذاب ہے۔“

قوم عاد کا عذاب

قوم عاد نے افق پر اچانک ایک بادل کو دیکھا جو درحقیقت بڑے عذاب کی نشانی کے طور پر تھا لیکن وہ اسے دیکھ کر ایک دوسرے کو بشارت دینے لگے کہ یہ تو بادل آرہا ہے جو بارش برسائے گا، ہماری آبادی کا ذریعہ بنے گا لیکن ہودؑ نے ان کی یہ بات سن کر ان کو متوجہ کیا کہ یہ بادل بارش برسانے والا نہیں ہے بلکہ یہ وہی عذاب ہے جو تم مانگ رہے تھے اور تمہیں جلدی تھی کہ اللہ کا عذاب تمہارے اوپر آجائے۔ درحقیقت یہ بادل نہیں ہے ایک سخت قسم کی آندھی آرہی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔

پیغام: اللہ کا عذاب کسی بھی وقت آسکتا ہے خود کو اللہ کے عذاب سے بچانے کا اہتمام کرو اللہ کے عذاب سے ہر وقت ڈرتے رہو۔

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''وہ اپنے رب کے حکم سے ہر ایک چیز کو برباد کر دے گی پس وہ صبح کو ایسے ہو گئے کہ سوائے ان کے گھروں کے کچھ نظر نہ آتا تھا، ہم اسی طرح مجرم لوگوں کو سزا دیا کرتے ہیں۔''

عذاب الٰہی کا نتیجہ

حضرت ہودؑ نے انہیں بتایا کہ یہ سخت آندھی آرہی ہے جو عذاب لے کر آرہی ہے جو چیز بھی اس کے سامنے آئے گی اسے ویران کر کے رکھ دے گی۔ انسان، حیوان، اموال، نباتات، کھیت سب کچھ برباد ہو جائے گا، عذاب کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت ہودؑ نے جو فرمایا تھا وہ سچ ثابت ہوا سب ہلاک ہو گئے کچھ بھی باقی نہ بچا فقط ان کے خالی گھر بچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ اپنے قانون کا حوالہ دیا ہے کہ یہ فقط قوم عاد کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ ہر گروہ اور ہر جماعت جو کفر اختیار کرے اور ہمارے قوانین کی مخالفت کریں، جرائم کا ارتکاب کریں تو ہمارا قانون یہ ہے کہ سب کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں اور اسی طرح کے عذاب میں انہیں مبتلاء کرتے ہیں۔

وَ لَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْـِٕدَةً ۖٞ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَ لَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۠ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے ان لوگوں کو ان باتوں میں قدرت دی تھی کہ تمہیں ان باتوں میں قدرت نہیں دی اور ہم نے انہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تھے، پھر نہ تو

ان کے کان ہی کام آئے اور نہ ان کی آنکھیں ہی کام آئیں اور نہ ان کے دل ہی کچھ کام آئے کیونکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار ہی کرتے رہے اور جس عذاب کا وہ ٹھٹھا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان پر آن پڑا۔"

کفار مکہ کو نصیحت

یہاں کفار مکہ کو سمجھایا جا رہا ہے کہ قوم عاد تم سے زیادہ مضبوط اور طاقتور تھے، ان کے پاس سمجھنے اور سوچنے کے وسائل بھی موجود تھے وہ اگر ان وسائل کا صحیح استعمال کرتے تو قوم کو نامناسب حالات سے نکال سکتے تھے اپنے فائدہ کا فیصلہ کر سکتے تھے خود کو نقصان سے بچا سکتے تھے لیکن انہوں نے ان وسائل کا استعمال نہ کیا اور اپنی مادی طاقت کے گھمنڈ میں رہے لیکن انہیں یہ سب کچھ فائدہ نہ دے سکا اور وہ خود کو ہمارے عذاب سے نہ بچا سکے ان کی سزا کا سبب یہ بات بنی کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور اللہ کی جانب سے عذاب آنے کا مذاق اڑاتے تھے، اللہ کے رسول کو جھٹلاتے تھے۔ اگر تم بھی اللہ کی آیات کا انکار کرو گے، خود کو اللہ کے عذاب سے محفوظ سمجھو گے تو تمہارا انجام ان جیسا ہو گا اور کون ہے جو تم کو اس برے انجام سے بچا لے۔

وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: "اور ہم ہلاک کر چکے ہیں جو تمہارے آس پاس بستیاں ہیں اور طرح طرح کے اپنے نشان قدرت بھی دکھائے تا کہ وہ باز آ جائیں۔"

گذشتہ اقوام کی ہلاکت

اس آیت میں کفار مکہ کو گذشتہ اقوام کی ہلاکت یاد دلوائی جا رہی ہے۔ پہلے فقط قوم عاد کی بات کہی کیونکہ وہ بھی جزیرۃ العرب سے تھے۔ اب اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ کتنی بستیاں تمہارے اطراف میں موجود ہیں جنہیں ہم نے نعمتوں سے نوازا ہے مگر انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، ہمارے رسولوں کو اذیت دی، ان کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ پھر ہم نے ان سب کو عذاب میں مبتلا کیا اور ان سب کو ہلاک کر دیا ہم نے انہیں اپنی آیات دکھائیں تمہیں بھی گذشتہ اقوام پر آنے والے عذاب کو یاد دلاتے رہیں گے تاکہ تم واپس لوٹ آؤ، اپنے اوپر ظلم نہ کرو، اللہ کی عبادت کرو، گزشتہ اقوام نے ان واقعات سے عبرت نہ لی لہٰذا جب ہماری ہر بات بے اثر رہی تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، تمہارے ساتھ بھی ایسا نہ ہو گا لہٰذا ہمارے رسول کی دعوت قبول کرو اور ایمان لے آؤ۔

فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٨﴾

ترجمہ: ”پھر ان معبودوں نے کیوں نہ مدد کی جن کو انہوں نے اللہ کے سوا قرب کا مرتبہ حاصل کرنے کے لیے انہیں معبود بنا رکھا تھا، بلکہ وہ معبود تو ان سے کھو گئے اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور جو کچھ وہ اس قسم کے ڈھکوسلے بنایا کرتے تھے۔“

کافروں کے کردار پر طعنہ

اس کلام میں طعنہ ہے، بالادستی کی بات ہے، کافروں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کی اور یہ خیال کرتے تھے ان کی پوجا پاٹ سے ان کو فائدہ ہو گا کہ یہ انہیں اللہ کے قریب کر دیں گے لیکن جب ان پر عذاب الٰہی آیا تو ان کے وہ معبود جن پر انہیں بڑی توقعات تھیں وہ ان کی مدد کے لیے نہ آئے، انہیں عذاب سے نہ بچا سکے بلکہ جب ان کافر عبادت

گزاروں کو ضرورت پڑی تو ان کے نام نہاد معبود ان کے درمیان سے غائب تھے، وہ اپنے معبود کو گم کر بیٹھے۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ اللہ پر افتراء باندھتے تھے یا جو عذاب ان پر آتا ہے اس کی وجہ وہ افتراء پردازیاں تھیں جو وہ خدا پر باندھتے تھے۔ اللہ پر افتراء کا نتیجہ ہلاکت ہے کیونکہ اس کی سزا جلانے والی آگ ہے۔

وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: "اور جب ہم نے آپ کی طرف چند ایک جنوں کو پھیر دیا جو قرآن سن رہے تھے، پس جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے چپ رہو، پھر جب ختم ہوا تو اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ آوٴ ایسے حال میں کہ وہ ڈرانے والے تھے۔"

جنات کے بارے

جن ایسی مخلوق ہے جس کی اصل آگ سے ہے۔ ان میں انسانوں کی طرح ایمان اور کفر اختیار کرنے کی صلاحیت ہے۔ ہدایت اور ضلالت دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ ان کے پاس عقل و اختیار اور سوچنے کی صلاحیت اور فیصلہ کرنے کی قابلیت بھی موجود ہے۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جنات کی آمد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو آگاہ کیا ہے کہ آپ کے پاس جب جنات کی ایک جماعت آئی، ہم نے اس گروہ کو تیرے پاس آنے سے متوجہ کیا۔ ہم نے انہیں تیرے پاس بھیجا۔ اے میرے رسول ﷺ! اس بات کو یاد کرو یہ اس وقت آئے جب آپؐ کی مجلس میں قرآن پڑھا جا رہا تھا جب وہ اس محفل میں آئے تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ چپ ہو جاؤ اور پوری توجہ سے ان آیات کو سنو۔ جب قرآن کی قرائت ختم ہو گئی تو وہ اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ گئے

اور انہوں نے وہاں جا کر اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا کہ اگر وہ ایمان نہ لائیں گے تو اللہ کا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنات کا یہ خاص گروہ تھا جن کی ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوں، قرآن کو سنیں لہٰذا وہ آئے قرآن سنا اور قرآن پر ایمان لے آئے وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے اور پھر رسول اللہ ﷺ سے پیغام لے کر اپنی قوم میں تبلیغ کرنے کے لیے واپس لوٹ گئے۔

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ”کہنے لگے اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے، ان کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے آچکی، یہ کتاب حق کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔“

جنات کی اپنی قوم کو دعوت

اس جگہ جن جنات نے قرآن سنا تھا وہ اپنی قوم کے پاس گئے اور انہیں قرآن کے متعلق آگاہ کیا۔ اس جگہ چند مطالب واضح ہوتے ہیں:۔

۱۔ ایک جماعت جنات کی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور انہوں نے قرآن کو سنا اور پھر ان آیات کی تبلیغ کے لیے واپس اپنی قوم کے پاس گئے۔

۲۔ اپنی قوم کو بتایا کہ موسیٰؑ کے بعد نبی آچکا ہے اور وہ کتاب لایا ہے اور یہ کتاب پچھلی کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے۔

۳۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جنات سابقہ انبیاء پر ایمان لا چکے تھے اور یہ جنات کی جماعت حضرت موسیٰؑ کی شریعت پر تھے اس لیے انہوں نے یہ بات کہی کہ موسیٰؑ کے بعد کتاب آئی ہے ہم نے اس کی آیات کو سنا ہے۔

۴۔ جنات نے صراطِ مستقیم کی دعوت دی اور اللہ پر ایمان لانے کی راہ ہدایت اپنائی اور جو راہ مستقیم پر ہوتے ہیں وہ عقیدہ اور عمل دونوں میں صحیح ہوتے ہیں۔

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ”اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کو مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ وہ تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے گا۔“

داعی اللہ کی تائید

جنات کی اس جماعت نے جو بات اپنی قوم سے کہی وہ یہ تھی کہ داعی اللہ کی دعوت کو قبول کرو۔ اس جگہ داعی اللہ سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ جنات کی پہلی جماعت تھی جو رسول اللہؐ پر ایمان لائے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو دعوت دی۔ دعوت بڑی واضح ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جو دین لے کر آئے ہیں اسے قبول کرلیں اور پھر انہیں اس دین کو قبول کرنے کا فائدہ بھی بتا رہے ہیں کہ ایمان سے پہلے جو تمہارے گناہ ہیں اللہ وہ معاف کر دے گا اور بڑا گناہ کفر ہے۔ اسلام ایسا دین ہے جسے قبول کرنے سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ان آیات سے واضح ہو گیا

کہ جنات بھی انسانوں کی طرح مکلّف ہیں، ان کے لیے بھی وہی احکام ہیں جو انسانوں کے لیے ہیں، جنات میں بھی یہودی، عیسائی، مجوسی، ہندو، ملحد، مومن، منافق سب موجود ہیں۔

وَ مَنۡ لَّا یُجِبۡ دَاعِیَ اللّٰہِ فَلَیۡسَ بِمُعۡجِزٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَیۡسَ لَہٗ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''اور جو اللہ کی طرف بلانے والے کو نہ مانے گا تو وہ زمین میں اسے عاجز نہیں کر سکے گا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہ ہوگا، یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔''

داعی اللہ کی دعوت رد کرنے کا نتیجہ

اس جماعت نے جنات سے کہا کہ دیکھو رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کرو، ان کی دعوت برحق ہے جو ان کی دعوت کو قبول نہ کرے گا تو وہ کھلی گمراہی میں ہوگا اور ایمان نہ لانے والے اسے زمین پر عاجز نہیں کر سکتے۔ خدا کا حکم ہر جگہ نافذ ہے، اللہ ہی مختار کل ہے اللہ کے سوا کوئی بھی کسی کے لیے سرپرست اور یاور و مددگار نہیں ہے۔ جو بھی دعوت حق کو رد کرے گا تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے کیونکہ اس نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی کو اختیار کیا ہے۔ اس جماعت نے اللہ کے رسولؐ کی طرف سے اس طرح دعوت حق کی ذمہ داری کو ادا کیا ہے۔

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ لَمۡ یَعۡیَ بِخَلۡقِہِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیَِۧ الۡمَوۡتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا جو اللہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے میں نہیں تھکا اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے، کیوں نہیں وہ تو ہر ایک چیز پر قادر ہے۔''

اللہ کی قدرت

کافروں کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ ہی نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ہے۔ اتنی بڑی کائنات ہے جسے اللہ نے خلق کیا ہے جس کے کافر بھی قائل تھے۔ تو یہ کیسے بے بصیرت ہیں اور ان کو یہ بات کیوں نہیں سمجھ آتی کہ جو اللہ اتنی بڑی کائنات کے خلق کرنے سے عاجز نہیں ہے، وہ اللہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر کیسے قادر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ ہی تمام موجودات اور ہستی کا مبدأ و آغاز ہے سب کی حیات اسی سے ہے وہ قادرِ مطلق ہے اور ہر امر پر توانا ہے۔ وہ مُردوں کو دوبارہ خلق کر سکتا ہے، کافروں کے لیے معاد کے انکار کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝٣٤

ترجمہ: ''اور جس دن کافر آگ کے سامنے لائے جائیں گے، (ان سے کہا جائے گا) کیا یہ امر واقعی نہیں ہے، کہیں گے ہمیں اپنے رب کی قسم ضرور امر واقعی ہے، ارشاد ہوگا تو اپنے کفر کے بدلہ میں اس کا عذاب چکھو۔''

قیامت کے دن کافروں کا اقرار

قیامت کے دن جب کافروں کو آگ کے پاس لے جایا جائے گا اور وہ اپنی آنکھوں سے عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو اس وقت ان سے سوال کیا جائے گا ذرا یہ تو بتاؤ کہ دنیا میں تمہیں آتش جہنم کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا اور تم اس کا انکار کرتے تھے لیکن اب تو اپنی آنکھوں سے تم نے دیکھ لیا ہے کہ جو تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا وہ برحق تھا تو اس وقت سارے کافر رب کی قسم اُٹھا کر اس بات کا اقرار کریں گے کہ جو کچھ ہم سے کہا جاتا تھا وہ وعدہ برحق تھا، ہم نے حق کا انکار کیا تھا تو پھر ان کو کہا جائے گا کہ ٹھیک ہے اب اس کفر کا مزہ اس عذاب کی شکل میں چکھو۔ معاد کے انکار کی وجہ سے انہیں یہ عذاب دیا جائے گا۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: ”پھر آپ صبر کر و جیسا کہ عالی ہمت رسولوں نے کیا ہے اور ان کے متعلق جلد بیس کوئی قدم نہ کرو، گویا کہ وہ جس دن عذاب دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (تو انہیں ایسا معلوم ہو گا) کہ ایک دن میں سے ایک گھڑی بھر موجود رہے تھے، آپ کا کام پہنچا دینا تھا، سو تو کیا نافرمان لوگوں کے سوا اور کوئی ہلاک ہو گا۔“

رسول اللہؐ کو تسلی

اس جگہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تسلی دے رہا ہے کہ اے میرے پیارے نبی اس وقت یہ لوگ تیرے سامنے رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں تجھے جھٹلا رہے ہیں، معاد کا انکار کر رہے ہیں، عذاب سے انکاری ہیں۔ تم ان کی باتوں سے دل تنگ نہ کرو۔ آپؐ سے پہلے جو انبیاء آئے ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ آپ ان کے لیے جلدی عذاب کی درخواست بھی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ یہاں پر اپنے رسول ﷺ کو بتا رہا ہے اور یہ سب کو خبر بھی دی جا رہی ہے کہ جب قیامت آئے گی اور ان کافروں کو قبروں سے اُٹھایا جائے گا اور یہ سب عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو اس وقت یہ کہہ اُٹھیں گے کہ ہم تو ایک گھڑی سے زیادہ دنیا میں نہیں ٹھہرے، گویا ابھی ابھی دُنیا سے یہاں پہنچے ہیں۔ رسول اللہ نے ہر ایک بات ان تک پہنچا دی ہے اب اس بارے میں وہ خود ہی سوچ لیں کہ قرآن نے جن کے ہلاک ہونے کی خبر دی ہے کیا وہ گناہگاروں کے سوا کوئی اور ہو سکتے ہیں ہر گز نہیں، گناہگاروں اور منکروں کے لیے ہلاکت ہی ہے۔

رسول اللہؐ اولوالعزم پیغمبر

اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اولو العزم رسولوں میں سے ہیں۔ اولو العزم میں عزم کا لفظ صبر کے معنی میں ہے یا عہدہ وفا پر عزم، پختہ عزم ارادہ مراد ہے یا عزیمت، حکم، شریعت اور قانون مراد ہے کہ شریعت والے، قانون والے انبیاء۔ آخری معنی لیں تو زیادہ صحیح یہی ب معلوم ہوتا ہے۔ آئمہ اہل البیت علیہم السلام کی روایات میں ہے کہ صاحبِ قانون اور صاحبِ شریعت انبیاء پانچ ہیں جن کے نام اس طرح ہیں:

نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ، محمد مصطفیٰ ﷺ۔ سورہ شوریٰ میں اس بارے بیان کیا جا چکا۔

الٰہی احکام کے نفاذ کے لیے صبر واستقامت کا حکم

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات کہہ دی کہ اسلامی حکومت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے اور احکام الٰہی کے نفاذ کے لیے صبر کرو۔ جس طرح حضرت نوحؑ نے سینکڑوں سال صبر کیا، انہیں تبلیغ کے راستہ میں بڑی اذیت دی گئی، جبکہ حضرت ابراہیمؑ کو آتش نمرود میں پھینکا گیا۔ بچے کی قربانی کا معاملہ آیا، گھر سے بے گھر ہونا پڑا اور اسماعیلؑ نے اپنے ذبح ہونے پر صبر کیا۔ ایوب نبی نے تمام مصائب اور تکالیف پر صبر کیا۔ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ سب کو بڑی بڑی تکالیف کا سامنا رہا لیکن سب نے تبلیغِ دین کے لیے صبر کیا۔ اولو العزم پیغمبروں کو تبلیغ کے راستہ میں زیادہ تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ پس آزمائش اور امتحان کا قانون ہے دین تکالیف کے سایہ میں پروان چڑھا ہے۔ فتنہ کے سامنے صبر ضروری ہے، سورہ عنکبوت آیت ۱۔۳ میں فرمایا: ''کہ کیا لوگوں کے لیے یہی کہہ دینا کافی ہے کہ ہم ایمان لے آئے ان کی آزمائش نہ ہوگی؟ جبکہ یقینی امر ہے کہ ہم نے سابقہ اُمتوں کو آزمایا ان کا امتحان لیا، تاکہ اس طرح اللہ تعالیٰ سچوں کو جھوٹوں سے جدا کرے۔''

پیغام: تکالیف برداشت کرنے سے ہی بڑے مقامات ملتے ہیں۔ اسلام کی بالادستی کے لیے ہر قسم کی آزمائش اور امتحان دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے اور دین کے راستہ میں آنے والی تکالیف پر صبر کرنا چاہیے۔ یہ سنتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

سورۃ محمد

(مدنی۔ کل آیات: ۳۸)

سورہ کے مطالب

مؤمنوں اور کافروں کا تقابل، جہاد کے بعض احکام، حضور پاکؐ کے لیے تعارفی کلمات، رسول اللہؐ کی مخالفت کرنے والوں کا انجام، رسول اللہؐ کی اطاعت کرنے والوں کے لیے انعامات کا تذکرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۱﴾

ترجمہ: ''وہ لوگ جو منکر ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو بھی اللہ کے راستہ سے روکا تو اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے۔''

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۙ كَفَّرَ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَهُمۡ ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اور وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور جو کچھ محمدؐ پر نازل کیا گیا اس پر بھی ایمان لائے حالانکہ وہ ان کے رب کی طرف سے برحق بھی ہے، تو اللہ ان کی برائیوں کو مٹا دے گا اور ان کا حال درست کرے گا۔''

کافروں کا رویہ اور ان کا انجام

کفار مکہ اور دوسرے کفار جو ان کا ساتھ دے رہے تھے وہ خود بھی کافر ہوئے اور دوسرے کے لیے بھی رکاوٹیں کھڑی کر دیں کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو باطل کر دیا جس وجہ سے ان کے مقصد تک جانے کا کوئی راستہ باقی نہ رہا، وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو گئے ان کے اسلامی تحریک کو ناکام بنانے کے سب منصوبے ناکام ہو گئے، ان کے جتنے اعمال ہیں کوئی بھی ان کے اعمال کا انہیں بدلہ نہ دے گا اور نہ ہی کوئی ان کے اعمال کو قبول کرے گا۔ عمل کے ضائع ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے منصوبوں میں نتیجہ حاصل کرنے سے پہلے ضائع ہو جائیں گے۔ اس آیت میں کافروں کی تمام سازشوں کی ناکامی کی خبر دی گئی ہے۔

مومنوں کے اعمال کا نتیجہ

دوسری آیت میں مومنین کے اوصاف کو بیان کیا گیا ہے کہ جو کچھ محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے وہ اس پر ایمان لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھیجا ہے وہ برحق ہے۔ یہ تو ان کا عقیدہ ہے اور پھر اس کے ساتھ حسن عمل کو قرار دیا ہے کہ یہ لوگ ایمان لائے ہیں اور پھر ایمان کے تقاضے پورے کئے ہیں کہ نیک اعمال بجا لائے ہیں۔ رسول خدا ﷺ دین حق کو

لے کر آئے اور ان لوگوں نے دین حق کو قبول کیا اور پھر اس کے مطابق عمل بھی کیا تو اللہ تعالیٰ ان کو بدلہ دے گا اور ان کے گناہوں اور خطاؤں کو محو کر دے گا، ان کا اثر مٹا دے گا، دنیا اور آخرت میں ایسے اسباب اللہ بنا دے گا کہ ان کے سارے معاملات کی اصلاح اور درستگی ہو جائے گی۔ دنیا میں اصلاح فطری دین کی پیروی سے ہے کہ انسان کے لیے کمال سعادت اسی میں ہے کہ وہ اس دین فطرت کے مطابق عمل کرے اور آخرت کی اصلاح اس میں ہے کہ انجام بخیر ہو۔ مومنین کے اعمال کا انہیں نتیجہ و ثمر ملتا ہے ان کے اعمال رائیگاں نہیں جاتے، انہوں نے کمال اور سعادت کی نیت سے جو کچھ کیا ہے اس کا نتیجہ انہیں ملے گا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۳

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ جو لوگ منکر ہیں انہوں نے جھوٹ کی پیروی کی اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے اپنے رب کی طرف سے حق کی پیروی کی، اسی طرح اللہ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے۔''

کفار اور مومنوں کا تقابل

جو کچھ کافروں کے ساتھ ہوا کہ ان کے پروگرام ناکام ہوئے۔ ان کی کوششیں بے ثمر رہیں، سارے منصوبے ناکام ہو گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے اعمال کی نسبت اللہ کی طرف نہ تھی۔ یہی وجہ ان کی ناکامی کے لیے کافی تھی جبکہ مومنوں کو کامیابی نصیب ہوئی اس کی وجہ حق کی پیروی کرنا ہے اور حق کی نسبت اللہ کی طرف ہے جو بھی اللہ کی طرف منسوب ہے وہ عین حق ہے لہٰذا اللہ خود ہی ان کے حالات کی اصلاح فرما دیتا ہے۔ سعادت اور شقاوت، خوش بختی اور بد بختی کا معیار حق اور باطل ہے، حق کی پیروی سعادت مند بناتی ہے

اور باطل کی پیروی بد بخت بناتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کے اعمال جس طرح ہیں انہیں بیان کرتا ہے تاکہ ان کے اعمال کو سامنے رکھ کر ان کا جائزہ لیا جائے اور ان کے درمیان فرق کو سمجھا جاسکے اور اس فرق کی وجہ بھی معلوم ہوسکے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ ذٰلِكَ ۛؕ وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَاۡ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴

ترجمہ: ’’پس جب تم ان کے مقابل ہو جو کافر ہیں تو ان کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب مغلوب کرلو تو ان کی مشکیں کس لو، پھر یا تو اس کے بعد احسان کرو یا تاوان لے لو یہاں تک کہ لڑائی والے اپنے ہتھیار ڈال دیں، یہی (حکم) ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا لیکن وہ تمہارا ایک دوسرے کے ساتھ امتحان کرنا چاہتا ہے، اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں اللہ ان کے اعمال برباد نہیں کرے گا۔‘‘

سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵ۚ

ترجمہ: ’’اللہ جلد ہی انہیں راہ دکھائے گا اور ان کا حال درست کردے گا۔‘‘

وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶

ترجمہ : ”اور پھر انہیں بہشت میں داخل کرے گا جس کی حقیقت انہیں بتا دی تھی۔“

کافروں سے جنگ کا حکم

کافروں کے اوصاف بیان کرنے کے بعد مومنین کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ کافرون کے بارے میں بتایا کہ وہ ایک تو خود ایمان نہیں لاتے دوسرا یہ کہ وہ حق بات لوگوں تک پہنچانے کے لیے رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور سازشوں میں مصروف رہتے ہیں۔ ان آیات میں کافروں کی سازشوں کے توڑ اور حق کی آواز کو دبانے کے لیے ان کے منصوبوں کا مقابلہ کرنے کے لیے حکم دیا ہے کہ ایسے کافروں کے ساتھ جنگ کرو، ان کی گردنیں اڑا دو اور اس حد تک جنگ کرو کہ ان سازشیوں کے زیادہ تر افراد مارے جائیں۔ غلبہ قطعی طور پر تمہارے لیے ہے، اس کے بعد ان کے بچے کھچے افراد کو قیدی بنا لو، ان کے ہاتھ پاؤں باندھو اور اسیر بناؤ۔ جب انہیں قیدی بنا لو تو پھر یا تو ان پر احسان کرتے ہوئے انہیں بغیر کچھ لیے آزاد کر دو یا انہیں آزاد کرنے کے بدلے میں ان سے فدیہ اور مال لے لو اور انہیں آزاد کر دو اس رویہ کو جاری رکھو، یہاں تک کہ جنگی ماحول ختم ہو جائے اور جنگجو افراد اپنا اسلحہ زمین پر رکھ دیں۔

پھر کہا گیا کہ اللہ کا حکم یہی ہے جو تمہارے لیے بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر خدا چاہے تو کافروں سے انتقام لے گا اور انہیں ہلاک کر دے گا یا انہیں عذاب دے گا بغیر اس کے کہ تمہیں جہاد و جنگ کا حکم دے، اللہ تمہارے اوپر جہاد کو واجب کرتا ہے تاکہ تمہارے وسیلہ سے انہیں ہلاک کرے۔ اللہ نے یہ چاہا ہے کہ تم جہاد کرو، تاکہ جو رکاوٹیں انہوں نے حق کے سامنے کھڑی کی ہیں ان کا صفایا کر دیا جائے اس طرح اللہ چاہتا ہے کہ تمہارا ایک دوسرے کے ذریعہ امتحان لے یعنی مومنوں کا امتحان کافروں کے ذریعہ سے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل کون کرتا ہے اور کون جنگ کی سختیوں کو برداشت کرتا ہے اور کون ہے جو نافرمانی کرتا

ہے اور جنگ سے فرار کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اور کافروں کا امتحان مومنوں کے وسیلہ سے لیتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے ابدی شقاوت و بدبختی میں کون ہے؟ اور کون ہے جو توبہ میں کامیاب ہوتا ہے اور حق کی طرف واپس آتا ہے۔

جہاد کی تشویق

آخر میں جہاد کی تشویق کی گئی ہے، جو لوگ جہاد کے راستہ میں دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں اللہ کے دین کے راستہ میں مارے جاتے ہیں تو ان کے صالح اعمال کو ہرگز باطل نہیں کرے گا۔ ان کا اجر اللہ کے پاس ہے، بہت جلد اللہ تعالیٰ انہیں سعادت و کرامت کی منازل کی جانب ہدایت فرمائے گا، ان کے گناہوں کی معافی و مغفرت سے ان کے حالات کی اصلاح کرے گا تاکہ بہشت میں جانے کی صلاحیت ان میں پیدا ہو جائے۔ اصلاح احوال سے مراد انہیں طیب و عمدہ حیات کے ساتھ زندہ کرتا ہے تاکہ قرب الٰہی کے مقام پر پہنچنے کی صلاحیت ان میں پیدا ہو جائے۔ ان کی ہدایت کی غرض یہ ہے کہ انہیں بہشت میں داخل کیا جائے جس کے بارے میں وحی کے ذریعہ یا موت کے وقت بشارت کے ذریعہ یا قبر میں یا قیامت میں بتایا گیا تھا۔ یہ سب درجات اور مقامات اس صورت میں ملیں گے کہ اس کا جہاد اور جنگ توحیدِ الٰہی کے کلمہ کی سربلندی اور پرچمِ اسلام کو اونچا کرنے کی غرض سے ہو۔ یہ جنگ و جہاد قومی تعصب یا کسی خاص جماعت کا دفاع یا زمین کے حصول یا غنائم حاصل کرنے یا نام و نمود پانے کی غرض سے نہ ہو ورنہ یہ سب مراتب و مقامات نصیب نہ ہوں گے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ⑦

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمائے رکھے گا۔“

جہاد کی تشویق

اس آیت میں مومنوں کو جہاد کا شوق دلایا گیا ہے، مومنوں کو کہا گیا کہ اللہ کے دین کی بالادستی کے لیے میدان میں اُترو۔ اللہ کے دین کے سامنے موجود رکاوٹیں دور کرو۔ اگر تم اللہ کے دین کا ساتھ دوگے تو اللہ تمہیں اس کا بڑا اجر دے گا اس کا ایک بدلہ تو یہ ہے کہ اللہ تمہاری ہر جگہ مدد کرے گا تم رسوانہ ہوگے تمہیں شکست نہ ہوگی اور دوسرا یہ کہ اللہ تمہارے دلوں کو مضبوط کرے گا، دشمن کے مقابلے میں تمہارے قدم مضبوط ہوں گے، ہر میدان میں ثابت قدم رہوگے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو حتمی پورا ہوگا۔ اب جب ایسا ہے تو مومنین پر ہے کہ وہ اپنی جانیں اللہ کے دین کی نصرت میں قربان کرنے سے دریغ نہ کریں۔

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَتَعۡسًا لَّہُمۡ وَ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۸﴾

ترجمہ: ''اور جو منکر ہیں سو ان کے لیے تباہی ہے اور وہ ان کے اعمال اکارت کر دے گا۔''

کافروں پر نفرین

اس آیت میں کافروں پر نفرین کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ کافر سقوط کر جائیں گے۔ سقوط کا معنی ہے منہ کے بل زمین پر اوندھے منہ گریں گے۔ اسی حالت میں رہیں گے اس طرح گر جانے کے بعد اُٹھ نہ پائیں گے۔ یہ کافروں پر نفرین بھی ہے اور ان کے مستقبل کے بارے خبر بھی ہے کہ ان کا مستقبل تاریک ہے۔ سقوط اور شکست ان کا مقدر ہے، یہ کافروں کی عاجزی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ اس قدر کمزور ہو جائیں گے کہ دوبارہ اُٹھ نہیں سکیں گے۔ اسی طرح ان کے اعمال کا انہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ یہ کافروں کی انتہائی کسمپرسی اور ذلت و رسوائی کی طرف اشارہ ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿٩﴾

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ انہوں نے ناپسند کیا جو اللہ نے ان کے لیے اتارا ہے، سو اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔''

کافروں کے سقوط کی وجہ

اللہ تعالیٰ کسی کے خلاف بغیر وجہ کے کارروائی نہیں کرتا۔ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، ان کی ہدایت کا انتظام کرتا ہے لیکن جو لوگ اللہ کے نظام کی مخالفت کرتے ہیں اور اللہ کے نمائندوں کا انکار کرتے ہیں تو پھر انہیں ان کی ایسی بدعقیدتی اور بداعمالی کا نتیجہ اس صورت میں بھگتنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے مقام سے سقوط کر جاتے ہیں۔ قرآن اور احکام شرعی جنہیں رسول اللہ ﷺ نے پہنچایا ان سب کا انکار کیا، تکبر کیا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے اعمال کو ضائع کر دیا۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ﴿١٠﴾

ترجمہ: ''کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ وہ دیکھتے ان کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے، اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور منکروں کے لیے ایسی ہی (سزائیں) ہیں۔''

کافروں کا انجام

رسول اللہ ﷺ کو یہ بتایا گیا کہ اگر لوگ زمین میں گھوم پھر کے دیکھیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ اس زمین پر بڑے بڑے لوگ رہتے تھے جنہوں نے اللہ کے پیغامات کا انکار کیا

اور کفر کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا کیا اور ان کا انجام کیا ہوا؟ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے کہی جا رہی ہے کہ سابقہ کافروں کو اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں کس طرح سزا دی اور کس طرح ان کا سب کچھ ویران ہو گیا۔ ان کو تباہی و ویرانی کے سوا کچھ نصیب نہ ہوا۔ جس طرح گذشتہ ادوار کے کافروں اور اللہ کے پیغامات کو جھٹلانے والوں کو اللہ نے سخت ترین سزا دی اسی طرح آج جو کفر کر رہے ہیں ان کا انجام بھی ان جیسا ہو گا، اللہ انہیں بھی نابود کرے گا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ”یہ اس لیے کہ اللہ ان کا حامی ہے جو ایمان لائے ہیں اور کفار کا کوئی بھی حامی نہیں۔“

مومنوں کی نصرت اور کافروں کی ہلاکت

مومنین کامیاب ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مومنوں کا مولا، ان کا سرپرست اور ان کے تمام امور میں مکمل تصرف کرنے والا صرف اللہ ہے اور تمام حالات میں اللہ ہی ان کا یاور و مددگار ہے۔ اللہ انہیں ابدی سعادت کی طرف ہدایت کرتا ہے اور انہیں اعمال صالحہ میں کامیاب بناتا ہے فقط مومنین ہی ہیں جو اللہ کی بندگی کی راہ پر چلتے ہیں اور اللہ کے احکام کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ کامیاب ہیں۔

کافروں کی ناکامی

کافروں کی ناکامی اس وجہ سے ہے کہ ان کا کوئی یاور و مددگار نہیں ہے جو انہیں سزا سے نجات دے سکے۔ روایات میں ملتا ہے کہ ابوسفیان نے جنگ احد کے موقع پر آواز بلند کی تھی اور روز احد کو روز بدر کا بدلہ قرار دیا تھا کہ یہ جنگ اس جنگِ بدر کے مقابلہ میں ہے۔

ہمارے پاس عزیٰ (بت کا نام) ہے جبکہ تمہارے پاس کوئی بھی نہیں ہے۔ اس کے اس اعلان پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کی تم بلند آواز سے کہو:

"ہمارا مولا و سرپرست اللہ ہے، جبکہ تمہارا کوئی مولا نہیں ہے۔ جنگ کی دو حالتیں ہیں یا تو تم ہمیں قتل کروگے اور ہم درجہ شہادت پر فائز ہوں گے۔ اور ہم زندہ وجاوید ہوں گے، یا پھر ہم تمہیں ماریں گے تو اس صورت تم سیدھے دوزخ کی آگ میں جاؤگے۔ تمہارے لیے ہر صورت خسارہ و نقصان ہے جبکہ ہمارے لیے ہر حال میں کامیابی ہے کیونکہ ہمارا یاو رمددگار اللہ ہے اور تم بے یار ومددگار ہو اور جس کا یاور و مددگار اللہ ہو وہی کامیاب و کامران ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یُدۡخِلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَتَمَتَّعُوۡنَ وَ یَاۡکُلُوۡنَ کَمَا تَاۡکُلُ الۡاَنۡعَامُ وَ النَّارُ مَثۡوًی لَّهُمۡ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: "بے شک اللہ انہیں داخل کرے گا جو ایمان لائے اور نیک کام کیے بہشتوں میں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور جو کافر ہیں وہ دنیا میں عیش کر رہے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چار پائے کھاتے ہیں اور دوزخ ان کا ٹھکانہ ہے۔"

اللہ کی ولایت کے اثرات

اس آیت میں مومنین کے لیے اللہ کی ولایت کے اثرات و فوائد کو بیان کیا گیا ہے اور کافروں کے لیے کیونکہ اللہ کی ولایت نہیں ہے اس لیے ان کے لیے خسارہ ہے اور آخرت میں ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔ مومنین سے کہا جارہا ہے رشد و ہدایت کی راہ پر تم چلو اور

اپنے انسانی وظائف پر عمل کرو کہ تم اللہ کی ولایت میں داخل ہو۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں بہشت میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں لیکن کافر جن کا دنیا میں رویہ معاندانہ تھا انسانی وظائف پر عمل نہ کیا اور اللہ کے پیغامات پر بے توجہی سے کام لیا ان کا ہم و غم فقط ان کا شکم اور وقتی لذات تھیں وہ فناء ہونے والی دنیا کے موج میلوں میں گم تھے انہوں نے چوپاؤں کی جیسی زندگی گزاری، ان کا کوئی ولی نہیں تھا، اسی وجہ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے معاملات پر کوئی توجہ نہ دے گا۔ ان کی عاقبت و انجام ہلاکت و بربادی ہے۔ یہ دوزخ کی آگ میں ٹھہریں گے ان کے واسطے یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے اور اس کی وجہ سراسر وہ خود ہیں اور ان کا اپنا رویہ ہے۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿١٣﴾

ترجمہ: ''اور کتنی ہی بستیاں تھیں جو آپ کی اس بستی سے طاقت میں بڑھ کر تھیں جس کے رہنے والوں نے آپ کو نکال دیا ہے، ہم نے انہیں ہلاک کر دیا تو ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوا۔''

رسول اللہؐ کے لیے تسلی

کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کیا۔ پیغمبر اکرم ﷺ کو بہت اذیتیں و تکالیف پہنچائیں، آپؐ کے قتل کے درپے ہوئے، آپؐ نے مکہ سے ہجرت کی، اس جگہ رسول اللہ ﷺ کے دل کو مضبوط کیا جا رہا ہے، انہیں تسلی دی جا رہی ہے اور اہل مکہ کو دھمکایا گیا ہے اور ان کی تحقیر کی گئی ہے۔ فرمایا ہے کہ مکہ والے اللہ تعالیٰ کو عاجز و ناتواں نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت ہی طاقتور اور مضبوط بستیوں کو ہلاک کیا، ان کا کوئی مددگار نہ

تھا جو انہیں خدا کے عذاب سے بچا سکتا۔ مکہ کے کفار تو ان سے بہت ہی کمزور ہیں، ان کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ انہیں بھی دردناک عذاب دیا جائے گا، انہیں بھی کسی سے مدد نہ ملے گی اور یہ ذلیل و خوار ہوں گے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”پس کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہو وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جسے اس کے برے عمل اچھے کرکے دکھائے گئے ہوں اور انہوں نے اپنی ہی خواہشوں کی پیروی کی ہو۔“

دلیل و ثبوت رکھنے والے

مومنوں کے لیے بتایا جارہا ہے کہ ان کے پاس ایمان لانے کے متعلق دلیل و ثبوت ہے۔ پروردگار کی طرف سے ان کے پاس عقائد و نظریات پر واضح دلائل ہیں۔ وہ ہمیشہ دلیل او ر ثبوت کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں لیکن جو کافر ہیں، شیطان نے ان کے واسطے ان کے برے اعمال کو خوبصورت بنا کر ان کے سامنے پیش کر دیا ہے وہ اسی پر خوش ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے برے اعمال کو ہی اچھا اور نیک جانا لہٰذا کافر اور مومن دونوں برابر نہیں ہیں۔ ایک کے پاس اپنے عقائد اور اپنے اعمال بارے روشن و واضح دلائل و ثبوت ہیں جبکہ دوسرا وہ ہے کہ جس کے پاس اپنے نظریات کے بارے کچھ ثبوت موجود نہیں اور نہ ہی اس کے اعمال کی صحیح بنیاد ہے۔ وہ اپنے برے اعمال ہی کو نیک سمجھ لیتے ہیں تو یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''اس جنت کی کیفیت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا جاتا ہے، اس میں ایسے پانی کی نہریں ہوں گی جو بگڑنے والا نہیں، اور دودھ کی نہریں جن کا مزہ کبھی نہیں بدلے گا، اور نہریں ایسی شراب کی جو پینے والوں کے لیے خوش ذائقہ ہوگی، اور نہریں صاف شہد کی، اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے میوے ہوں اور اپنے رب کی بخشش، (کیا وہ) ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا سو وہ پانی ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔''

بہشت کی نعمتیں

بہشت مومنوں کے لیے ہے، مومنوں کو بہشت میں کیا ملے گا اور بہشت کی خصوصیات کیا ہیں؟ ان سب کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کی حقیقت کو تو یہاں پیش نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس قدر بلند و اعلیٰ ہیں کہ جنہیں مادی معیاروں پر پرکھنا ممکن نہیں۔ مثالوں کے ذریعہ ان کو کسی حد تک اذہان کے قریب لایا جا سکتا ہے۔

جنت کی خصوصیات

ا۔ تازہ پانی کی نہریں جاری ہوں گی۔
۲۔ خوش ذائقہ دودھ کی نہریں ہوں گی ایسا خوش مزہ دودھ جس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوگا۔
۳۔ شراب کی ایسی نہریں جن میں لذت ہوگی، نشہ اور مستی نہیں ہوگی۔
۴۔ صاف و شفاف خالص شہد کی نہریں ہوں گی۔
۵۔ ہر قسم کے میوے ہوں گے اور ہر قسم کے پھل موجود ہوں گے۔
۶۔ اللہ کی رحمت و مغفرت کی وجہ سے مومنوں کے ہر قسم کے گناہوں کے اثرات ختم ہو جائیں گے۔

تو کیا جو لوگ اللہ کی ان نعمتوں سے بہرور ہوں گے وہ ان کی مانند ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ہوں گے جن کو پینے کے لیے گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، جو ان کے پیٹ میں جا کر اسے ریزہ ریزہ کر دے گا۔ یقینی بات ہے یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۟ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی بات سنتے ہیں یہاں تک کہ جب آپ کے ہاں سے باہر چلے جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے کہ رسول اللہ نے ابھی ابھی کیا کہا تھا یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے اور انہوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کر رکھی ہے۔''

بعض اصحابِ رسولؐ کا تذکرہ

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب کے بارے بیان کیا گیا ہے اور کافروں کے حوالے سے بھی بات کی گئی ہے۔ کافروں کے بارے بتایا جا رہا ہے کہ اے رسول ﷺ جب تم قرآن پڑھتے ہو تو وہ اسے سنتے ہیں اور آپ جب معارف و احکام کو ان کے لیے بیان کرتے ہیں تو بھی غور کرتے ہیں لیکن جیسے ہی وہ آپ سے یہ سب کچھ سن کر باہر جاتے تھے، تکبر اور غرور کی وجہ سے حق بات کو سمجھ نہیں سکتے تھے یا پھر استہزاء اور مذاق کرتے تھے، مومنوں کی تحقیر کرتے ہیں، مومنین جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے، یہ کافر سوال کرتے ہیں کہ ابھی ابھی انہوں نے کیا کہا ہے۔ یہی بات بعض اصحاب کے حوالے سے بھی ہے وہ جو رسول اللہ سے سنتے وہ بھول جاتے تھے، کافر تکبر و غرور کی وجہ سے اور مومنین کی تحقیر کرنے کے لیے ایسا کہتے تھے جبکہ بعض اصحاب اپنے کمزور حافظہ کی وجہ سے ایسا کہتے تھے۔ کافروں کی یہ بات اس لیے کہ انہوں نے اپنے فطری عہد کو توڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں سزا دی ہے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق ان کے دلوں پر اثر نہیں کرتا وہ اپنے نفسانی معاملات و خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ خواہشات کی پیروی دلیل ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے۔ ان کی عقل ماؤف ہو چکی ہے لیکن جس کا دل کھلا ہے جس پر مہر نہیں لگی اور اپنی فطرتِ طہارت پر باقی ہے، تو وہ حقیقت کو سمجھنے میں دیر نہیں کرتے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿١٧﴾

ترجمہ: ”اور جو راستہ پر آگئے ہیں اللہ انہیں اور زیادہ ہدایت دیتا اور انہیں پرہیزگاری عطا کرتا ہے۔“

ہدایت یافتہ ہونا

ہدایت گمراہی کے مقابل میں ہے، اھتداء کا معنی ہے تسلیم ہونا، حق کی پیروی کرنا۔ فطرتِ سالم کا تقاضا حق کو قبول کرنا ہے، جو صحیح و سالم فطرت رکھتا ہے وہ ہدایت پاتا ہے جب وہ ہدایت یافتہ ہو جاتا ہے تو اللہ کی جانب سے اس کی مدد ہوتی ہے اور اس کے لیے ہدایت کو اور بڑھا دیتا ہے۔ اللہ اس کے ایمان کے درجہ کو بلند کر دیتا ہے، یہ ان کے علم کی تکمیل ہے۔

تقویٰ دینے کا مطلب یہ ہے کہ عمل کے لحاظ سے اللہ ہدایت یافتہ افراد کو کامل کر دیتا ہے کہ اس نے نفسانی خواہشات کا مقابلہ کیا ہے۔ محارم الٰہی سے خود کو دور رکھا اور اوامر الٰہی کو بجالایا ہے۔

دلوں پر مہر لگ جانے کا مطلب ہے کہ ان کے پاس علم کا کمال نہیں ہے اور خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کا نتیجہ عمل صالح کا فقدان ہے جبکہ ہدایت یافتہ ہونے کا نتیجہ ایمان میں افزائش اور محارم الٰہی سے خود کو بچا کر رکھنا ہے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿١٨﴾

ترجمہ: ”پھر کیا وہ اس گھڑی کا انتظار کرتے ہیں کہ ان پر ناگہان آئے، پس تحقیق اس کی علامتیں تو ظاہر ہو چکی ہیں، پھر جب وہ گھڑی آ گئی تو اس وقت ان کا سمجھنا کیا فائدہ دے گا۔“

کافروں کی حالت کا بیان

اس آیت میں ان لوگوں کے بارے میں اعتراض آمیز بات کی جا رہی ہے کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے پاس اللہ کی صداقت کے متعلق سارے دلائل آچکے ہیں وہ ماننے کے لیے تیار ہیں یہ تو ایسے لگ رہے ہیں کہ قیامت کی گھڑی آجائے اور جب انہیں قیامت کے نشانات

نظر آنے لگیں تو اس وقت یہ لوگ ایمان لے آئیں وہ قیامت کے آنے کی انتظار میں ہیں۔ ان کو یہ بتایا جارہا ہے کہ تم یہ بات جان لو جب قیامت آجائے گی تو اس وقت تمہارے پاس سنبھلنے اور سوچنے کا وقت ہی نہ ہو گا۔ اس وقت کی یاد تم کو کچھ فائدہ نہ دے گی۔ اس وقت یقین کی کیفیت کا حاصل ہونا بے سود ہو گا کیونکہ قیامت تو اچانک ہو گی بغیر سابقہ اطلاع کے آئے گی۔ جب قیامت کی علامات ظاہر ہوں گی تو پھر ان کو مہلت نہیں دی جائے گی تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں لہٰذا تذکر (یاددہانی) اور اس کے نتیجہ میں خاضع ہوں، مومن بن جائیں یا عملِ صالح بجالائیں کیونکہ قیامت روزِ جزاء ہے، روز عمل نہیں ہے۔ سورہ فجر آیت ۲۳ یتذکر الانسان وانی لہ الذکری۔ "یعنی جس دن انسان اپنی حالت میں آئے گا" اور اسے یاد آجائے گا کہ وہ ایمان لے آئے تو اس کی وہ یاد اس کو کہاں فائدہ دے سکتی ہے؟ وہ تذکر کی جگہ نہیں ہے کیونکہ اب تو قیامت کی نشانیاں ظاہر ہو چکی ہیں۔ شق القمر ہوا، قرآن کی صورت میں معجزہ آیا اور بہت سارے دیگر معجزات جو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ظاہر ہو چکے اسی سے اپنے کو یاد دلائیں اور بات کو قبول کر لیں۔ بہر حال قیامت کے وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ اس دن کافروں کے لیے ایمان لانا اور عمل صالح انجام دینے کا موقع نہ ملے گا۔ سورہ انعام آیت ۱۵۸ میں ہے "ایسا دن ہے جو کوئی اس دن تک ایمان نہ لائے یا ایمان کے ذریعہ اپنے لیے کوئی خیر اپنے لیے نہ لائے اور اب اس دن ان کو کچھ فائدہ نہ ہو گا"

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ ؏ ﴿۱۹﴾

ترجمہ : ''پس جان لو کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور اپنے اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگیے، اور اللہ ہی تمہارے لوٹنے اور آرام کرنے کی جگہ کو جانتا ہے۔''

رسول اللہؐ کے لیے خصوصی ہدایت

آپ کے پاس اللہ کی توحید کے بارے جو علم ہے، اسی سے تمسک کرو اور اس کو مت چھوڑو، اپنے گناہ اور مومن عورتوں اور مردوں کے گناہوں کے لیے استغفار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے تمام حالات سے آگاہ ہے وہ آپ کے نقل و انتقال جانتا ہے اور ٹھہرنے اور چلنے کو جانتا ہے۔ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ توحیدی دین پر ثابت قدم رہو۔ اس بات سے ڈرتے رہو کہ تمہارے دلوں پر مہر لگا دی جائے اور تمہاری باگ ڈور کو تمہاری نفسانی خواہشات کے اختیار میں دے دے۔

پیغمبر اکرمؐ اور استغفار

پیغمبر کی طرف گناہ کی نسبت دی گئی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ معصوم ہیں، ہر خطاء سے محفوظ و پاک ہیں۔ جب گناہ کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہوئی ہے تو اس سے مراد رسول اللہ کی وہ مصروفیات ہیں جو آپ کے لیے مباح ہیں جیسے بیویوں کے پاس جانا، کھانا، سونا، دنیاوی زندگی کے لوازمات میں مصروف ہونا وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت باری تعالیٰ کے حضور میں تقرب و مانوسیت اور مقامِ ربوبیت کے ساتھ انس سے کچھ لمحات کے لیے دوری کو آپ کے لیے گناہ شمار کیا گیا ہے یا گناہ سے مراد وہ برے اثرات و نتائج ہیں جو کافروں کو آپ کی جانب سے دعوت دینے کی وجہ سے آپ کو پہنچتے ہیں۔ سورہ الفتح میں اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کیا جائے گا امت کے گناہوں سے استغفار کا جو اللہ نے حکم دیا ہے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اپنے

رسولؐ سے تو اللہ فرمائے کہ تم اُمت کے گناہگاروں کے لیے استغفار کرو اور پھر انہیں مغفرت سے نہ نوازے لہٰذا اس آیت میں مومنین کے لیے ایک خوبصورت وعدہ دیا گیا ہے۔

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۚ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ”اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے کوئی سورت کیوں نہیں نازل ہوئی، سو جس وقت کوئی صاف (مضمون) کی سورت نازل ہوتی ہے اور اس میں جہاد کا بھی ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری (نفاق) ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو، پس ایسے لوگوں کے لیے تباہی ہے۔“

مومنین کے بارے

مومنین اس قسم کا ادعاء کرتے نظر آتے ہیں نئی سورہ کیوں نہیں نازل ہو رہی تاکہ ہمارے اوپر نئی تکالیف اور ذمہ داریاں ڈال دی جائیں تاکہ ہم ان تکالیف و ذمہ داریوں کو انجام دیں۔ لیکن جیسے کوئی سورہ اترتی ہے جس میں کچھ شک نہیں ہوتا اور اس میں جہاد کے متعلق احکام والی آیت موجود ہوتی ہے جس میں انہیں جہاد کرنے کا حکم دیا جاتا ہے کمزور ایمان والوں کو تم دیکھو گے کہ ایسے شخص کی مانند ہو جاتے ہیں جو جانکنی کی حالت میں ہوتا ہے وہ شخص آپ کی جانب ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگتا ہے۔ ان کے لیے ایسا ہونا بھی چاہیے یہ جانکنی کی حالت میں آئیں اور اس حالت میں مر جائیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ اپنی تذلیل کی بجائے خود

کو درست کریں۔ اپنی روش تبدیل کریں، اپنے عمل میں استقامت دکھائیں اور اللہ کے حکم کی اطاعت کریں، اپنی اصلاح پر توجہ دیں۔

طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾

ترجمہ: ''حکم ماننا اور نیک بات کہنا (لازم ہے)، پس جب بات قرار پا جائے تو اگر وہ اللہ کے سچے رہیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔''

مومنین کی خصوصیات

اللہ کی اطاعت کرنا، اچھی اور مفید بات کرنا ان کے لیے بہتر ہے یا انکا ہمارے اوپر ایمان لے آنا بہتر ہے۔ اطاعت ہے کہ جس پر انہوں نے ہمارے ساتھ پیمان باندھا ہے۔ جو بات کہی وہ قول معروف ہے اور منکر سے نہیں۔ یہ بات جس کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ مومنین اچھی بات کہیں، جس کو معروف کہا گیا، منکر بات نہ کی ناپسندیدہ گفتگو نہیں کی وہ بات کیا ہے۔ وہ یہ تھی کہ انہوں نے یہ اظہار کر لیا کہ ہم نے بات سنی ہے اور اس کی اطاعت کی لہٰذا اگر انہیں جب جہاد کے بارے قطعی اور حتمی حکم مل جاتا ہے تو خدا نے جو کچھ کہا ہے وہ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور جو اللہ نے حکم دیا اس کی اطاعت کی یہی ان کے لیے بہتر ہے کیونکہ ایک صالح اور نیک سوسائٹی کا دفاع کرنا ہی قول معروف اور اچھی بات ہے کیا ایسا ممکن ہے ایسا حکم جس کی روش اور راستہ شریعت الٰہی کے مطابق نہیں ہے اس کے ہوتے ہوئے معروف قول، اچھی بات معاشرہ میں حکمرانی کرے؟ کیا بہترین اور لائق ترین اور عمدہ معروف

و اچھائی یہ بات نہیں کہ ایسے حاکم کو ہٹا دیا جائے کیا ایسے حاکم ہوتے ہوئے صالح معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے؟

پیغام: بات اچھی کرو، نیکی پھیلاؤ، شریعت پر عمل کرو، ایمان کے تقاضے کو پورا کرو، نااہل اور شریعت مخالف حکمرانوں سے جان چھڑاؤ، شریعت کا پابند، باایمان حاکم ہی صالح معاشرہ قائم کر سکتا ہے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ”پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم ملک کے حاکم ہو جاؤ تو ملک میں فساد مچانے اور قطع رحمی کرنے لگو۔“

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ”یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے پھر انہیں بہرا اور اندھا بھی کر دیا ہے۔“

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ”پھر کیوں قرآن پر غور نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔“

ضعیف الایمان مومنین

ان آیات میں کمزور ایمان والے مومنوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ ان کے دل بیمار ہیں، جہاد پر نہ جانے کے لیے بہانہ تراشیاں کرتے ہیں۔ ان آیات میں سوال کی شکل میں ان مومنوں کو متوجہ کیا گیا ہے۔

اگر تم ایسے ہو اور جہاد پر جانے سے سستی و کاہلی کرتے ہو اور جہاد پر نہیں جاتے تو کیا یہ ایمان کے ضعف کا نتیجہ نہیں ہے۔

اموال کو ضائع کرنا، خونریزی کرنا، آبرو ریزی کرنا، دوسروں کی عزت نہ کرنا، زمین میں فساد کرنا، دنیا کے بوسیدہ لاشہ میں جھپٹے رہنا، رشتہ ناطہ توڑنا کیا یہ سب ٹھیک ہے؟ ان سوالات کے ذریعے بتایا جا رہا ہے کہ یہ سب کچھ غیر اسلامی حکومتوں کی پہچان ہے۔ اگر تم جہاد سے منہ موڑتے ہو تو پھر تم سے ایسے امور ہی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ پھر بیان کیا گیا جو زمین پر فساد پھیلاتے ہیں اور قطع رحم کرتے ہیں تو خدا ان کو اپنی رحمت سے دُور کر دیتا ہے۔ ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ انہیں اللہ نے اندھا اور بہرہ کر دیا ہے ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے وہ حق بات کو نہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں حق کا راستہ نظر آتا ہے۔ اس کے بعد ڈانٹ پلانے کے انداز میں ان سے کہا جا رہا ہے تم قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے؟ قرآنی معارف کو کیوں نہیں سمجھتے بلکہ ان کے دلوں پر تو تالے پڑے ہیں ان میں حق قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ سورہ حج آیت: ۴۶ "سچ یہ ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی ہیں بلکہ ان کے سینوں میں جو دل ہے وہ دل حق کے ادراک سے اندھے ہیں انہیں حق سمجھ نہیں آتا تو اے ضعیف الایمان مومنین تم ایسے ہو رہے ہو تو پھر تمہارا انجام ان جیسا ہو گا جو ایمان نہیں لائے اور الٰہی شریعت کے مخالف ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ پیچھے کی طرف الٹے پھر گئے بعد اس کے کہ ان پر سیدھا راستہ ظاہر ہو چکا، شیطان نے ان کے سامنے برے کاموں کو بھلا کر دکھایا اور انہیں آرزو دلائی۔“

ہدایت کے بعد گمراہی

اس آیت میں ان کے بارے بتایا جا رہا ہے جو ہدایت پا لیتے ہیں، ان کے لیے حق واضح ہو جاتا ہے لیکن ہدایت کے راستہ پر آنے کے بعد دوبارہ واپس کفر کی حالت میں چلے جاتے ہیں تو اس واپسی میں شیطان کا کردار ہے جو ان کے برے عمل کو خوبصورت اور اچھا بنا کر پیش کرتا ہے اور انہیں بڑی بڑی اُمیدیں دلاتا ہے۔ یہ شیطان ہی ہے جو انہیں دوبارہ گمراہی میں لا پھینکتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: ”یہ اس لیے کہ وہ ان لوگوں سے کہنے لگے جنہوں نے اسے ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کیا ہے کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا کہا مانیں گے، اور اللہ ان کی رازداری کو جانتا ہے۔“

مرتدین کے دل کی بات

شیطان ان پر مسلط ہو جاتا ہے یہ لوگ جو ایمان کے بعد مرتد ہوئے ہیں وہ ایک طرف ایمان کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں پھر کافروں سے خفیہ رابطہ کرتے ہیں اور انہیں وعدے دیتے ہیں کہ ہم تمہاری بعض باتوں کو مانتے ہیں اس طرح وہ حق کی راہ کو چھوڑ کر گمراہی میں

چلے جاتے ہیں پھر یہ منافقین اپنے اس راز کو چھپاتے ہیں یہ خیال کرتے ہیں کہ ہماری اندرونی باتوں کا کسی کو علم نہیں ہے۔ موقع کی تلاش میں رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اللہ تمہارے ان مخفیانہ رازوں سے آگاہ ہے اور ان سب اسرار پر اس کا احاطہ ہے“۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کی کسی بھی حوالے سے تائید اور حمایت کرنا اور ان کے منصوبوں میں حمایت کرنا منافقت سے ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۝۲۷

ترجمہ: ”پھر کیا حال ہوگا جب ان کی روحیں فرشتے قبض کریں گے، ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مار رہے ہوں گے۔“

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۲۸

ترجمہ: ”یہ اس لیے کہ یہ اس راستے پر چلے جس پر اللہ ناراض ہے اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کو برا جانا، پھر اس نے بھی ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔“

مرتدوں کی حالت

آج ان کی حالت یہ ہے وہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں، ہدایت کے بعد گمراہی اپنا لی ہے۔ پس ان پر وائے ہو ان کی بری حالت ہو گی جب فرشتے ان کی ارواح قبض کریں گے اور بڑی سختی سے ان کے منہ اور پشت پر چابک برسائیں گے، انہیں ذلیل و خوار کریں گے یہ عذاب اور خوارگی اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ ایسے امور کے پیچھے تھے جو اللہ کے غضب کا سبب تھا، ایسے اعمال جو اللہ کی خوشنودی اور رضا کا سبب بنے تھے اسے ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور شیطانی وسوسوں کی پیروی کرتے رہے۔ شیطانی وسوسے ہی انہیں

مرتد بنانے کا سبب ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے اعمال کو بے اثر اور باطل قرار دے دیا۔ ان کا کوئی بھی عمل ثواب اور اجر لینے کے قابل نہ رہا۔ یہ سخت ترین عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ بد بختی اور شقاوت ان کا مقدر ہے۔

پیغام: ہدایت پر آنے کے بعد ہدایت پر باقی رہنا اہم ہے۔ لہٰذا شیطان کی سازشوں کی طرف چوکنے رہیں کہ کہیں وہ انہیں گمراہ نہ کردے۔کافروں سے دوستیاں نہ بنائے کہ ایسی دوستیاں انہیں گمراہی کی طرف جانے کا سبب بن جاتی ہیں ۔جو ایمان کے بعد کفر اختیار کرتا ہے اس کے لیے سخت ترین سزاء ہے۔

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ اَنۡ لَّنۡ یُّخۡرِجَ اللّٰهُ اَضۡغَانَهُمۡ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ”کیا وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اللہ ان کی دبی دشمنی ظاہر نہ کرے گا۔“

ضعیف الایمان اور کمزور دلوں کا انجام

جو لوگ ضعیف الایمان تھے جن کے دل مریض تھے، نفاق اور ارتداد میں جا پڑے اُنہوں نے یہ خیال کر لیا کہ اللہ ان کے اندرونی کیفیات سے آگاہ نہیں اور اللہ ان کے پوشیدہ رازوں کو نہیں کھولے گا۔ وہ یہ سمجھتے رہے کہ ان کے دلوں میں جو پوشیدہ بغض اور سازشیں ہیں اللہ تعالیٰ اہل دین اور صاحبان ایمان کو اس سے آگاہ نہ کرے گا۔ ان کا یہ خیال غلط تھا۔ صدر اسلام کی تاریخ واضح بتا رہی ہے چند ایسے مسلمان تھے جو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں آئے اور کچھ عرصہ بعد منافقانہ انداز اپنا لیا، مرتد ہو گئے، اپنے پچھلے دور میں چلے گئے جبکہ کچھ ایسے تھے جو پہلے دن سے ہی سچے مسلمان نہ ہوئے۔انکا منافقانہ رویہ شروع سے تھا، ظاہر میں اسلام

تھا باطن میں کافر تھے لیکن کچھ وہ تھے جو بعد میں منافقوں سے جا ملے اور کفر کی طرف چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے ارادوں سے، مومنوں کو آگاہ کیا اور ان کی سازشوں کو برملا کیا۔

وَ لَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''اور اگر ہم چاہتے تو آپ کو وہ لوگ دکھا دیتے پس آپ اچھی طرح سے انہیں ان کے نشان سے پہچان لیتے، اور آپ انہیں طرز کلام سے پہچان لیں گے، اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔''

منافقین کی شناخت

اللہ تعالیٰ اس جگہ اپنے پیغمبر اکرم ﷺ کو بتا رہا ہے کہ اے ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ہم چاہیں تو ان منافقین سے ایک ایک کی آپ کو شناخت کروا سکتے ہیں لیکن اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ خود ان کی حرکات سے ان کے چہروں کے اُتار چڑھاؤ سے ان کی گفتگو کے انداز سے پہچانتے ہیں۔[1] بہر حال اللہ تعالیٰ تمہارے ارادوں، نیتوں اور اعمال سے آگاہ ہے۔ تمہیں ان کا بدلہ دے گا۔ یہ کلام مومنین کے لیے ان کے اعمال پر ثواب کا وعدہ ہے اور کافروں و منافقوں کو عذاب کی دھمکی بھی دی جا رہی ہے۔

---

[1]۔ تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کے ذیل میں ابو سعید خدری اور جابر بن عبد اللہ الانصاری سے روایت نقل کی ہے کہ ''لحن القول'' سے مراد وہ عداوت دشمنی مراد ہے جو وہ علی بن ابی طالب علیہما السلام سے رکھتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مومنین اور منافقین کو پہچان کے لیے ایک معیار قرار دے رکھا تھا جو علیؑ کو دوست رکھتا تھا وہ مومن تھا اور جو علیؑ سے دشمنی و بغض رکھتا تھا وہ منافق تھا۔ اسی طرح کی روایت الدر المنثور میں عبد اللہ بن مسعود سے نقل ہوئی ہے۔

پیغام: منافقین کو اپنی صفوں میں ان کی حرکات وسکنات سے پہچان لو اور پھر ان کی سازشوں میں نہ آؤ۔ ان سے دوری اختیار کرو۔

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ ۙ وَ نَبْلُوَاْ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ''اور ہم تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنے والوں کو اور صبر کرنے والوں کو معلوم کرلیں اور تمہارے حالات کو جانچ لیں۔''

جہاد کے فریضہ کی حکمت

اس آیت میں جہاد کے وجوب کی حکمت کو بیان کیا جارہا ہے۔ اللہ فرمارہا ہے: ''اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں سے آگاہ ہے لیکن اللہ تمہیں آزمانا چاہتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تم میں سے مجاہدین کون ہیں، جہاد میں صبر کرنے والے کون ہیں، اللہ کے راستہ میں مشقتوں کو برداشت کرنے والوں کے بارے معلوم ہو جائے، تمہارے اعمال کو بھی دیکھتے ہیں ان میں جو اعمال صالح اور ٹھیک ہیں ان کو باطل اور نادرست اعمال سے جدا کردیں اور تمہارے تمام حالات آشکار ہو جائیں۔ اختیار سے مراد بھی اعمال ہیں کیونکہ ان کا ظاہری عمل اس کے باطن کے بارے خبر دے رہا ہوتا ہے۔ عمل کو آزمانے کا مطلب صحیح عمل کو غلط عمل سے جدا کرنا ہے۔ عمل صالح کو عمل باطل سے علیحدہ کرنا ہے اور ممتاز کرنا ہے۔

ہم نے متعدد بار اس بات کو بیان کیا ہے کہ اس جگہ علم کی نسبت جو اللہ کی طرف دی گئی ہے تو اس سے مراد علم فعلی خدا ہے۔ اس کا تعلق ذات سے نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ دانا و عالم مطلق ہے اللہ کے علم حاصل کرنے اور جاننے کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کو پہلے علم نہ

تھا اور اب علم ہو گا بلکہ اس سے مراد بندوں کے باطن کا ظاہر ہو جانا ہے کہ وہ باطن عمل کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ یہ علم فعلی ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ شَآقُّوا الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡہُدٰی ۙ لَنۡ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیۡئًا ؕ وَ سَیُحۡبِطُ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''بے شک جنہوں نے انکار کر دیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ان پر سیدھا راستہ واضح ہو چکا وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے، اور (اللہ) ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا۔''

کفار مکہ کے بڑوں کا تذکرہ

مکہ میں کافروں کے جو سربراہ اور بڑے تھے ان کو اس جگہ مراد لیا گیا ہے۔ اگرچہ باقی کافروں کے بڑوں کو بھی یہ بیان شامل ہے۔ ان کافروں پر جب ہدایت روشن ہو گئی، حق آشکار ہو گیا اس کو جان لینے کے باوجود انہوں نے راہ حق کے سامنے رکاوٹ کھڑی کر دی۔ رسول اللہ ﷺ سے دشمنی کی، ان کی مخالفت کی، ان کی یہ حالت اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں دے سکتی بلکہ ان کی سازشوں کا نقصان خود ان کو ہو گا بہت جلد ان کی یہ مخالفت ان کے سارے اعمال کو ضائع کر دے گی اور ان کی سب کوششیں بے ثمر ہوں گی۔ ان کی تمام سازشیں ناکام ہو جائیں گی سرانجام فتح و کامرانی حق کے لیے ہے۔ اس کلام میں مومنین کی تشویق اور حوصلہ افزائی ہے اور کافروں کو ان کے برے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔

پیغام: کافروں کے لیے سخت عذاب ہے۔ مؤمنین کا انجام اچھا اور جنت الفردوس۔ لہٰذا ایمان کی حالت پر قائم رہنا چاہیے اور ایمان کے مطابق عمل صالح بجا لائیں تا کہ انجام اچھا ہو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔“

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ”بے شک جنہوں نے انکار کیا اور اللہ کی راہ سے روکا پھر مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے سو اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔“

مومنین کے لیے خصوصی فرمان

اللہ تعالیٰ نے جو احکام جہاد کے بارے نازل فرمائے ہیں اور جو شرائط بیان کی گئی ہیں ان کی پیروی کریں، اللہ اور رسول کی مخالفت نہ کریں۔ جہاد کے احکام کے بعد یہ آیت آئی ہے تو جہاد کے احکام بارے یہ حکم ہے لیکن اس آیت میں اطاعت کا حکم فقط جہاد کے لیے نہیں بلکہ اس میں عمومیت و شمولیت ہے کہ اللہ کے جتنے احکام ہیں اور جو بھی قوانین بیان ہو چکے ہیں یا آئندہ ہوں گے مومنوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کے بیان کردہ قوانین پر عمل کریں، اللہ کے رسول ﷺ کے تمام احکام کو من و عن تسلیم کریں اور اس کے مطابق عمل کریں کیونکہ اللہ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کو بندوں پر ولایت و حاکمیت دی ہے۔ جہاد کے حکم سے انحراف کرکے مرتد نہ ہوں اور اس طرح اپنے سارے اعمال کو ضائع نہ کریں کیونکہ اللہ کے دستورات کی خلاف ورزی کا انجام سوائے خسارہ کے کچھ نہیں ہے۔ اس جگہ جہاد کے احکام کی

مخالفت انکار کے معنی میں ہے۔ الٰہی احکام کے مطابق عمل نہ کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ انسان غفلت، سستی کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس حکم کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔ اس قانون کا نظریاتی طور پر مخالف ہے تو اس صورت میں وہ مرتد ہو جائے گا اس کے سارے اعمال حبط و ضبط ہو جائیں گے، کچھ اجر و ثواب نہ ملے گا۔ ارتداد کی سزا بھی اسے ملے گی۔ فقہ کی کتابوں میں اس کے احکام موجود ہیں۔

کافروں سے ملحق ہو جانا

اس آیت میں مومنوں کو اعمال کے ضائع ہونے کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ اگر تم ایمان لانے کے بعد اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت نہیں کروگے تو اپنے اعمال کو ضائع کر بیٹھوگے اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کافروں سے ملحق ہو گئے ہو۔ وہ کافر جنہوں نے اللہ کے رستہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں، کافر خود بھی دین کو قبول نہیں کرتے اور دوسرے کے ایمان لانے میں بھی رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں۔ اگر وہ اسی حالت میں دنیا سے چلے جائیں تو کبھی بھی انہیں اللہ کی مغفرت و رحمت نہ ملے گی۔

بعض اصحاب کی غلط سوچ

ابو العالیہ سے یہ بات نقل ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب خیال کرتے تھے کہ اگر وہ توحید الٰہی کے قائل ہوں تو پھر گناہ انہیں کوئی نقصان نہیں دیتے اور شرک ہو تو پھر کوئی عمل ان کو فائدہ نہیں دے سکتا۔ وہ اسی عقیدہ پر باقی تھی یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی وہ اس وقت متوجہ ہوئے کہ گناہ اور اللہ اور اللہ کے رسول کی مخالفت، ان کے اعمال صالح کو باطل کر دیتی ہے۔ فقط عقیدہ صحیح ہو اور عقیدہ کے مطابق عمل نہ کیا جائے اور الٰہی دستورات کی مخالفت کی جائے تو ایسے افراد کے سارے اعمال ضائع اور حبط ہو جاتے ہیں۔

پیغام: عقیدہ صحیح ہونے کے ساتھ اس عقیدہ کے مطابق عمل کرنا قرار دیا ہے۔ اگر انسان عمل میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی مخالفت کرے گا تو پھر اس کے سب اعمال بیکار جائیں گے اور اسے اس کا صحیح عقیدہ بھی کوئی فائدہ نہ دے گا۔

فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ''پس تم سست نہ ہو اور نہ صلح کی طرف بلاؤ، اور تم ہی غالب رہو گے، اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے اعمال میں نقصان نہیں دے گا۔''

جہاد میں سستی نہ کرنے کا حکم

سابقہ آیات کی روشنی میں جب جہاد کے امر کی مخالفت کا نتیجہ سارے اعمال کا ضائع ہو جانا ہے تو اے مومنو! تم جہاد کے امر میں کمزوری مت دکھانا اور مشرکین سے صلح کی بات بھی مت کرو۔ جہاد جاری رکھو تم ہی کامیاب ہو اور برتری تمہارے لیے ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارا مددگار ہے۔ اللہ تمہارے اعمال کا تمہیں پورا پورا اجر دے گا، تمہیں چاہیے کہ جہاد کے وجوب کا جو حکم ہے اس پر عمل کرو۔

صلح کا مطلب

صلح اور سلامتی، امن خواہی کا مطلب یہ ہے کہ عوام خوشحال زندگی گزاریں اور اسلامی معاشرہ کی رحمت سے بہرہ ور ہوں۔ یہ آیت سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۹ کی مانند ہے کہ فرمایا گیا ''تم کمزور نہ پڑو اور غم بھی مت کھاؤ، یقینی امر ہے کہ برتر تم ہی ہو اور اگر تم مومن ہو، غلبہ مومنین کے لیے ہے، پریشان نہ ہو'' اس کی وجہ واضح ہے جیسا کہ اس آیت میں بیان ہوا ہے کہ اللہ تمہارا ناصر و مددگار ہے۔

پیغام: مؤمنین عمل کرنے میں سستی نہیں دیکھاتے اور دشمنوں سے لڑنے میں نہیں گھبراتے ہیں جہاد کی حالت میں توفتح و کامرانی کے حصول پر ان کی نظر ہوتی ہے اور وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے جس سے ان کی کمزوری ظاہر ہو اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کے لیے برتری قرار دیا ہے لہٰذا مؤمنین ہوشیار رہیں اور گھبرائیں نہیں۔

اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا یُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ لَا یَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ”بلاشبہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشا ہے، اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری اختیار کرو تو اللہ تمہیں تمہارے اجر دے گا اور تم سے تمہارے مال نہیں مانگے گا۔“

دنیا و آخرت کی حقیقت

اس آیت میں دنیا اور آخرت کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ دنیا بازیچہ ہے، کھیل کود کا میدان ہے، کھیل تماشا ہے، مومنوں کو دنیا سے بے رغبتی اور آخرت میں رغبت اور دلچسپی لینے کی تشویق کی جارہی ہے۔ دنیا مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ آخرت کے لیے سامان مہیا کرنے کی جگہ ہے۔ اسی وجہ سے اگر تم ایمان لے آؤ، اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو، تقویٰ اپناؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس سب کا بدلہ عطاء کرے گا۔ اس اجر دینے کے بدلے میں تم سے تمہارا مال طلب نہیں کرے گا یعنی تم سے اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم اپنے سارے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو تمہارے اعمال کا تمہیں اجر دیا جائے گا لیکن ایسا نہیں ہے۔

اِنْ یَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ یُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ”اور اگر تم سے وہ (مال) مانگے پھر تمہیں تنگ کرے تو تم بخل کرنے لگو اور تمہارے دلی کینے ظاہر کر دے۔“

پورے اموال نہ لینے کی وجہ

اللہ تعالیٰ تم سے سارے اموال نہیں مانگتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ تم سے سارے اموال لینے کا حکم دے دے اور کہے کہ تم اپنے سارے اموال خرچ کردو تو اس طرح تمہارے اوپر بہت بڑا بوجھ آجائے گا تو اس صورت میں تم بخل کروگے اور تم یہ اموال دینے سے انکاری ہو جاؤ گے۔ یہ امر سبب بنے گا کہ تمہارے اندرونی کیفیت آشکار ہو جائے اور اس طرح تم گمراہ ہو جاؤ۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم اس وجہ سے گمراہ ہو جاؤ۔

هَاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ۳۸

ترجمہ: ''خبردار تم وہ لوگ ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو بلائے جاتے ہو، تو کوئی تم میں سے وہ ہے جو بخل کرتا ہے، اور جو بخل کرتا ہے سو وہ اپنی ہی ذات سے بخل کرتا ہے، اور اللہ بے پرواہے اور تم ہی محتاج ہو، اور اگر تم نہ مانوگے تو وہ اور قوم سوائے تمہارے بدل دے گا، پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔''

انسان کی طبیعت و مزاج

سابقہ آیت میں بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ نہیں کہتا کہ تم اپنے سارے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کردو کیونکہ اگر اللہ اس قسم کا حکم دیتا تو پھر تم بخل کرتے اور تمہارے دلوں کے راز بھی آشکار ہوتے۔ اس بات کی دلیل کے طور پر اس آیت میں بیان کیا ہے کہ اس کا نمونہ یہ ہے کہ جب تمہیں دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو جبکہ یہ حکم سارے

اموال خرچ کرنے کا نہیں ہوتا۔ اموال سے کچھ خرچ کرنے کی بات ہے تو تمہارے بعض لوگ گھٹیا پن دکھاتے ہیں اور تھوڑا مال بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ جب اللہ کی راہ میں کچھ مال خرچ کرنے میں بخل کیا جاتا ہے تو اگر سارے اموال خرچ کرنے کی بات ہوتی تو اس صورت میں کیا ہوتا یقینی امر ہے کہ بخل ہی کیا جاتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ کے حکم سے مال خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے تو اس سے وہ اپنا نقصان کرتا ہے۔ گویا اس نے اپنی منفعت لینے سے بخل کیا ہے اور اپنے سے خیر کو دُور کیا ہے کیونکہ اللہ کو تمہارے اموال کی ضرورت نہیں ہے وہ تو غنی بالذات ہے۔ اللہ کی طرف سے تمہارے اموال سے خرچ کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ صاحب مال دُنیا اور آخرت میں منفعت حاصل کرے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اللہ تو غنی بالذات ہے۔ غنی مطلق ہے، یہ تم ہو کہ سراپا احتیاج ہو، اگر ایک لحظہ بھی اللہ کی عنایت اور فیض تم سے کٹ جائے تو تم سب نابود ہو جاؤ۔

اللہ کے فرمان سے سرپیچی کا نتیجہ

اگر تم لوگ ایمان لے آؤ، تقویٰ اپناؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں پورا پورا اجر دے گا لیکن اگر تم اس سے منہ پھیر لو تو اللہ تعالیٰ تمہارا محتاج نہیں ہے، تمہاری جگہ ایک اور قوم کو جاگزیں کر دے گا جو تمہاری مانند نہ ہوں گے اور انہیں ایمان کی توفیق دے گا۔ الدر المنثور میں روایت بیان ہوئی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے اصحاب نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ اس سے مراد کون سی قوم ہے جسے اللہ تعالیٰ ہماری جگہ لے آئے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلیمانؓ کے شانہ پر ہاتھ مار کر کہا اس سے مراد یہ شخص اور اس کی قوم ہے اس اللہ کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر اللہ پر ایمان اوج ثریا (آسمان کی بلندی پر) لٹکا دیا گیا ہو تو اس ایمان کو فارس کے لوگ اتار کر نیچے لے آئیں گے۔ یہ عرب مسلمانوں کو ایک طرح کی تنبیہ کی گئی کہ تم فکر نہ کرو اللہ کی اطاعت نہ چھوڑو، اللہ کی راہ میں

مال سے خرچ کرنے میں بخل نہ کرو، یہ سب تمہارے فائدہ میں ہے، اللہ پر ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو اور یہ نہ سمجھو کہ تم نہیں تو اسلام نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں تم بے عمل ہو گئے اور ایمان کے تقاضے پورے نہ کئے تو پھر غیر عرب تمہاری جگہ لے لیں گے اور وہ تم سے زیادہ مضبوط اور قوی مومن ہوں گے۔

پیغام: اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل نہ کیا جائے اور خود کو یہ خیال نہ کریں کہ اگر ہم نہ ہوئے تو اسلام بھی نہ ہوگا۔ ایسا ہرگز نہیں اگر ہم نے اسلام کو چھوڑ دیا تو اللہ ہمارے بغیر ایک اور قوم کو لے آئے گا جو ہم سے بہتر ہوگی اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔

سورۃ الفتح

(مدنی۔ کل آیات: ۲۹)

سورہ کے مطالب

مدینہ سے مکہ بغرض عمرہ تشریف لے جانا، صلح حدیبیہ کا طے پانا، فتح کی نوید، مومنین کے لیے تعریفی کلمات اور اللہ کے انعامات کا تذکرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: "بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی۔"

لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَ یَہۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: "تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے اور اپنی نعمت آپ پر تمام کر دے اور تاکہ آپ کو سیدھے راستہ پر چلائے۔"

وَّ یَنۡصُرَکَ اللّٰہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا ﴿۳﴾

ترجمہ: "اور یہ اللہ آپ کی زبردست مدد کرے۔"

رسول خدا پر اللہ کے احسانات

صلح حدیبیہ میں جو کامیابی رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمائی اس کا ذکر کیا جارہا ہے۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ

رسول اللہ ﷺ چھٹی ہجری قمری میں مدینہ سے اللہ کے گھر کا حج کرنے کی نیت سے مکہ تشریف لے آئے، ایک چار سو افراد کا قافلہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ اتنی مختصر تعداد کے ہمراہ ان قریشیوں کی طرف جارہے تھے جنہوں نے مسلمانوں سے جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ احزاب (خندق) میں کافی نقصانات اٹھائے تھے، جن کے دل مسلمانوں کے خلاف بغض اور کینے سے بھرے تھے۔ یہ اقدام بہت ہی خطرناک تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو مسلمانوں کے حق میں قرار دے دیا۔ اس طرح کے مشرکین مکہ اس پر راضی ہو گئے کہ مسلمانوں کے ساتھ دس سال کے لیے صلح کریں اور مومنین کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ نہ کھڑی کریں اور رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے ہمراہ اس سال حج کئے بغیر واپس مدینہ لوٹ جائیں اور اگلے سال مکہ والے تین دن کے لیے مکہ شہر کو مدینہ سے آنے والے مسلمانوں کے لیے دے دیں گے کہ وہ مکہ میں رہ کر حج کے اعمال انجام دیں۔ یہی واقعہ ۸ ہجری میں فتح مکہ کے لیے موثر ترین ذریعہ بنا۔ اس صلح کو اللہ تعالیٰ نے فتح مبین کا عنوان قرار دیا۔

رسول اللہؐ کی طرف گناہ کی نسبت

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف گناہ کی نسبت دی گئی ہے جبکہ اسلام کے مسلمہ عقائد سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ معصوم عن الخطاء ہیں، ہر قسم کے گناہ صغیرہ و کبیرہ، ہر قسم کی بھول چوک، ہر قسم کی خطاء اور غلطی، عمدی اور سہوی سے آپؐ محفوظ ہیں، اللہ کی نمائندگی کا تقاضا ہے کہ آپ سے ترک اولی [بہتر کے مقابلے میں کمتر کا انتخاب] بھی نہیں ہوتا جیسا کہ دوسرے انبیاء سے سرزد ہوتا رہا اور یہ سب کچھ آپ اختیار نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے آپ کو اپنے علم کا ظرف قرار دیا ہے اور ہر شئی اور ہر عمل کی حقیقت اور اصلیت آپ پر عیاں ہے، آپ کا علم ہی آپ کو ہر گناہ اور خطاء سے محفوظ رکھتا ہے اور یہ اللہ کا خاص انتظام ہے۔آپ کے لیے موجود ہے اب سوال یہ ہے کہ آپ کی طرف گناہ کی نسبت کا کیا معنی ہے؟ کہ اللہ فرما رہا ہے اللہ نے آپ کے پچھلے اور اگلے گناہ بخش دیئے ہیں۔ اس جگہ گناہ سے مراد اللہ کے امر وجوبی (جس کو علم اصول کی زبان میں امر مولوی کہا جاتا ہے) کی مخالفت نہیں ہے اور مغفرت الٰہی سے مراد عذاب الٰہی سے بچانا نہیں بلکہ اس جگہ ''ذنب'' سے مراد وہ پیغامات اور اثرات ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ کے نتیجہ میں کفار و قریش مکہ کو پیش آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی، کفر و بت پرستی کے خلاف آپؐ نے مکہ میں تحریک چلائی۔ ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد، کفار اور مشرکین کے نزدیک یہ آپ کا عمل بہت بڑا گناہ اور غلطی تھی کہ جس کی وجہ سے ان کی شوکت ان کے وقار اور بالادستی کو نقصان پہنچا اور وہ یہ نظریہ رکھتے تھے کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) ایسا گناہ گار ہے جسے وہ کبھی معاف نہ کریں گے اور آپ سے اس کا انتقام لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ اپنے حبیب کو یہ نوید سنائی ہے کہ مشرکین مکہ کے نزدیک جو بڑا گناہ ہے ہم نے اس کے خاتمہ کا انتظام کر دیا ہے، سابقہ تیرے اقدامات اور آئندہ بھی جو تیرے اقدامات ہوں گے اور یہ سب اقدامات مشرکین کے نزدیک جو تیرے بڑے گناہ ہیں اور وہ تجھ سے انتقام لینا چاہتے ہیں ہم نے اس کا انتظام کر دیا ہے وہ تیرا کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے ہم نے اس سب پر پردہ ڈال دیا ہے۔ مشرکین کی نظر میں رسول اللہ ﷺ کے جو گناہ تھے ان پر پردہ ڈال دیا اور رسول اللہ ﷺ کو کفار مکہ (قریش مکہ) کے شر سے محفوظ کر لیا اور آپ کی تحریک کو چار چاند لگا دیئے اور اس کا آغاز صلح حدیبیہ سے فرما دیا۔ اس لیے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا گیا کیونکہ یہی صلح فتح مکہ کا مقدمہ قرار پائی۔

اللہ کے گناہوں کی مغفرت کا معنی

اس جگہ مغفرت سے مراد کافروں کی طرف سے آپ پر جو سختیاں آنے والی تھیں یا وہ جو کچھ ہجرت سے قبل آپ کے خلاف کرنا چاہتے تھے اور جو ان کے مستقبل کے منصوبہ جات تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب پر پردہ ڈال دیا اور انہیں ناکام بنا دیا ہے۔ مغفرت کا معنی اس جگہ پردہ پوشی ہے، ایک طرف کر دینا ہے اور اس حالت کو ختم کرنا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا میں رسول اللہؐ کو ان کے دشمنوں پر برتری دی اور ان کے اخروی درجات کو بلند سے بلند تر کیا اور آنحضرت کو تمام درجات میں کمال تک پہنچا دیا۔

صراط مستقیم کی ہدایت

رسول اللہ ﷺ کو صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب حالات بن گئے دشمن کی سازشیں ناکام ہوئیں تو جس دین کی طرف رسول اللہؐ دعوت دے رہے تھے اس میں آپ آگے بڑھے اور صراط مستقیم پر دین کی ترقی کو پا لیا اور اس صراط مستقیم پر چلنے والوں کے لیے سعادت ابدی اور بہشت حتمی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو واضح نصرت دی، بے نظیر کامرانی سے نواز دیا کیونکہ مکہ اور طائف میں جو آپ کے مخالفین کے مضبوط گڑھ تھے وہ آپ نے فتح کر لیے۔ ستمگروں، ظالموں اور سازشیوں کے طاقتور ہاتھ کمزور پڑ گئے آپ نے ان کی طاقت کو توڑ دیا اور دین کے مرکز کو مضبوط کر دیا۔ اس طرح پورے جزیرۃ العرب سے شرک کی برائی کو اکھیڑ کے رکھ دیا اور پورے عالم میں دین کو وسعت دینے کے حالات پیدا ہو گئے۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِہِمۡ ؕ وَ لِلّٰہِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''وہی تو ہے جس نے ایمانداروں کے دلوں میں اطمینان اتارا تاکہ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے، اور آسمانوں اور زمین کے لشکر سب اللہ ہی کے ہیں، اور اللہ خبر دار (علم رکھنے والا) حکمت والا ہے۔''

مومنین کے ایمان میں اضافہ

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دلوں میں سکون اور اطمینان کو اُتارا۔ یہ وہ کیفیت ہے جو پہلے ان کے دلوں میں موجود نہ تھی۔ سکون واطمینان اتارنا اس لیے ہے کہ ان کے ایمان میں اضافہ ہو جائے۔ ہر چیز پر ایمان لانا، یقین اللہ پر، اللہ کی وحدانیت پر، اللہ کے نمائندگان پر، ایمان کا مطلب ہی قلبی حالت میں یقین اور اس ایمان کے مطابق عمل، اعضاء و جوارح پر اس کے اثرات ظاہر ہوں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے ثبات و اطمینان جو رُوح کے مراتب سے ہے اسے مومنوں کے دل میں جگہ دی ہے تاکہ جو سکون مومنوں کے دلوں پر ایمان لانے سے حاصل ہو چکا ہے۔ اسے بہتر اور کامل تر کر دے۔

اللہ کی افواج

اس جگہ بتایا گیا ہے کہ تمام آسمانوں اور زمین میں اللہ کے کارندے موجود ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پوری کائنات میں جتنے اسباب ہیں وہ سب اللہ کی اطاعت میں پس وہ سارے اللہ کے کارندے ہیں، یہی اللہ کے لشکری ہیں۔ یہ اسباب اللہ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں اور اللہ جو ارادہ کرے یہ اللہ کے فرمان کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ کے ارادہ کو عملی جامہ پہناتے ہیں، ذرا برابر خلاف نہیں کرتے۔ ہر چیز کا علم اللہ کے پاس ہے وہ جو بھی کرتا ہے حکمت اور مضبوطی سے کرتا ہے، اس میں کوئی رخنہ یا کمزوری نہیں ہوتی اس کا ہر عمل مضبوط،

مستحکم ہوتا ہے، اس میں کوئی کمزوری نہیں ہوتی لہٰذا وہ اس پر قادر ہے کہ مومنوں کے دلوں میں آرام، سکون اور اطمینان کو اتار دے اور ان کے ایمان کو بڑھا دے۔

پیغام: اللہ ہی ہے جو مؤمنوں کے دلوں پر اطمینان و سکون کو اُتارتا ہے۔ ایمان پر قائم رکھتا ہے اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنا ہر مؤمن کی ذمہ داری ہے۔

لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَ يُكَفِّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ ‌ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ۙ‏ ﴿۵﴾

ترجمہ: ''تاکہ اللہ ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بہشتی باغات میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ان پر سے ان کے گناہ دور کر دے گا، اور اللہ کے ہاں یہ بڑی کامیابی ہے۔''

مومنوں کے دلوں پر اطمینان وسکون اُتارنے کی وجہ

مومنوں کے دلوں پر اطمینان و سکون اللہ کی طرف سے اُتارنا کہ ان کے ایمان میں اضافہ ہو جائے یہ سب اس لیے ہے کہ مومنین جاودانی جنتوں میں وارد ہوں جہاں پر شفاف نہریں رواں دواں ہیں ان کے ایمان کی وجہ سے تمام قسم کی برائیاں اور خرابیاں ان سے دور ہو چکی ہیں۔ ایسی جنات میں داخل ہو جانا مومنوں کی انتہائی سعادت ہے اور یہ بڑا کمال ہے۔ یہی امر اللہ کے ہاں کسی کے لیے بڑی کامیابی ہے۔

وَّ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۶﴾

ترجمہ: ”اور تاکہ منافق مردوں اور عورتوں کو اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب دے جو اللہ کے بارے میں برا گمان رکھتے ہیں، انہیں پر بری گردش ہے، اور اللہ نے ان پر غضب نازل کیا اور ان پر لعنت کی اور ان کے لیے دوزخ کو تیار کر رکھا ہے، اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔“

منافقوں اور مشرکوں کا انجام

مومنوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے سکون اور اطمینان اتار کر ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیا جس کے نتیجہ میں وہ ابدی جنت میں پہنچ گئے اور جو لوگ منافق ہیں مشرکین ہیں منافقوں کو مشرکین سے پہلے بیان کیا ہے کہ مشرکین سے منافقین زیادہ خطرناک ہیں، مسلمان کے لیے منافقوں کا عذاب اسی وجہ سے زیادہ ہے۔ سورہ منافقون میں ہے ”منافقین آگ کے نچلے ترین طبقہ میں بلاشک وشبہ موجود ہوں گے“

منافقوں اور مشرکوں کی اللہ کے بارے بدگمانی اور غلط سوچ یہ تھی کہ وہ خیال کرتے تھے اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی مدد نہیں کر سکتا اور رسول اللہ ﷺ اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوں گے۔ ان منافقوں اور مشرکوں پر نفرین ہے۔ ان پر اللہ کا فیصلہ حتمی ہے کہ ان کے لیے جہنم ہے یہ راندہ درگاہ الٰہی ہیں بہت جلد ان پر مصیبت اور عذاب آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے دُور کر دیا ہے ان پر لعنت ہے، پھٹکار ہے، ان کے لیے ٹھکانہ ہمیشہ کی

جہنم ہے، یہ ان کا بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ اس جگہ انہوں نے ہمیشہ جلنا مرنا ہے، تکلیف میں رہنا ہے۔

وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ۝

ترجمہ: ”اور اللہ ہی کے سب لشکر آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور اللہ بڑا غالب حکمت والا ہے۔“

تمام اسباب کا مالک

آسمانوں اور زمین کے جتنے اسباب ہیں ان سب کا مالک اللہ ہے۔ اللہ جس کا ارادہ کرے جو ارادہ کرے وہی ہوتا ہے اللہ ہی غالب ہے اسی کی حکومت ہے وہ حکمت والا ہے، دانائی اسی کے لیے ہے کوئی بھی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی نہ اس پر غالب آسکتی ہے۔ سب اس کے سامنے ذلیل و بیچارے ہیں، سب اسی کے آگے تسلیم ہیں۔ اللہ حکیم ہے اس کے تمام افعال و اعمال و اقدامات نپے تلے، حساب شدہ، مضبوط اور مستحکم ہیں، کسی میں رخنہ نہیں ڈالا جا سکتا اور کسی میں کوئی کمزوری موجود نہیں ہے۔ اللہ جو ارادہ کرے وہ حکمت کے تحت اور اپنی غالب قدرت کے تحت اسے انجام دیتا ہے۔ یہ آیت سابقہ فیصلہ جات کی علت و وجہ کو بتا رہی ہے کہ جب سب کچھ اللہ کا ہے تو اس کا فیصلہ مومنوں کے بارے میں جو ہے وہ اسی طرح ہوتا ہے جیسا اعلان ہوا ہے اور منافقوں اور مشرکوں کے لیے بھی وہی ہوتا ہے جو بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝

ترجمہ: ”بے شک ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔“

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۟

ترجمہ: ”تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی عزت کرو اور صبح اور شام اس کی پاکی بیان کرو۔“

رسول اللہؐ کی ذمہ داریاں

اس جگہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ سے مخاطب ہو کر بیان کر رہا ہے کہ ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں اس طرح اُمت کو بھی آگاہ کیا جا رہا ہے۔

ا۔ رسول اللہ ﷺ اُمت کے اعمال پر گواہ ہیں، دنیا میں ان کے اعمال کو دیکھیں اور ان کے بارے گواہ بن جائیں پھر اسے آخرت میں اپنی اُمت کے حق میں بیان کریں۔

۲۔ بشارت دینے والے ہیں۔ صاحبان ایمان اور متقین کے لیے آپ بشارت دینے والے ہیں کہ جو اللہ پر ایمان لائیں گے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کریں گے تو ان کے واسطے جنات فردوس ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان جنات میں ہمیشہ رہیں گے ہر قسم کی نعمت سے بہرہ ور ہوں گے۔

۳۔ ڈرانے والے ہیں، وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے یا ایمان لا کر اللہ کا تقویٰ اختیار نہیں کرتے، عملی طور پر اللہ کے قوانین کی مخالفت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور غضب سے انہیں ڈرائیں، منافقوں اور کافروں کے لیے آپ کی ذمہ داری انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے کی ہے۔

رسول اللہؐ کی بعثت کا مقصد

رسول اللہؐ کو بتایا جا رہا ہے اور اس طرح اُمت کو بھی آگہی دی جا رہی ہے کہ اے رسول آپ کو بھیجنے کا مقصد وہدف یہ ہے کہ

۱۔ ایسی اُمت لے آؤ جو اللہ پر اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لے آئے، ایک مومن اور با ایمان اُمت تیار کرنا رسول اللہ کی ذمہ داری ہے۔

۲۔ اللہ کے دین کو مستحکم کرو، عزت دو اسے باوقار بناؤ، اس کی ہر طرح سے مدد کرو، دین کو مضبوط کرو۔

۳۔ صبح و شام اللہ کی تسبیح کرو، اس سے مراد یہ ہے کہ صبح اور شام کی نماز میں تسبیح انجام دو، صبح کو تسبیح کرو، عصر کو تسبیح کرو۔

تسبیح کا ثواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل ہوئی ہے جو شخص سبحان اللہ کہے گا تو اللہ تعالیٰ بہشت میں اس کے لیے ایک درخت لگا دے گا اور جو الحمد للہ کہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک اور درخت لگا دیتا ہے اور جو لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں درخت لگا دیتا ہے اور جو شخص اللہ اکبر کہتا ہے اس کے لیے اللہ بہشت میں درخت لگا دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص ایک دفعہ ”سبحان اللہ والحمد للہ، ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر“ پڑھتا ہے تو اس کے لیے چار درخت بہشت میں لگا دیئے جاتے ہیں۔

ایک قریشی نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! اس طرح ہمارے لیے تو بہشت میں بہت زیادہ درخت ہوں گے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں ! ایسا ہی ہے لیکن گناہوں کی آگ سے ان سب کو جلا کر راکھ نہ کر دینا۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُبَايِعُوۡنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوۡنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ ۚ
فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنۡكُثُ عَلٰى نَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ اَوۡفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيۡهُ اللّٰهَ
فَسَيُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۝۱۰

ترجمہ: ''بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، پس جو اس عہد کو توڑ دے گا سو توڑنے کا وبال خود اسی پر ہوگا، اور جو وہ عہد پورا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے سو عنقریب وہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔''

رسول اللہؐ سے بیعت

بیعت ایک طرح کا عہد و پیمان ہے جس میں بیعت کرنے والا یہ عہد کرتا ہے کہ وہ جس کی بیعت کر رہا ہے اس کی اطاعت کرے گا جس قدر اس میں قدرت ہے وہ اسے پورا کرے گا۔

اس جگہ اس بات کو بیان کیا جا رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا اللہ سے بیعت ہے اور اس بیعت کی وفا کرنا درحقیقت اللہ سے وفا کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے بیعت اللہ سے بیعت ہے، رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے، رسول اللہ ﷺ سے بیعت کا طریقہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ اوپر ہوتا تھا بیعت کرنے والوں کا ہاتھ آپ کے ہاتھ کے نیچے ہوتا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ (ید اللہ) کہا ہے جو بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے خصائص اور مبارزات سے ہے کہ اللہ آپ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہہ رہا ہے جیسا کہ سورہ انفال کی آیت ۱۷ میں فرمایا:

"جو بھی بیعت کو توڑے گا تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کو نہیں توڑا بلکہ اللہ سے بیعت کو توڑا ہے اور اس وجہ سے اس نے اپنا نقصان کیا ہے اور اگر جو شخص اس عہد کی پابندی کرتا ہے بیعت کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس کا فائدہ جو بھی ہو گا خود اسے ہو گا تو ایسے افراد کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اللہ انہیں بڑا اجر دے گا۔ اس جگہ اشارتاً ایک بات بتا دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ آگاہ ہے کہ ان بیعت کرنے والوں سے کون کون بیعت پر قائم رہیں گے اور کون کون اس بیعت کو توڑ دیں گے۔"

پیغام: مسلمانوں کو چاہیے کہ انہوں نے جو اللہ کے رسولؐ سے عہد کیا ہے اس کے پابند رہیں عہد توڑنے کی اللہ انہیں سخت سزا دے گا کیونکہ رسول اللہؐ سے عہد درحقیقت اللہ سے عہد و پیمان ہے اور رسول اللہؐ سے عہد توڑنا، اللہ سے عہد توڑنا ہے۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَاۤ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝١١

ترجمہ: "عنقریب آپ سے وہ لوگ کہیں گے جو بدویوں میں سے پیچھے رہ گئے تھے کہ ہمیں ہمارے مال اور اہل و عیال نے مشغول رکھا آپ ہمارے لیے مغفرت مانگیے، وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، ان سے کہہ دو وہ کون ہے جو اللہ کے سامنے تمہارے لیے کسی چیز کا (کچھ بھی) اختیار رکھتا

ہوگا اگر اللہ تمہیں کوئی نقصان یا کوئی نفع پہنچانا چاہے، (تو کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا) بلکہ اللہ تمہارے سب اعمال پر خبردار و آگاہ ہے۔"

جہاد میں شرکت نہ کرنے والوں کی بات

اعراب سے مراد یا بادیہ نشین عرب ہیں جو شہروں سے دُور رہتے ہیں۔ دیہاتی لوگ شہری لوگوں کے مقابل میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو خبر دے رہا ہے کہ یہ بدو لوگ جو جہاد کے لیے تیرے ساتھ نہیں نکلے وہ آپ کے پاس بہت جلد آئیں گے اور جہاد سے پیچھے رہنے کے بارے اپنا عذر پیش کریں گے کیونکہ آپ جب مدینہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے تھے تو ان لوگوں نے آپ کے ساتھ اس سفر میں ہمراہی نہ کی۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب آپ واپس مدینہ آئے تو جیسا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بتا دیا تھا یہ لوگ آپ کے پاس آئیں گے اور اپنے پیچھے رہ جانے کا عذر پیش کریں گے۔ اللہ نے پہلے ہی بتا دیا تھا یہ لوگ آکر کہیں گے کہ ہمیں آپ کے ساتھ نہ چلنے کا بڑا افسوس ہے لیکن اس کی وجہ آپ کے فرمان کی مخالفت نہ تھا بلکہ ہمارے اموال اور گھر والوں کے کاموں نے ہمیں مصروف کر دیا اور اس مصروفیت کی وجہ سے ہم آپ کے ساتھ نہ چل سکے کیونکہ انہیں اس بات کا اعتراف تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی مخالفت کرکے بڑا گناہ کیا ہے۔ اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہیں کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ دیں۔ ہماری سفارش کریں کہ اللہ ہمارا یہ گناہ معاف کر دے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بتایا کہ وہ زبان سے تو معافی کا کہیں گے لیکن ان کے دلوں میں کچھ اور ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ ان کا گناہ سے توبہ کرنا حقیقی نہیں ہے، یہ ظاہری اور زبانی جمع خرچ ہے کیونکہ آپ کے ساتھ آنے میں نہ تو اموال رکاوٹ تھے اور نہ ہی ان کے گھریلو کام کاج ایسے تھے جو اس سفر میں شرکت سے مانع بنتے ہیں اور جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہیں انہیں استغفار کی کوئی پرواہ نہیں ہے بلکہ ان کا یہ انداز اس

لیے ہے تاکہ عوام کی طرف سے ڈانٹ ڈپٹ اور ان کی طرف سے ان کے خلاف جو جذبات ہیں وہ کم ہو جائیں اور وہ یہ کہیں گے یہ لوگ اپنے کئے پر شرمندہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے اللہ سے طلب مغفرت کرلی ہے۔

پورے عالم پر اللہ کی تدبیر

اللہ تعالیٰ نے ان کی عذر خواہی کے جواب میں اپنے رسولؐ کو فرمادیا کہ ان سے کہہ دو کہ پورے عالم کی تدبیر اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ سارے امور اور تمام فیصلہ جات کا مالک ہے کسی کو منفعت پہنچانا اور کسی کو نقصان دینا، کسی کو اجر دینا، کسی کو اجر دینا (کس کی توبہ کو قبول کرنا ہے اور کس کی قبول نہ کرنا) یہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تمہارے اموال اور تمہارے گھرانے اور خاندان کے معاملات کو سدھارنا بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے اس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر کوئی بھی امر واقع نہیں ہو سکتا۔ پیغمبر اکرم ﷺ کے لشکر میں آپ لوگوں کا شرکت نہ کرنا، مال اور اولاد کی دیکھ بھال میں مصروف رہنا کسی بھی لحاظ سے تمہیں اللہ کی مشیت و ارادہ سے بے نیاز نہیں کر سکتا۔ تمہاری معذرت قبول نہیں اور جو وجہ بیان کر رہے ہو یہ وجہ غیر معقول ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال اور ارادوں سے آگاہ ہے اور وہ جانتا ہے کہ تمہارا ہمارے ساتھ نہ آنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ تم لوگ اپنے اموال اور اپنے گھرانے کے معاملات میں مصروف تھے بلکہ عدم شرکت جہاد سے فرار تھا، اس لیے معذرت قبول نہیں۔

پیغام: اللہ ان گناہوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو دل سے کی جائے کیونکہ اللہ ہر شخص کی اندرونی کیفیات سے آگاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ واجبات سے قطعِ نظر کرنے والوں اور جہاد سے فرار کرنے والوں کی توبہ قبول نہیں کرتا۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَ كُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''بلکہ تم نے خیال کیا تھا کہ رسول اللہ اور مسلمان اپنے گھر والوں کی طرف کبھی بھی واپس نہ لوٹیں گے اور تمہارے دلوں میں یہ بات اچھی معلوم ہوئی اور تم نے بہت برا گمان کیا، اور تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔''

رسول اللہؐ کے ساتھ مکہ نہ آنے کی وجہ

اس آیت میں پیچھے رہنے والوں کے دل کا حال بتا دیا گیا ہے کہ تم جو اس وقت معذرت کرنے آئے ہو اور اپنے اموال اور گھریلو مسائل کو بہانہ بنا رہے ہو ایسا نہیں ہے تم غلط کہہ رہے ہو بلکہ اصل بات یہ تھی کہ تم یہ سوچتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ہمراہ جو مومنین مکہ جا رہے ہیں انہوں نے اپنے گھروں کو واپس نہیں آنا، تمہارے دلوں میں یہ بات تھی اور یہ غلط سوچ شیطان نے بہت ہی خوبصورت بنا کر تمہارے دلوں میں داخل کر دی تھی اور تم سوچ رہے تھے کہ جو مکہ جا رہے ہیں سب مارے جائیں گے تم نے غلط سوچا تھا اور اپنی جانوں کو بچانے کے لیے ساتھ نہیں گئے تم لوگ ہی ہلاک ہونے والوں سے ہو۔ لہٰذا یہ بہانہ صحیح نہیں ہے۔

پیغام: اللہ سب حقائق سے آگاہ ہے، اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے سو ہم نے ایسے کافروں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔''

اللہ اور رسول اللہؐ کے منکروں کی سزا

اس آیت میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو انکار کرنے والے ہیں وہ کافر ہوئے ہیں، ان کو دھمکی دی ہے کہ ان کے لیے آتش تیار ہے۔ اس جگہ ان مسلمانوں کو بھی بتا جا رہا

ہے تم لوگ ظاہری اسلام لانے کے بعد اگر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت نہ کروگے تو تمہارا بھی ٹھکانہ آتش جہنم ہے لیکن ایسے مسلمان عملی طور پر کافر ہیں۔ قولاً کافر نہیں گفتگو میں مسلمان لیکن عمل میں کافر ہیں یہ سب آتش جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

پیغام: جنت الفردوس کے لیے ظاہری اسلام کافی نہیں۔اسلام کے اعلان کے ساتھ عمل بھی درکار ہوتا ہے۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”اور آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے، اور اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔“

اللہ کی مالکیت

پورے عالَم ہستی میں تنہا رب، مدبر اور متصرفِ مطلَق اللہ ہے۔ وہ اپنی مشیت اور مصلحت کے تحت جسے چاہے معاف کرتا ہے اور جسے چاہے سزا دیتا ہے۔آخر میں اللہ کے دو نام ذکر کئے ہیں:۔

۱۔ غفور: بہت ہی بخشنے والا، گناہ مٹا دینے والا، بہت معافی دینے والا،

۲۔ رحیم: رحمت والا، مہربان،

یہ دو نام اس لیے بیان ہوئے تاکہ تمام انسان کو یہ بتا دیا جائے کہ اللہ کی رحمت و بخشش، رحمت و غفوریت کا پہلو اس کے عذاب اور انتقام پر غالب ہے اللہ نے اس طرح اپنے بندوں کو تشویق کی ہے کہ وہ اللہ سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگیں، اس کی رحمت کے حصول پر امیدوار رہیں اور اللہ کی رحمت حاصل کریں۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ”عنقریب کہیں گے وہ لوگ جو پیچھے رہ گئے تھے جب تم غنیمتوں کی طرف ان کے لینے کے لیے جانے لگو گے کہ ہمیں چھوڑو ہم تمہارے ساتھ چلیں، وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا حکم بدل دیں، کہہ دو کہ تم ہر گز ہمارے ساتھ نہ چلو گے اللہ نے اس سے پہلے ہی ایسا فرما دیا ہے، پس وہ کہیں گے کہ (نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو، بلکہ وہ لوگ بات ہی کم سمجھتے ہیں۔“

مسلمانوں کی کامیابی اور جنگِ خیبر کے غنائم

اس آیت میں جنگ کی بات ہو رہی ہے اور یہ کہ جنگ میں اللہ کی نصرت شامل ہو گی دشمن کو شکست ہو گی، مسلمان غالب ہونگے اور جنگی غنائم انہیں ملیں گے۔ اس آیت میں جنگ خیبر کے واقعہ کے بارے خبر دی جا رہی ہے۔ جنگ خیبر کے غنائم انہیں دیئے گئے جو حدیبیہ کے سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ موجود تھے۔ خیبر کے غنائم میں کسی اور کو حصہ نہ دیا گیا۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ سفر حدیبیہ میں نہ جانے والوں کے بارے میں بتا رہا ہے کہ یہ لوگ آپ کے پاس آئیں گے اور یہ درخواست کریں گے کہ انہیں اپنے ساتھ لے چلو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بتا دیا کہ وہ لوگ اپنے اس ارادہ سے یہ چاہ رہے ہیں کہ اللہ تعالی نے حدیبیہ والوں کے لیے جو خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں غنائم (مالی فوائد) سے نوازے گا، اسے

غلط ثابت کردیں کیونکہ جب یہ لوگ ساتھ جائیں گے تو جنگی غنائم میں وہ بھی حصہ لے لیں گے۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ ان کو اجازت نہ دیں کہ وہ تمہارے پیچھے چلے آئیں ان سے کہہ دو کہ تم ہمارے پیچھے مت آو جب وہ یہ سنیں گے تو انہیں بہت غصہ آئے گا اور غصہ کی حالت میں تہمت لگا دیں گے کہ تم ہمارے ساتھ حسد کر رہے ہو اور نہیں چاہتے کہ ہم تمہارے ساتھ ان غنائم میں حصہ دار بنیں، تم لوگ تنہا ان غنائم کے مالک بننا چاہتے ہو۔ یہ بات ان لوگوں کی ہے کہ ان میں ایمان ہے نہ عقل کیونکہ وہ نہیں سمجھتے کہ رسول اللہ ﷺ معصوم ہیں، وہ اللہ کے امر کے بغیر کوئی حکم نہیں دیتے۔ اس کلام کے آخر میں کہا گیا ہے بہت ہی کم اس بات کو سمجھتے ہیں کہ ان کا فہم کمزور ہے، سادہ لوح ہیں۔ ان کا ایمان کمزور ہے۔ انہیں صحیح ادراک ہی نہیں، اس لیے وہ ایسی بات کر رہے ہیں اور رسول خدا ﷺ پر الزام لگا دیا ہے کہ انہیں حسد کی وجہ سے منع کر رہے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم کے تحت انہیں یہ پیغام دیا کہ یہ لوگ کم فہم ہیں اور رسولول اللہ پر الزام لگا رہے ہیں۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''ان پیچھے رہ جانے والے بدووں سے کہہ دو کہ بہت جلد تمہیں ایک سخت جنگجو قوم سے لڑنے کے لیے بلایا جائے گا تم ان سے لڑو گے یا وہ اطاعت قبول کر لے گی، پھر اگر تم نے حکم مان لیا تو اللہ تمہیں بہت ہی اچھا انعام دے گا، اور اگر تم پھر گئے جیسا کہ پہلے پھر گئے تھے تو تمہیں سخت عذاب دے گا۔''

نئی جنگ کے لیے دعوت

اس آیت میں ایک اور جنگ کی بات کی جا رہی ہے۔ اس جنگ سے مراد یا قبیلہ ہوازن سے جنگ ہے یا قبیلہ ثقیف سے جنگ مراد ہے کہ ان دونوں قبائل کے لوگ بہت بہادر جنگجو تھے یا پھر اہل روم کے خلاف جنگ مراد ہے۔ اس جگہ ان سے یہ کہا جا رہا ہے کہ تم لوگ سفر حدیبیہ میں ہمارے ساتھ نہیں تھے، اللہ نے جنگ خیبر میں تمہیں شرکت سے روک دیا ہے لیکن ایک اور جنگ بہادر اور دلاور قوم سے آنے والی ہے اس میں تمہیں شرکت کی دعوت دی جائے گی۔ اس میں جنگ کرنا تمہاری ذمہ داری ہو گی۔ اگر تو مدمقابل مسلمان ہو گئے تو ٹھیک اور اگر وہ مسلمان نہ ہوئے تو ان سے جنگ کرنا ہو گی۔ اگر تم نے اس جنگ میں شرکت کی اور راہ فرار اختیار نہ کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اچھا بدلہ دے گا اور اگر جنگ میں شرکت نہ کی اور پہلے کی طرح بہانے بنائے اور جنگ سے پیچھے رہ گئے تو پھر اللہ کا عذاب بڑا سخت تمہارے لیے ہو گا۔ یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں سے جنگ ہوتی ہے ان کے لیے دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو وہ مسلمان ہو جائیں یا پھر جنگ کریں۔ تیسری صورت جزیہ والی نہیں ہے کہ جن سے جنگ ہونی ہے وہ اہل کتاب سے نہیں ہونگے۔ اس طرح انہیں پہلے سے ایک نئی جنگ کی تیاری کرنے کا کہا جا رہا ہے اور اس سے ان کا امتحان بھی مراد ہے کہ وہ اپنی بات پر سچے ہیں یا جھوٹے۔[1]

---

[1]۔ جنگجو قوموں سے بنو حنیفہ کی قوم ہے جو مسیلمہ کذّاب کی قوم تھی۔ قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف ان سے میں تھے ان ہی سے رسول اللہ کے زمانے میں مقابلہ ہوا۔ فارس، روم اور کرد وغیرہ سے مسلمانوں کا رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مقابلہ ہوا وہ بھی مراد ہو سکتے ہیں لیکن زیادہ احتمال پہلی صورت بارے ہے، مسلمان کی ذمہ داری اس آیت میں بتا دی ہے اور جنگ سے فرار کرنے والوں کی سزا کا بھی بیان کیا گیا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''نہ اندھے پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے ہی پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیمار ہی پر کچھ گناہ ہے، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اسے ایسے باغوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور جو نافرمانی کرے گا اسے سخت سزا دے گا۔''

جہاد کے وجوب سے استثناء

اس آیت میں ان افراد کے بارے بتایا جا رہا ہے جس سے جہاد کا فریضہ ساقط ہے۔ ان میں نابینا، لنگڑا، اپاہج، معذور، بیمار کو استثناء دیا گیا ہے جو جہاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے بیماری کی وجہ سے یا جسمانی نقص کی وجہ سے، تو اگر ایسے لوگ جنگ میں شرکت نہ کریں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہے۔

اطاعت گذاروں کی توبہ

جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں، اللہ کے حکم سے جہاد پر جاتے ہیں تو اطاعت گذاروں کے لیے بڑا اجر جنگ کی صورت میں ہے، جنت کی خوبصورتی کی طرف اشارہ ہے کہ ایسے سرسبز و شاداب باغات ہیں جن میں پانی کی نہریں جاری ہیں، جو ان کے حسن کو دوبالا کرتی ہیں اور جو نافرمان ہیں اللہ کے حکم سے بے اعتنائی کرتے ہیں تو ان کے لیے اللہ کی طرف سے سخت ترین سزا ہے اور عذاب الٰہی دائمی جہنم اور آتش ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ”بے شک اللہ مسلمانوں سے راضی ہوا جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے پھر اس نے جان لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اس نے ان پر اطمینان نازل کر دیا اور انہیں جلد ہی فتح دے دی۔“

وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ”اور بہت سی غنیمتیں بھی دے گا جنہیں وہ لیں گے، اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔“

بیعت رضوان

حدیبیہ کے مقام پر جس درخت کے نیچے بیعت لی گئی وہ درخت بعض کے نزدیک کیکر کا درخت تھا جو بہت ہی بڑا اور سایہ دار تھا۔ اس کے نیچے بیعت کرنے والے مومنین سے اللہ راضی ہوا تو اس وجہ سے اس بیعت کو بیعت رضوان کہا گیا۔ وہاں پر جو لوگ موجود تھے وہ اپنی نیت میں سچے تھے اور اس وقت سچے دل سے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل پر اپنی رضایت کو بیان کیا ہے۔ صلح اور اس کی جو شرائط ہیں اس سے بعض مسلمانوں کے دلوں میں ایک رنج اور دکھ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اطمینان و سکون کو اتار دیا کہ ان کی پریشانی دُور ہو جائے اور ان کے لیے ایک بڑی فتح کی خبر دے دی اور یہ خبر بعد میں فوراً جنگ خیبر کے بارے میں تھی، جس جنگ میں بہت سارا مال مسلمانوں کو نصیب ہوا۔ اللہ ہی عزیز ہے، غالب ہے، حکیم ہے، جو ارادہ کرتا ہے وہ محکم اور مضبوط ہوتا ہے۔ بغیر حکمت کے کوئی فیصلہ نہیں ہوتا۔ اس مال

غنیمت سے صحابہ آسودہ ہو گئے۔ یہ اللہ کا دُنیا میں اجر تھا جو حدیبیہ کے سفر میں شریک مسلمانوں کو دیا گیا۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَ لِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ يَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے پھر تمہیں اس نے اسے جلدی دے دیا اور اس نے تم سے لوگوں کے ہاتھ روک دیئے، اور تا کہ ایمان لانے والوں کے لیے یہ ایک نشان ہو اور تا کہ تم کو سیدھے راستہ پر چلائے۔''

صلح حدیبیہ کے بعد ملنے والا مال غنیمت

اس آیت میں جنگی غنائم سے مراد جنگ خیبر کے غنائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صلح حدیبیہ میں شریک مسلمانوں کو وعدہ دیا تھا کہ انہیں بہت سارا مال غنیمت ملے گا اور یہ مال غنیمت جلدی تمہارے ہاتھ لگے گا چنانچہ صلح حدیبیہ سے واپسی کے بعد خیبر کے یہودیوں سے جنگ ہوئی اور اس جنگ کے نتیجہ میں بہت سارا مال غنیمت ملا۔

مسلمان مجاہدین کے لیے اللہ کی مدد

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے جو وعدہ دیا تھا اسے پورا کر دیا۔ لوگوں کے شر سے انہیں محفوظ رکھا، اس سے مراد قبیلہ اسد اور قبیلہ غطفان کے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھا جس طرح یہ دونوں قبائل مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ یہ اللہ کا اپنا کرم ہے مسلمانوں

کے لیے۔ ان دونوں قبائل نے پروگرام بنایا تھا کہ رسول اللہؐ کی واپسی پر وہ مدینہ پر حملہ کر دیں گے اور مدینہ کے مسلمانوں کے اموال کو غارت کر دیں گے اور ان کی اولادوں کو قیدی بنائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ایسا خوف و وحشت طاری کر دی کہ وہ حملہ نہ کر سکے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد مالک بن عوف اور عیینہ بن حصین ہیں، یہ دونوں جنگ خیبر میں یہودیوں کی مدد کے لیے لشکر لے کر آرہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر خوف ڈال دیا اور وہ راستہ ہی سے واپس چلے گئے اور یہودیوں کی مدد کو نہ پہنچ سکے۔

فتح خیبر اور مال غنیمت کا حصول

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے خیبر فتح کرنے میں مدد دی، انہیں مال غنیمت نصیب ہوا اور اخروی اجر و ثواب اس کے علاوہ ہے تاکہ اس طرح ان کے لیے بڑے مفادات اور مصالح جو سامنے نہیں وہ مستحق ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا جارہا ہے کہ یہ سب اس لیے ہے کہ آپ کے پاس یہ دلیل و نشانی ہو اس کو سامنے پیش کریں، لوگوں کو راہنمائی اور ہدایت دیں کہ اس طرح اللہ کی مدد اترتی ہے، اللہ نے جو وعدہ دیا وہ سچا ثابت ہو اور اللہ ہی تمہیں صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے تاکہ کلمہ حق اور دین کی وسعت اور پھیلاؤ کا مستحق ہو۔

وَّ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ”اور بھی فتوحات ہیں کہ جو (اب تک) تمہارے بس میں نہیں آئیں، البتہ اللہ کے بس میں ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

مسلمانوں کو مال غنیمت کا ملنا

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے ایک اچھی خبر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ فقط جنگ خیبر کی غنیمت ہی تمہارے لیے نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور مال بھی ملنے والا ہے جس پر تم خود قادر نہیں اور نہ ہی تم نے اس بارے سوچا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے، اللہ تعالیٰ کے دائرہ اختیار میں ہے تمام معاملات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ کی قدرت مطلقہ ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے، یہ ایک طرح سے مسلمانوں کے لیے جنگ خیبر کے بعد جو مال غنیمت ملنے والا ہے اس کی طرف اشارہ بعد میں مسلمانوں کو قبیلہ ہوازن اور دوسرے قبائل سے جو مال غنیمت وصول ہوا اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَ لَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''اور اگر کافر تم سے لڑتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑتے پھر نہ کوئی حمایتی پاتے نہ کوئی مددگار۔''

کافروں کی ناتوانی

اس آیت میں کافروں کے کمزور پڑ جانے کو بیان کیا گیا ہے یہ ایک طرح کی پیشن گوئی ہے۔ مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ اس وقت کافروں کا جو زور نظر آرہا ہے یہ ایسا نہیں رہے گا۔ اگر کافر آپ کے خلاف جنگ کے لیے آئیں تو شکست کھائیں گے، کافر تمہارے مقابلہ کرنے کی ہمت و قدرت نہیں رکھتے۔ خود بھی مقابلہ کے قابل نہیں اور کہیں سے ان کے واسطے مدد بھی نہ آئے گی کہ وہ انہیں مسلمانوں پر غلبہ دلائے۔ کاموں کا سرپرست، ناصر و یاور اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ یہ مومنوں کے لیے ایک طرح کی بشارت ہے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیۡ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلُ ۚۖ وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِیۡلًا ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''اللہ کا قدیم دستور پہلے سے یونہی چلا آتا ہے اور توں اس کے دستور کو بدلا ہوا نہ پائے گا۔''

اللہ کا قانون

اللہ کی ہمیشہ سے ایک سنت و روایت چلی آرہی ہے، اللہ کا اپنا قانون ہے جو ہر معاشرہ کے لیے جاری و ساری ہے اس میں سابقہ ولاحقہ میں فرق نہیں ہے۔ وہ قانون یہ ہے کہ اللہ ہمیشہ مومنین کی مدد کرتا ہے، انہیں اپنے مخالفین پر غلبہ دیتا ہے، انبیاء و رسل کی اللہ نے ہمیشہ مدد فرمائی ہے۔ اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں۔ کل بھی مومنین کی مدد کی، آج بھی مدد دے گا، کل بھی اپنے رسولوں کی حفاظت فرمائی انہیں غلبہ دیا، آج بھی اپنے رسولؐ کو غلبہ دے گا۔ سورہ مجادلہ آیت ۲۱ ''اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی طے کیا ہے کہ اللہ خود اور اللہ کے سارے رسول ہر صورت میں غلبہ حاصل کریں گے''

پیغام: مسلمانوں کو جو نقصان پہنچتا ہے یا انہیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو یہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہے۔ جب مسلمان ایمان اور بندگی خدا سے دور ہو جاتا ہے تو پھر شکست ان کا مقدر ہوتی ہے یہ بھی اللہ کا قانون ہے۔

عزت و غلبہ مومنین صالحین کے لیے ہے، شکست و ذلت اللہ کی مخالفت کرنے والوں، مشرکوں اور منافقین کے لیے ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیۡ کَفَّ اَیۡدِیَهُمۡ عَنۡکُمۡ وَ اَیۡدِیَکُمۡ عَنۡهُمۡ بِبَطۡنِ مَکَّةَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ اَظۡفَرَکُمۡ عَلَیۡهِمۡ ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''اور وہی ہے جس نے وادی مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے اس کے بعد اس نے تمہیں ان پر غالب کر دیا تھا، اور اللہ ان سب باتوں کو جو تم کر رہے تھے دیکھ رہا تھا۔''

صلح حدیبیہ کا واقعہ

اس آیت میں صلح حدیبیہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اس میں نہ تو کافر مسلمانوں کو نقصان دے سکے اور نہ ہی مسلمانوں نے کافروں کا نقصان کیا۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف کارروائی کرنے سے روک دیا اور یہ واقعہ وادی مکہ میں ہوا۔ جبکہ اس جگہ مسلمانوں نے خود کو جنگ کے لیے آمادہ کر لیا تھا کیونکہ کافروں کی سرزمین پر آچکے تھے ایسی صورت میں جنگ کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہر دو گروہ کو روک دیا اور کوئی بھی دوسرے کو نقصان نہ دے سکا اور تیسرا راستہ مصالحت و صلح کا نکل آیا۔ اس حال میں بغیر جنگ مسلمانوں کو فتح و کامیابی دے دی۔ جو کچھ مسلمانوں نے انجام دیا اور جو ارادہ رکھتے تھے اللہ اس سب کے بارے آگاہ ہے، اللہ کو علم ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ وہ کافروں کے خلاف جنگ لڑیں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنے احسان کو جتلایا ہے اور یہ سمجھا دیا کہ سب کچھ اللہ کے ارادہ سے انجام پاتا ہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ الْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَ لَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ

لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٢٥﴾

ترجمہ: ''وہ تو وہی ہیں جنہوں نے انکار کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو روکے رکھا اس سے کہ وہ اپنی قربان گاہ تک پہنچیں، اور اگر کچھ مرد ایمان والے اور عورتیں ایمان والی نہ ہوتیں جنہیں تم نہیں جانتے تھے کہ تم انہیں پامال کر دیتے پھر ان کی طرف سے تم پر نادانستگی سے الزام آتا (تو تمہیں لڑنے سے نہ روکا جاتا)، تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل کرے، اگر وہ ٹل گئے ہوتے تو ہم ان میں سے جو کافر ہیں انہیں دردناک عذاب دیتے۔''

مکہ کے مشرکین بارے

اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے مشرکین مکہ وہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے اللہ کا کفر اختیار کر لیا وہی لوگ مسجد الحرام میں آپ کے داخلے میں رکاوٹ بنے اور تم لوگ اپنی قربانیوں کو قربان گاہ میں ذبح نہ کر سکے۔ اس کے لیے انہوں نے راستہ روک لیا۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہ رہا ہے کہ اگر جنگ کی اجازت دے دی جاتی تو وہ مومنین جو کافروں کے درمیان موجود تھے اور ان کے متعلق مسلمانوں کو آگہی نہیں ہے تو جنگ کے نتیجہ میں وہ ہی مارے جاتے، ان کی وجہ سے تمہیں خمیازہ بھگتنا پڑتا۔ ہم نے تمہیں جنگ سے اس لیے روک دیا تاکہ اس جنگ میں بے گناہ افراد نہ مارے جائیں۔ اگر کافروں کے درمیان مومنین موجود نہ ہوتے تو ہم آپ کو جنگ کی اجازت دے دیتے۔ یہ اس لیے تاکہ مومنین سے اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر دے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اس صلح میں بہت بڑی حکمت ہے۔ اس میں ایک یہ بھی ہے جو مومنین کافروں کے درمیان موجود ہیں (بالفعل موجود ہیں اور چھپے ہوئے ہوں یا ان کفار میں سے بعض جو مسلمان بننے والے ہوں ان کو بھی اس صلح کے وسیلہ سے تحفظ دیا گیا ہے اور یہی صلح نامہ ایک بڑی فتح کا ذریعہ بھی بنے گا۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ”جب کہ کافروں نے اپنے دل میں سخت جوش پیدا کیا تھا جہالت کا جوش تھا پھر اللہ نے بھی اپنی تسکین اپنے رسول اور ایمان والوں پر نازل کر دی اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ اسی کے لائق اور قابل بھی تھے، اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔“

کافروں کے مسلمانوں کے بارے اقدامات

اس جگہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ کافروں نے مسلمانوں کو اللہ کے گھر میں وارد ہونے سے روک دیا، ان کے کفر نے ان کے دلوں میں بغض و کینہ اور دشمنی بھر دی اور جاہلانہ قومی غیرت ان کی ابھر کر سامنے آگئی، یہ کینے ان کے دلوں میں راسخ ہو چکے تھے۔

اللہ تعالیٰ کافروں کے مقابل میں

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنین کے لیے سکون و اطمینان ان کے دلوں میں اُتار دیا، اس طرح ان کے دل مطمئن ہو گئے، کافروں کے غضب اور غصہ اور ان کی دلیری نے

مسلمانوں کو کمزور نہ کیا اور وہ جہالت سے دوچار نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو ان کے لیے لازمی قرار دے دیا۔ یہ کیفیت ہر گز ان سے ختم نہ ہوئی اس سے مراد رُوح ایمان ہے جو انہیں مسلسل و برابر تقویٰ کا تقاضا کرتا ہے اور مومنین اپنے صالح اعمال کے ذریعہ ایسے عطیہ الٰہی کو لینے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ کسی اور میں یہ صلاحیت نہیں ہے اس وجہ سے مؤمنین اپنے مقصود کو پا لیتے ہیں۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''بے شک اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا، کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم امن کے ساتھ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے اپنے سر منڈاتے ہوئے اور بال کتراتے ہوئے بے خوف و خطر داخل ہو گئے، پس جس بات کو تم نہ جانتے تھے اس نے اسے جان لیا تھا پھر اس نے اس سے پہلے ہی ایک فتح بہت جلدی کر دی۔[1]''

---

[1]۔ تفسیر رُوح المعانی میں ہے کہ فتح قریب سے مراد فتح خیبر ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد حاصل ہوئی کہ اس جنگ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی بہادری اور دلیری کی داستان بہت ہی معروف ہے۔ اس فتح سے اسلام اور مسلمانوں کو مادی و معنوی بہت فائدہ ہوا اور یہودیوں کا زور ٹوٹ گیا۔

رسول اللہؐ کے خواب کی تصدیق

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے خواب کو سچ کر دکھایا، جو خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ وارد ہونے اور صلح حدیبیہ کے طے ہونے سے پہلے دیکھا تھا وہ خواب ایک حقیقت تھا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ مومنین انشاء اللہ بہت جلد مسجد الحرام میں داخل ہوں گے، اس حالت میں کہ مؤمنین مشرکین کے شر سے امن و امان میں ہونگے، تم اپنے سروں کو منڈواؤ گے اور تقصیر کا عمل انجام دو گے، مشرکین سے تمہارے لیے کوئی خطرہ نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کہہ رہا ہے کہ مسجد الحرام میں وارد ہونے کے منافع اور فوائد کا علم اللہ کے پاس ہے جنہیں تم نہیں جانتے ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مسجد الحرام میں داخلہ سے پہلے تمہارے لیے ایسے حالات بنا دیئے کہ تمہارے ساتھ کفار صلح کر لیں اور ایک قریبی فتح بھی تمہیں نصیب ہو جائے اور اس کے بعد تم مسجد الحرام میں وارد ہو کہ تمہیں کسی قسم کا ڈر و خوف نہ ہو۔ اگر یہ صلح واقع نہ ہوتی تو اگلا مرحلہ نصیب نہ ہوتا۔ صلح حدیبیہ درحقیقت اس صلح سے حالات بنائے گئے اور پھر بغیر خونریزی کے مسلمان مکہ میں وارد ہوئے، حج کے اعمال پورے اطمینان سے انجام دیئے۔ اس آیت میں اس خواب کے متعلق ہر قسم کے شک و شبہ کو دُور کر دیا گیا ہے پھر فتح خیبر کی خبر دے دی تاکہ جب صلح حدیبیہ کے بعد قریب والی فتح کا وعدہ الٰہی پورا ہوتا دیکھیں گے تو مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ وہ امن سے مسجد الحرام میں بھی داخل ہوں گے۔ رسول اللہ کے خواب نے سچا ہونا ہے لیکن اس نے اس سال نہیں ہونا۔ مکہ میں تمہارے داخلہ کو مؤخر کر دیا ہے اور صلح حدیبیہ کو اس بڑی فتح کا مقدمہ قرار دیا ہے اس طرح فاتحانہ انداز سے مکہ میں داخلہ کا اہتمام کیا گیا کیونکہ اس بات کو اللہ ہی جانتا ہے کہ اس سال تمہارا مکہ میں بغیر خونریزی کے داخلہ نہیں ہو سکتا جب کہ بعد میں یہ حاصل ہو گا۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ”وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے ہر ایک دین پر غالب کر دے، اور اللہ کی گواہی و شہادت ہی کافی ہے۔“

غلبۂ دین

اس آیت میں دین اسلام کے سابقہ تمام ادیان پر غلبہ اور برتر ہونے کی بات ہو رہی ہے اور یہ بھی سمجھا دیا کہ جو کچھ رسول ﷺ لے کر آئے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے جو ہدایت پر مبنی ہے اور دین برحق ہے۔ دین اسلام مشرقی و مغربی تمام نظاموں پر غالب آئے گا، اللہ ہی اپنے رسول ﷺ کی نبوت و رسالت پر گواہ ہے اور یہ گواہی کافی ہے۔ اس آیت میں ایک طرح کی مومنوں کو تشویق دی گئی ہے کہ وہ مشرکوں کے خلاف جہاد پر تیار رہیں کہ فتح و غلبہ ان کے لیے ہے۔ دین اسلام کا غلبہ دو طرح کا ہے۔ منطقی دلیل اور عقل سے غلبہ۔ تمام ادیان کو اپنے زیر دست قرار دینا۔

عملی طور پر سب ادیان پر غالب آنا اور پورے جہان پر بس اللہ کا ہی نظام نافذ العمل ہوگا، ہر سو اسلام کا ڈنکا بجے گا اور یہ ضرور ہوگا۔ اللہ کا وعدہ ہے البتہ یہ آخری زمانہ میں قیامت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے بارہویں خلیفہ حضرت امام مہدی (عج) کے ہاتھوں میں ہوگا جیسا کہ اس آیت کے ذیل میں بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ

وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۚ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝٢٩

ترجمہ: ”محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں آپس میں رحم دل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ وہ رکوع و سجود کر رہے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدہ کا نشان ہے، یہی وصف ان کا تورات میں ہے، اور یہی انجیل میں ان کا وصف ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنی سوئی نکالی پھر اسے قوی کر دیا پھر موٹی ہو گئی پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی کسانوں کو خوش کرنے لگی تاکہ اللہ ان کی وجہ سے کفار کو غصہ دلائے، اللہ نے ان میں سے ایمان داروں اور نیک کام کرنے والوں کے لیے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔“

پیغمبر اکرمؐ اور ان کے ساتھیوں کی توصیف

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ کے ساتھی ہیں وہ بہت ہی سخت جان ہیں، طاقتور اور مضبوط ہیں، آپس میں بہت ہی مہربان ہیں۔ کافروں پر سخت ہیں، کافروں کے لیے ان کے دلوں میں کوئی نرمی نہیں ہے۔ یہ لوگ ہر وقت رکوع کرتے ہیں، سجدے بجالاتے ہیں، سجدوں کے نشانات ان کی پیشانیوں پر نمایاں ہیں۔ ہمیشہ اللہ کے غلبہ اور اللہ کی رضایت کی طلب و تلاش میں رہتے ہیں۔ سجدہ کے نشانات ان کی انکساری پر

دلیل ہیں۔ اللہ کے سامنے ہمیشہ خاشع و خاضع ہیں، ان کے دشمن کے سامنے متکبر ہیں، سخت ہیں بے رحم ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں آیا ہے کہ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ وہ مٹی پر (خاک شفاء) پر سجدہ کرتے ہیں کہ جس کا نشان ان کی پیشانی پر نمایاں ہو جاتا ہے،، کپڑے یا مٹی کے علاوہ کسی چیز پر سجدہ نہیں کرتے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ ان کی پیشانیوں پر نور نکلے گا قیامت کے دن۔ یہ اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جن اوصاف کو مومنین کے لیے بیان کیا گیا ہے یہ اوصاف توریت اور انجیل میں بیان ہوئے ہیں اور بعض پہلے والے اوصاف توریت میں ہیں اور بعد والی مثال جو زراعت سے متعلق دی گئی یہ بات انجیل میں آئی ہے۔ ان مومنوں کی مثال اس کھیت کی ہے جو برکت زیادہ ہونے کی وجہ سے بہت ہی نمایاں ہیں اور لہلہا رہے ہیں، خوشے نکلے ہیں، اور ہرے بھرے ہوئے ہیں جو دیکھنے والے کو حیرت زدہ کرتے ہیں کسان اپنے سبزہ کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ مومنین میں اللہ تعالیٰ نے اسی طرح برکت قرار دی ہے، ہر روز ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ دیکھنے والے کو حیرت زدہ کرتے ہیں، مومنین کے بارے بیان کیا ہے جب ایمان کے ساتھ ساتھ عمل صالح بجالاتے ہیں تو وہ اللہ کی رضایت و خوشنودی چاہتے ہیں۔ اللہ کا ان کے لیے اجر و ثواب کا وعدہ ہے وہ بس اللہ سے ہی اجر چاہتے ہیں۔

اجر عظیم

اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اجر عظیم مشروط ہے کہ ایمان کی حالت پیدا ہو اور اس ایمان کو اعمال صالح بجالا کر باقی رکھے۔

منافقین: اس جگہ یہ اشارہ ملتا ہے کہ وہ لوگ جو ظاہر میں تو ایمان لے آئے لیکن باطن میں ایمان نہ لائے اور ایمان کے ساتھ عمل صالح کو نہ ملایا یا آغاز میں مومن تھا بعد میں شرک و

کفر کر لیا تو پھر ان کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں ہے۔ یہ آیت ان کو شامل ہے جو ایمان لائیں اور عمل صالح بجالائیں۔

اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے سورہ توبہ آیت ۱۰۱ میں فرماتا ہے:

اس آیت میں ہدایت ان پر آشکار ہو چکی تھی، اس آیت میں واضح کر دیا ہے کہ ایمان کی حالت میں باقی رہنے کے لیے عمل صالح ضروری ہے ایمان اور عمل صالح اکٹھے ہوں گے تو اجر عظیم ہے لہذا منافقین اور مرتدین کے لیے اجر عظیم نہیں ہے۔ جو ایمان دے بیٹھے اور کافر ہوئے یا ایمان لانے کے بعد عمل صالح بجانہ لائے تو ان کے لیے اجر و ثواب نہیں ہے۔

سورۃ الحجرات

(مدنی۔ کل آیات: ۱۸)

سورہ کے مطالب

دین سے متعلق قوانین کا بیان، اخلاقیات، اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے رابطہ اور تعلق کا انداز، اسلامی آداب، برتری کا معیار، ایمان اور اسلام کا فرق۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پہل نہ کرو (ان سے آگے نہ بڑھو)، اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔“

اللہ اور اللہ کے رسولؐ بارے

ایک مومن کو اپنے رب تعالیٰ سے کیساتھ تعلق رکھنا ہے اور اللہ کے رسولؐ کے ساتھ کیسے پیش آنا ہے تو اس جگہ واضح طور پر بتا دیا ہے کہ اللہ کے احکام و قوانین کے مطابق چلنا ہوگا۔ از خود کوئی حکم قرار نہیں دینا، اللہ کا رسولؐ جو حکم دے اس پر چلنا ہے ان کے حکم سے پہلے خود سے کوئی ضابطہ نہیں بنانا۔ اس جگہ حکمرانی کے آداب بتائے جا رہے ہیں۔ حکومت اللہ کی ہے اور اللہ کے رسولؐ کی ہے۔ اللہ کا رسولؐ جو بیان کرتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ شرعی حکم بیان کرنے میں کسی کی ذاتی رائے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ نے جس کام سے روکا ہے اس سے رک جاؤ اور جس کام کے کرنے کا حکم دیا ہے اسے انجام

دو۔ آداب سے یہ بھی مراد ہے کہ رسول اللہؐ کے آگے نہ چلو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ہر بات کو سنتا ہے اور تمہارے ہر عمل سے آگاہ ہے۔ عبودیت کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت میں رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر اور باطن سے آگاہ ہے اور اللہ کے رسولؐ سے پیش قدم مت ہوں۔[1]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ بلند آواز سے رسول سے بات کیا کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے سے کیا کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

پیغمبر اکرمؐ کا احترام

اس آیت سے رسول اللہؐ کے احترام کا سبق مومنوں کو پڑھایا جا رہا ہے۔ چند امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:۔

---

[1] ۔ شیعہ فقہاء نے اسی آیت سے استنباط کیا ہے کہ مشاہد مشرفہ میں رسول اللہؐ اور آئمہ اطہار علیہم السلام کی قبور (بالائے سر) مقدم ہو کر نماز نہ پڑھی جائے اس طرح کہ ان کے سر والی جگہ نیت پڑھو اور نمازی اس سے آگے ہوں۔

۱۔ رسول اللہؐ کی تعظیم اور احترام واجب ہے اور تعظیم کے تمام تقاضوں کو مدنظر رکھا جائے۔

۲۔ جب گفتگو کرو تو اپنی آواز کو دھیما رکھو کیونکہ آپ کے ساتھ اونچی آواز میں بات کرنا اگر اھانت کی نیت سے ہوگا تو کفر ہے اور اگر اہانت کی نیت نہ بھی ہو تو پھر بھی بے ادبی ہے اس میں رسول اللہؐ کے احترام کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

۳۔ جیسے آپس میں گفتگو کرتے ہو تو رسول اللہؐ سے اس طرح گفتگو نہ کرو، ادب ملحوظ رہے۔ آپس میں قیل و قال کرتے ہیں بحث و مجادلہ کرتے ہو اور سخت تکرار کرتے ہو لیکن جب رسول اللہؐ سے بات کرو تو تسلیم محض ہو جب رسولؐ فرمادیں اسے بے چون وچرا قبول کرو ان کی بات پر بحث و مجادلہ نہ کرو۔

۴۔ بندگی کا تقاضا ہے کہ رسول اللہؐ کے ساتھ نرم لہجہ میں بات کرو، اپنی آواز کو دھیما رکھو۔

۵۔ رسول اللہؐ کی موجودگی میں شور نہ مچاؤ، اونچی آواز میں بات نہ کرو باادب ہو کر آپؐ کے سامنے بیٹھو۔

اگر ان امور کا لحاظ نہ رکھو گے تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ جو حکم رسول اللہؐ کے لیے دیا جارہا ہے تو یہی حکم آپؐ کے معصوم جانشینوں، آئمہ اہل البیتؑ کے لیے بھی ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس طرح بعض بیانات سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور کفر کی وجہ سے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اسی طرح بعض گناہ ایسے ہیں جن سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور یہ بیان ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہؐ کی بے احترامی، آپ کی اہانت، آپ کے سامنے آداب کا لحاظ نہ رکھنا ایسا گناہ ہے جس سے انسان کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَہُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی ؕ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۳﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ اپنی آوازیں رسول اللہ کے حضور دھیمی کر لیتے ہیں یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں کو پرہیزگاری کے لیے جانچ لیا ہے، ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے۔

رسول اللہؐ کے احترام کا لحاظ رکھنے کا اجر

جو لوگ رسول اللہؐ کا احترام کرتے ہیں ان کے سامنے اپنی آواز کو دھیما رکھتے ہیں، رسول اللہؐ کی محفل میں باادب ہو کر بیٹھتے ہیں اور زور سے آواز نہیں کستے تو ایسے لوگ صاحب تقویٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ سے آزما لیا ہے یعنی اللہ کے احکام کی پیروی کرنے والے ہیں۔ انہوں نے اپنے انداز گفتگو کو بدلنے میں مشق کی ہے۔ تقویٰ کو اپنی عادت بنا لیا ہے اس وجہ سے ان کی عاقبت اچھی ہے ان کے لیے بڑا اجر و ثواب ہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اس جگہ مومنین کو یہ نوید دی گئی ہے کہ جو رسول اللہؐ کا ہر لحاظ سے احترام کرتے، بات کرنے میں بھی بے احترامی نہیں کرتے تو ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا انعام ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں اکثر ان میں سے عقل نہیں رکھتے۔

رسول اللہؐ کی بے احترامی کرنے والوں کی مذمت

اس آیت میں ان افراد کی مذمت کی جاتی ہے جو رسول اللہؐ کے ادب کا لحاظ نہیں رکھتے اور باہر سے آپ کو آواز دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس انداز کو بے عقلی اور نادانی قرار دیا ہے۔ گویا وہ لوگ جانور ہیں، حیوانات کی مانند ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کی نعمت دی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے رہبر اور قائد کے ساتھ احترام کا رویہ اپنائیں، ان کے گھر سے باہر کھڑے ہو کر آوازیں نہ دیں۔

وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰى تَخۡرُجَ اِلَيۡهِمۡ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۵﴾

ترجمہ: اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس نکل کر آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا، اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

جفاکاروں کے بارے

اس آیت میں رسول اللہؐ کے نام سے زور زور سے آواز دینے والوں کی مذمت کے ساتھ ساتھ یہ بات بیان کر دی ہے کہ یہ لوگ بڑے ہی جلد باز ہیں، تھوڑا انتظار کر لیتے اور اس طرح سے بے ادبانہ آوازیں نہ دیتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا کیونکہ اس طرح انہوں نے مقام رسالت کا لحاظ رکھا ہوتا اور آپ کی تعظیم کا خیال کر لیا ہوتا، ان کا ایسا انداز اللہ کی مغفرت اور رحمت کے حصول میں مددگار ہے۔ اللہ تعالیٰ رحیم ہے، ان کے جاھلانہ رویہ پر معافی دے دیتا ہے ان لوگوں کو اپنا انداز تبدیل کرنا چاہیے۔ بہر حال ان آیات میں رسول اللہؐ کی تعظیم و احترام کا حکم دیا گیا ہے۔ بے احترامی سے منع کیا گیا ہے اور احترام کا لحاظ رکھنے والوں کی تحسین کی گئی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۞

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی سی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو کہیں کسی قوم پر بے خبری سے نہ جا پڑو پھر اپنے کیے پر پشیمان ہونے لگو۔

خبر دینے اور خبر لینے کا قانون

اسلام میں کسی خبر پر عملدرآمد کے حوالے سے باقاعدہ حکم اس آیت میں دیا گیا ہے۔ ضابطہ یہ قرار پایا کہ جو خبر آپ سنتے ہیں یا کوئی اطلاع کسی کے بارے آپ کے پاس پہنچتی ہے اسے سن کر اس پر فوری رد عمل ظاہر نہ کیا جائے۔ انفرادی اور شخصی مسائل میں بھی اجتماعی اور حکومتی معاملات میں بھی ایسا ہی ہے۔ ہر ملنے والی اطلاع کے لیے بالترتیب ذیل کے امور پر توجہ دینا ہوگی۔

ا۔ جو شخص خبر یا کسی قسم کی اطلاع کسی شخص یا قوم کے بارے دے رہا ہے دیکھا جائے کہ خبر لانے والا کیسا شخص ہے۔

۲۔ فاسق شخص کی خبر پر فوری طور پر رد عمل ظاہر نہ کیا جائے۔ فاسق اسے کہتے ہیں جو اطاعت الٰہی کے دائرہ سے باہر نکل چکا ہو، قانون کی پاسداری نہ کرتا ہو۔

۳۔ خبر لانے والے سے اس خبر کے بارے پوری تفصیلات طلب کی جائیں، اس کے پس و پیش بارے آگہی حاصل کی جائے۔ اس نے براہ راست خبر حاصل کی ہے یا بالواسطہ۔ اس میں یہ بھی دیکھا جائے کہ خبر دینے والے کی کوئی ذاتی غرض یا متعلقہ فریق سے کوئی رنجش یا ناراضگی تو نہیں ہے۔

غلط خبر کے منفی اثرات

اس جگہ متوجہ کیا گیا ہے کہ اگر آپ کسی اہم خبر کو سن کر فوراً اس پر اپنا رد عمل دے دو گے اور بعد میں پتہ چلے کہ یہ تو خبر ہی سرے سے غلط تھی یا خبر لانے والے نے پوری بات بیان نہیں کی یا اس کی ذاتی دشمنی تھی تو پھر اس اقدام پر آپ کو پشیمانی اور شرمندگی ہو گی۔

رسول اللہؐ کے پاس غلط خبر کا پہنچایا جانا

اس آیت کے شان نزول میں بیان کیا گیا ہے ایک شخص ہے جس کا نام ولید بن عقبہ ابن معیط ہے جو حضرت عثمان کا مادری بھائی تھا اسے رسول اللہؐ نے جب بنی مصطلق قبیلہ کے کے پاس زکات کی وصولی کے لیے بھیجا گیا تو وہ جب اس قبیلہ والوں کے علاقہ میں پہنچتا ہے تو اس قبیلہ کے لوگ اپنی سواریوں پر اس کے استقبال کے لیے باہر نکلتے ہیں۔ اس نے یہ خیال کیا کہ یہ لوگ اس کے ساتھ جنگ کی نیت سے آرہے ہیں تو وہ فوراً رسول اللہؐ کے پاس واپس لوٹ آیا اور آکر یہ خبر دی کہ یا رسول اللہؐ وہ لوگ تو دین سے پھر گئے ہیں، مرتد ہو گئے ہیں اور انہوں نے زکات دینے سے انکار کر دیا ہے۔ اس خبر پر وحی اُترتی ہے کہ اے رسولؐ اس خبر کے بارے تحقیق کرلو، تحقیق کئے بغیر اس بڑی خبر کے مفاد پر کوئی کارروائی نہ کی جائے وگرنہ شرمندگی ہو گی۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے اس خبر بارے تحقیق کروائی اور معلوم ہوا کہ حقیقت کچھ اور تھی اور وہ تو رسول اللہؐ کے نمائندہ کا احترام کے لیے استقبال کی نیت سے سواریوں پر آرہے تھے۔ ولید نے از خود ہی یہ خیال کر لیا کہ وہ ان سے جنگ کرنے آرہے ہیں۔

عقلائی اصول

اس آیت میں ایک عقلائی ضابطہ اور قانون کو بیان کیا گیا ہے۔ ہر عقلمند یہ بات سمجھتا ہے کہ ہر کس و ناکس سے بات سن کر فوراً اس پر رد عمل ظاہر نہ کیا جائے۔ اسی آیت کے تحت کسی بھی مملکت کے انتظامی معاملات کا دارومدار ہے، انٹیلی جنس کے اداروں سے وابستہ اہلکاروں کے انتخاب میں پوری دقت کی جائے اور غلط خبر لانے والوں کو سزا دی جائے۔ ہر

خبر کا کاؤنٹر چیک بھی رکھنا چاہئے، اسی قانون کے تحت تمام مملکتیں، ریاستیں، حکومتیں اپنا نظام چلا رہی ہیں۔

یہ وہی ولید ہے جو جناب سعد بن وقاص کے بعد کوفہ کے گورنر بنائے گئے تھے، نشے کی حالت میں صبح کی نماز چار رکعت مسجد میں آکر پڑھا دی اور پھر کہنے لگے کہ اگر چاہو تو میں کچھ اور بھی اضافہ کر دوں؟۔ جب یہ خبر حضرت عثمان کو پہنچی تو انہوں نے اسے گورنری سے معزول کر دیا۔ اس آیت میں فاسق سے مراد ولید ہی کو لیا گیا ہے کیونکہ وہ بغیر تحقیق کے غلط خبر لانے والوں سے تھا۔

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ﴿۷﴾

ترجمہ: ''اور جان لو کہ تم میں اللہ کا رسول موجود ہے، اگر وہ بہت سی باتوں میں تمہارا کہا مانے تو تم پر مشکل پڑ جائے لیکن اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں اچھا کر دکھایا ہے اور تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی نفرت ڈال دی ہے، یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

رسول اللہؐ کی اطاعت کا قانون

اس آیت میں ایک اصل ثابت اور حتمی ضابطہ و قانون بنایا جا رہا ہے کہ رسول اللہؐ کی اطاعت سب کو کرنی ہے۔ رسول اللہؐ نے عوام کے پیچھے نہیں چلنا بلکہ عوام نے رسول اللہؐ کے پیچھے چلنا ہے۔ اس آیت میں قائد و رہبر کی اطاعت کی ضرورت و اہمیت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ رسول اللہؐ کا کام نہیں کہ جو تم لوگ کہو وہ فوراً اسے مان لیں۔ نہ فقط یہ ہے کہ رسول اللہؐ

فاسقوں کی خبر کو قبول نہ کریں بلکہ تمہاری دیگر خواہشات اور آرزوؤں کے مطابق عمل کرنا بھی رسول اللہؐ کے لیے نہیں ہے یہ تم لوگ ہی ہو کہ رسول اللہؐ کی اطاعت کرو۔ اگر رسول اللہؐ تمہارے تابع ہو جائیں تو تم میں تو ہزاروں خواہشات وآرزوئیں ہیں تم میں سے ہر ایک چاہے گا کہ اس کی بات مانی جائے اور اس طرح تمہاری ہلاکت کا سامان مہیا ہو جائے گا۔ معاشرہ کا استحکام اس میں ہے کہ وہ سب اپنے قائد، رہبر جو کہ رسول اللہؐ ہیں ان کے پیچھے چلیں اور ان کے بعد ان کے معصوم جانشین ہیں ان کی بات کو مانیں اس میں وحدت ہے، استحکام ہے، عوام کا مفاد ہے۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تمہیں ہلاکت اور مشکلات میں ڈالے۔

ایمان کی محبوبیت

اللہ نے مومنوں کے لیے ایمان کو پسند کیا ہے۔ ایمان اللہ پر، اللہ کے رسولؐ پر، قیامت پر، ایمان ہی ایسی پسندیدہ حالت ہے جو ہر انسان میں ہونی چاہیے۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ امن سے رہیں اور ہر عمل میں، ہر بات میں رسول اللہؐ کی اطاعت کریں۔

فسق وفجور، نفاق، کفر، معصیت، یہ وہ حالتیں ہیں جو انسان کے لیے ناپسندیدہ ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت میں رہیں، گناہ سے خود کو بچائیں، معصیت کا ارتکاب ناپسندیدہ عمل ہے اگر تم ایمان پر رہو، ایمان کے تقاضے پورے کرو، کفر سے باہر نکل آؤ، اچھے اعمال کرو، برائیوں سے بچو تو یہی وصف ہدایت یافتگان کا ہے۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہی یہی ہے کہ وہ مسلسل رشد، ترقی اور کمال کی طرف گامزن ہو۔ حق تک پہنچنے کے لیے جد وجہد جاری رکھے۔ گمراہی، جہالت سے نفرت کرے۔

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۸

ترجمہ: ”اللہ کے فضل اور احسان سے، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔“

اللہ کا انعام

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے دلوں میں ایمان کی نورانیت کو ڈال کر اپنے بندوں کو بڑا انعام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دلوں میں معصیت سے نفرت، کفر سے نفرت، نفاق سے نفرت کی کیفیت پیدا کرکے اپنا فضل و کرم فرمایا ہے۔ اللہ کا ہر فیصلہ مصلحت اور حکمت کے مطابق ہے۔ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، ایمان کی محبوبیت دل میں پیدا ہونا اللہ کی جانب سے بڑا عطیہ ہے اور اللہ بغیر مصلحت و حکمت کے کوئی کام انجام نہیں دیتا۔ خدا کا ہر عمل ایک ہدف کے تحت ہے۔

وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴿۹﴾

ترجمہ: ”اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پس اگر ایک ان میں دوسرے پر ظلم کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے، پھر اگر وہ رجوع کرے تو ان دونوں میں انصاف سے صلح کرادو اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

جنگ کا خاتمہ اور صلح کی برقراری

اس آیت میں معاشرہ میں امن و امان کے قیام کی ضرورت پر زور دیا جارہا ہے۔ ایک ضابطہ اور قانون بنا دیا ہے کہ اگر معاشرہ میں موجود لوگوں کے درمیان اختلافات ہو جائیں، بعض دفعہ افراد میں اختلاف ہو جاتا ہے اور شخصی معاملات میں الجھاؤ ہوتا ہے تو اسے بھی حل کرنے میں توجہ دی جائے اور اگر اختلاف ایسا ہو کہ دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں،، دو مسلمان ملک آپس میں جنگ کریں، دو قبیلے آپس میں لڑ پڑیں تو حکم دیا گیا ہے کہ دوسرے مسلمان ان کے درمیان میں مداخلت کریں، جنگ بند کروائیں، ان کے درمیان صلح کرادیں۔ اگر ایک فریق مان جائے اور دوسرا فریق نہ مانے تو اس صورت میں یہ دیکھا جائے کہ ان میں باغی فریق کونسا ہے اور یہ بھی دیکھا جائے گا کہ کس نے دوسرے فریق کے خلاف جارحیت کی ہے۔ باغی اور جارحیت کرنے والے کے خلاف تیسرا فریق جو ان میں صلح کرانا چاہتا ہے وہ اس باغی فریق کے خلاف میدان عمل میں آجائے۔ اس جارح کے خلاف جنگ کی نوبت آجائے تو جنگ بھی کرے۔ اس باغی کو بالآخر مجبور کر دیا جائے کہ وہ صلح پر آمادہ ہو جائے جب صلح پر آمادہ ہو جائے تو پھر ضابطہ اور قانون یہ ہے کہ عدل پر مبنی فیصلہ دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ معاشرے میں عدل کے قیام کو چاہتا ہے اور عدل نافذ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٠﴾

ترجمہ: ”بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں سو اپنے بھائیوں میں صلح کرادو، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

مومنین کا باہمی تعلق و رابطہ

اس آیت میں صاحبان ایمان کے باہمی تعلق وارتباط کے بارے بیان کیا جارہا ہے اور اس میں باہمی تنازعات اور اختلافات جو حل طلب ہیں ان کے حل بارے بھی حکم دیا گیا۔ اس سے پہلی آیت میں جماعتوں، حکومتوں اور قبائل کے درمیان جنگ و جدل اور جھگڑے کو نپٹانے کی بابت ضابطہ اور قانون بتایا گیا۔ اس آیت میں انفرادی اختلافات کی بات کی جارہی ہے۔ مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں، یہ ایمانی برادری اللہ نے قائم کر دی ہے۔ یہ ایمانی برادری جس نے قیامت کے دن اور حساب وکتاب کے بعد جنت الفردوس میں جانے تک باقی رہنا ہے، ایمانی برادری نسبی برادری سے زیادہ مضبوط ہے۔ اس برادری کا تقاضا ہے کہ جب دو مومن بھائیوں میں کسی بھی حوالے سے اختلاف ہو جائے تو ان کے اختلاف کو دُور کرنے میں اپنا کردار ادا کرو، ان میں صلح کرا دو۔ اسلام میں صلح کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اصلاح ذات البین کا ثواب عام روزہ نماز سے بھی زیادہ ہے۔ ایمان برادری کے آداب اور تقاضوں کا خیال رکھا جائے۔[1]

پیغام: مؤمنین کے درمیان اصلاح کا عمل بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، تمام مومنین الٰہی تقویٰ کے تحت رہیں، اللہ کے قوانین و ضابطوں اور احکام کی

---

[1] ۔ اصول کافی جلد ۲، میں امام جعفر الصادق علیہ السلام سے حدیث نقل ہوئی ہے کہ مومن مومن کا بھائی ہے، مومن کے لیے آنکھ ہے۔ مومنین کے لیے راہنما ہے، وہ اپنے مومن بھائی سے خیانت نہیں کرتا، اسے دھوکہ نہیں دیتا، اس پر ظلم نہیں کرتا، اگر اسے کوئی وعدہ دے تو اس وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

پیروی کریں۔ ایمانی بھائیوں کے درمیان صلح کروانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ تمہارے اوپر اللہ کی خاص رحمت ہوگی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ ہی عورتیں عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے پر عیب نہ لگایا کرو اور ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد نہ کیا کرو، ایمان لانے کے بعد برا نام لینا نامناسب ہے اور جو لوگ باز نہیں آتے پس وہی لوگ ظالم ہیں۔“

اسلامی اقدار

اس آیت میں معاشرہ کے اندر انسانی اقدار کی بات کی گئی ہے ایسے امور جو معاشرہ میں بگاڑ کا سبب بنتے ہیں ان سے روکا گیا ہے۔ پہلی آیات میں معاشرہ سے افتراق کا خاتمہ اور سماج کی اصلاح اور صلح کرانے کا حکم دیا گیا تاکہ معاشرہ میں استحکام رہے، افراتفری اور انتشار نہ ہو۔ اس آیت میں ایسے اعمال سے منع کیا ہے جو معاشرہ میں انتشار کا سبب بنتے ہیں۔

نفرتوں کا موجب بننے والے اعمال

بہت سارے امور ایسے ہیں جن کو انجام دینے سے انسانی معاشرہ تباہ ہو سکتا ہے ان میں جو بہت زیادہ اہم ہیں ان کو اس آیت میں بیان کیا گیا جو کہ حسب ذیل ہیں:۔

تمسخر اڑانا

انسان کسی دوسرے کے عمل کو اس طرح تنقید کا نشانہ بنائے، اپنی زبان سے، اشارہ سے یا اس جیسا کام کرکے دکھانے سے جس سے اس شخص کی تحقیر و تنقیص ہو رہی ہو اور دوسرے لوگ اس پر ہنسیں۔ آیت میں کہا گیا ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کا تمسخر نہ اڑائے قوم سے مراد افراد کا گروہ اور جماعت مراد ہے۔ خواتین کو اس جگہ علیحدہ ذکر کیا ہے کیونکہ خواتین میں ایسا عمل زیادہ ہوتا ہے۔ اس حکم کو بیان کرنے میں خواتین کو علیحدہ کیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں۔ یہ اس لیے کیا کہ عورتوں میں ایسا زیادہ ہوتا ہے۔ واضح بیان کر دیا کہ جو شخص چاہے مرد ہو یا عورت جب کسی دوسرے کی تحقیر کرتا ہے، اس کے اعمال کا مذاق اڑاتا ہے یا اس کی گفتگو کے انداز کا، یا اس کی چال ڈھال کا یا اس کے لباس کا، یا اس کی نشست و برخاست یا اس کے ہمنشینوں کے حوالے اس پر زبان اعتراض کھولے، اس انداز سے اس کے اس عمل کو یا اس حالت کو نشانہ بنائے کہ سننے اور دیکھنے والے ہنسنا شروع ہو جائیں یہ ناجائز اور گناہ ہے۔

دوسرے کو بہتر سمجھنا

اس منفی رویہ سے منع کرنے کی حکمت بھی بیان کر دی ہے کہ آپ مرد یا خواتین جب دوسرے کے بارے تحقیر آمیز گفتگو کرتے ہو اس کا تمسخر اڑاتے ہوں یا اس کے کسی عمل

یا حالت کو اس کے لیے عیب قرار دیتے ہوں تو ہو سکتا ہے وہ کسی اور حوالے سے تم سے بہت بہتر ہو اور وہ اللہ کا مقرب ہو۔

اپنے عیبوں کو دوسرے کے لیے بیان کرنا

ایک اور امر جس سے منع کیا ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کو چاہے مرد ہو یا عورت اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اپنے عیوب اور گناہوں کو دوسروں کے سامنے بیان کرے کیونکہ مسلمان ایک معاشرہ اور سوسائٹی میں زندگی گزار رہے ہوتے ہیں سب ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، سب آپس میں بھائی بھائی ہیں جس طرح دوسرے کے عیب کو تلاش کرنا منع ہے اسی طرح اپنے پوشیدہ عیب اور درپردہ انجام دیئے گئے گناہ کو معاشرے میں بیان کرنا معاشرہ کے لیے اتنا ہی نقصان دہ ہے جیسا دوسروں کے عیوب کو بیان کرنے کا نقصان ہے کیونکہ اس سے گناہوں کو پھیلانے اور عام کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اسلام نہیں چاہتا کہ معاشرہ میں گناہوں کا رواج ہو، اسلام صالح اور نیک معاشرہ کی تشکیل چاہتا ہے۔

دوسروں کو برے القاب دینا

اسلام اپنے پیروکاروں کو ادب سکھاتا ہے، آپس میں کس طرح رابطہ رکھیں، اس بارے بھی ہدایت و راہنمائی دیتا ہے۔ ایک اہم حکم یہ ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا احترام کرے ہر وہ عمل جو بے احترامی کا سبب ہو اسے انجام نہ دے لہٰذا با قاعدہ ایک قانون اور ضابطہ بنا دیا کہ کوئی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو برے لقب سے یاد نہ کرے، برا لقب ایسا نام و عنوان ہوتا ہے جو دوسرے کی مذمت اور تذلیل کے لیے بولا جاتا ہے۔

کسی کو طعنہ دینا کہ تم تو فلاں ہو، آپ تو اتنے برے تھے اب بڑے نیک بنتے ہو۔ اس جرم کی وضاحت میں کہہ دیا کہ کسی کی طرف گناہ کی نسبت دینا بہت ہی برا عمل ہے۔ جب ایک شخص دائرہ اسلام میں آگیا تو اسلام لانے سے پہلے وہ کیا کرتا تھا اور اس کی کیا شہرت تھی

اب اس کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ اسلام لانے سے پہلے والے اس کے اعمال کو حوالہ بنا کر اس کی طرف نسبت نہ دی جائے۔

اسی طرح وہ شخص جس نے گناہ کیا پھر توبہ کر لی تو پہلے والے اس کے گناہ کو اس کی طرف نسبت دینا کہ تم تو فلاں ہو جیسے کوئی شرابی تھا یا جواری تھا یا ڈاکو تھا وغیرہ اب جبکہ وہ توبہ کر چکا تو اب اسے شرابی کہہ کر یا ڈاکو کہہ کر پکارنا جائز نہیں ہے۔

گناہ کے ارتکاب کا نتیجہ

اس جگہ معاشرتی حوالے سے بعض امور سے منع کیا گیا۔ اگر کوئی شخص ایسے اعمال بجا لاتا ہے تو اس کا شمار ظالموں سے ہو گا، وہ ستمگار ہے اور جو بھی اس قسم کے گناہ سے توبہ نہ کرے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے کیونکہ اللہ نے جب ان امور سے منع کر دیا اور ایک شخص اللہ کے حکم کی پرواہ نہ کرے اور ایسے جرائم کا ارتکاب کرے اور معاشرہ میں بگاڑ اور افتراق کا سبب بنے تو ایسے شخص کے لیے دردناک عذاب ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو، کیوں کہ بعض گمان تو گناہ ہیں، اور ٹٹول بھی نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی سے غیبت کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو اس کو تو تم ناپسند کرتے ہو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے۔“

معاشرہ کو تباہ کرنے والے امور

بدگمانی کرنا: ایک عمل جو بہت ہی خطرناک ہے وہ ہے دوسرے کے بارے بدگمانی کرنا اور اس کے متعلق غلط سوچ رکھنا۔

گمان کرنا: کسی کے بارے دل میں کوئی خیال آنا کہ یہ شخص ایسا ہے اور ویسا ہے اس نے ایسا کیا ہو گا یا نہ کیا ہو گا۔ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے ایسے ادراک اور سوچ سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے اس لیے حکم اس طرح دیا گیا کہ بعض گمان گناہ ہیں بعض ایسی بدگمانی کسی کے بارے کرنا اور پھر اس بدگمانی کے مطابق اقدام کرنا جس کے بارے برا خیال کیا ہے اس کی توہین کرے یا اس کی طرف گناہ کی نسبت دے دے۔ جبکہ درحقیقت ایسا نہ ہوا اس کا خیال و گمان نادرست ہو لہٰذا گمانوں اور خیالات پر نتائج مرتب نہ کئے جائیں۔

اللہ نے فرمایا ہے: "کثیرا من الظن" گمانوں میں سے زیادہ تر، شاید یہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ بدگمانی کا گناہ خود بخود زیادہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زیادہ تر مظنونات جو گمان کئے جاتے ہیں ان سے دور رہنے کی طرف اشارہ ہو۔ چاہے ایسا گمان کہ جن کے متعلق جانتے ہو کہ گناہ ہیں اور ایسے گمان کہ جن کے بارے نہیں جانتے کہ وہ گناہ ہوں تاکہ آپ کو یقین ہو جائے کہ آپ نے ظن و گمان کی وجہ سے جو گناہ کیا ہے اس کا آپ نے ارتکاب ہر لحاظ سے نہیں کیا۔

اس بات سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ آپ اپنے معاشرتی معاملات میں اور باہمی ارتباطات و تعلقات میں گمان و خیال و اندازوں کو بنیاد نہ بناؤ اور گمانوں کی بنیاد پر اپنے تعلقات کو استوار نہ کرو، اسلام ایک مربوط اور محبت پر مبنی معاشرہ کی تشکیل چاہتا ہے۔ بدگمانیوں پر اگر نتائج مرتب کئے جائیں تو معاشرہ درہم برہم ہو کر رہ جائے۔

جاسوسی کرنا: اہل ایمان کو دوسرے مومنین کے پوشیدہ معاملات کے بارے ٹوہ لگانا، ان کی اطلاعات حاصل کرنا اس سے منع کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے لیے اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے عیوب کی تلاش میں لگے رہیں۔ ایسے معاملات جس کو دوسرا شخص منظر عام پر نہیں لانا چاہتا وہ اُمور ایسے ہوں جو اسلام میں صحیح ہیں یا ایسے ہوں جو گناہ ہیں البتہ جاسوس اور خفیہ اطلاعات ایک وسیع عنوان ہے اس جگہ جس بات کا صریحاً منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام افراد ایک دوسرے کے عیبوں کی تلاش میں رہیں اور دوسرے کے رازوں کو معلوم کرنے پر اپنا وقت صرف کریں۔ لیکن حکومتی سطح پر اور معاشرہ سے فساد کے خاتمہ اور نظم وانضباط کے قیام کی نیت سے معلومات حاصل کرنا تاکہ فسادیوں کے بارے آگہی حاصل کی جائے تو اس کی خاص شرائط کے تحت اجازت ہے لیکن کسی عام آدمی کو یہ حق نہیں کہ دوسروں کے نجی معاملات بارے خفیہ معلومات حاصل کرے اور اس شخص کے خلاف کسی قسم کا اقدام کرے۔ خود ایسا کرنا جرم ہے چاہے اس پر اثر مرتب کرے یا نہ کرے۔

غیبت کرنا: ان ممنوعہ اعمال سے ایک عمل غیبت کا ہے۔ غیبت کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کی عدم موجودگی میں کسی شخص کا ایسا گناہ جس کے بارے اس دوسرے شخص کو علم ہو چکا ہے اور تیسرا شخص اس سے آگاہ نہیں یہ دوسرا شخص اس کے اس گناہ کو اور اس کے عیب کو جو کہ پوشیدہ ہے، غیب ہے تیسرے شخص کے سامنے پہلے شخص کی عدم موجودگی میں بیان کرے۔ کیونکہ اگر غیبت کا عمل معاشرہ میں عام ہو جائے تو اس سے فتنہ و فساد جنم لیتا ہے وحدت کی فضاء ختم ہوتی ہے بداعتمادی کو فروغ ملتا ہے۔ یہ دیمک کی مانند ہے جو انسان کے اجتماعی بدن کو تباہ کرکے رکھ دیتی ہے۔ غیبت افراد کی اجتماعی حیثیت اور ایمان دونوں کو برباد کر دیتی ہے کیونکہ جس کی غیبت کی جارہی ہوتی ہے وہ خود موجود نہیں ہوتا اور اپنا دفاع نہیں کر سکتا اور سننے والوں کے نزدیک اس کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔

غیبت کی مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ جس شخص کی غیبت کی جارہی ہے وہ غیبت کرنے والے کا دینی بھائی ہے اور اپنے بارے غیبت سے بے خبر ہے اور اپنا دفاع نہیں کر سکتا، تو وہ مردہ شخص کی مانند ہے۔ جبکہ اگر ہم غیبت کے ذریعہ جس گناہ کو اس کی طرف نسبت دے رہے ہیں اگر وہ خود موجود تو ہو اپنے اوپر لگنے والے الزام کا دفاع کر سکتا ہے، اصل صورتحال بیان کر سکتا ہے جس طرح زندہ شخص کے بدن کو کوئی نقصان پہنچے تو وہ اپنے زخم پر مرہم رکھ سکتا ہے جبکہ مردہ ایسا نہیں کر سکتا۔

اسی طرح جب ایک شخص کی غیبت کی جاتی ہے وہ مردہ جسم کے اعضاء کی مانند ہے کہ ان پر جتنی ضربیں لگاؤ وہ اس کی تلافی نہیں کر سکتا۔

قرآن نے جو مثال دی ہے یہ ایک امر ثابت و تسلیم شدہ ہے کیونکہ کوئی بھی اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ وہ مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ اس امر سے کراہت اور ناپسندیدگی ایک حتمی اور یقینی امر ہے۔ اسی بنیاد پر مؤمنوں کو غیبت سے نفرت ہونی چاہیے۔

جس طرح غیبت کرنا گناہ ہے اسی طرح غیبت سننا بھی گناہ ہے۔ غیبت اتنا بڑا جرم ہے کہ اسے زنا اور قتل سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے اور روایات میں اس گناہ کرنے والوں کو جہنمی کتوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ غیبت کرنے ولا فاسق ہے، اس کی عدالت ختم ہو جاتی ہے اسلام کہتا ہے کہ غیبت کی بجائے دوسروں کے بارے نیک گمان رکھو۔ انہیں اچھے الفاظ سے یاد کرو، ان کی اچھائیوں اور خوبیوں کا تذکرہ لوگوں میں کرو۔

تاکید مزید: اس گناہ سے منع کرنے میں مزید تاکید اس طرح کر دی کہ حکم دیا اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ کا لحاظ رکھو کہ تم دوسروں کے بارے بدگمانی کرو یا ان کی غیبت کرو۔ اگر اب تک تم نے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا ہے تو اب ان اعمال سے توبہ کرو ایسے گناہوں سے دُور رہو، جن کی غیبت کی ہے جن کے بارے بدگمانی کی ہے اور نتیجہ مرتب کیا ہے تو ان کا حق ضائع کیا ہے ان سے بھی معافی مانگو۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو، بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار (صاحبِ تقویٰ) ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار (آگاہ) ہے۔''

انسان کی خلقت اور فضیلت کا معیار

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی خلقت بارے بیان کیا ہے کہ سارے انسان ایک آدم اور ایک حوا (مرد و عورت) کی اولاد ہیں۔ سب کی خلقت مرد اور عورت سے ہوئی ہے۔ اللہ نے حضرت آدم اور حضرت حوا کو خلق کیا پھر ان کا ملاپ ہوا، دو سے چار ہوئے، چار سے آٹھ، آٹھ سے سولہ اور اسی طرح خاندان بنے، خاندانوں سے قبائل تشکیل پائے اور قبائل واقوام بنتی گئیں۔ لہٰذا انسان ہونے کے ناطے سب ہی ایک جیسے ہیں کسی کو کسی دوسرے پر فخر و مباہات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ یہ عمل اللہ کی طرف سے ایک غرض و ہدف کے تحت انجام پایا ہے کیونکہ اللہ کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہے خاندان قبائل اور اقوام ایک دوسرے کی پہچان کا ذریعہ ہیں یہ سب اس لیے قرار دیا کہ انسان ایک دوسرے کو پہچان سکے، اللہ کا اپنا نظام ہے، ہر انسان جو وجود میں آتا ہے وہ اپنی نئی شکل و ہیئت لے کر آتا ہے، ہاتھ کے پوروں اور انگلیوں میں موجود لکیریں ہر انسان کی دوسرے انسان سے مختلف ہیں اور ہر ایک کا جین دوسرے سے مختلف

ہے یہی امر ایک دوسرے کو پہچاننے کا ذریعہ ہے اور اللہ کی خالقیت و مالکیت پر دلیل بھی ہے یہ بڑا ہی دقیق نظامِ خلقت ہے۔ جو ایک علیم و مقتدر، حکیم خالق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

کرامت و عزت کا معیار

انسان ہونے میں سب ہی حضرت آدم اور بی بی حوا کی اولاد ہیں۔ اس لحاظ سے جو انسان اپنے خالق اور مالک کے قوانین پر عمل کرتا ہے اور مخالفت نہیں کرتا وہ صاحب تقویٰ ہے جو بھی جتنا صاحب تقویٰ ہو گا وہ اتنا ہی با کرامت ہو گا۔ کسی بھی انسان کی فضیلت و عظمت کے لیے معیار تقویٰ ہے اسی کے حساب سے وہ دوسرے سے فضیلت و کرامت و عزت میں برتر ہو گا لہٰذا مال، دولت، پیسہ، رنگ، نسل، زبان، عہدہ، معلومات، جسمانی ساخت، شکل و صورت کوئی فضیلت کا معیار نہیں، فضیلت کا معیار فقط تقویٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مصالح اور ان کے منافع و مفادات بارے آگاہ ہے اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو فضیلت کا معیار قرار دیا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ تقویٰ والی فضیلت ایک حقیقی غرض و غایت ہے اس کے علاوہ جسے بھی ہدف بناؤ گے وہ سب عارضی ہے اور جز وقتی ہے۔ تقویٰ والی حیثیت ہی دائمی و حقیقی ہے۔

پیغام: انسان اپنے شکل وصورت، رنگ وزبان کو اپنے لیے فخر ومباہات کا وسیلہ قرار نہ دے سب انسان اولاد آدم وحوا ہونے کے حوالے سے برابر ہیں جبکہ اللہ کے ہاں عزت و کرامت کا معیار تقویٰ ہے لہٰذا ہر انسان کو تقویٰ اپنانے پر توجہ دینی چاہیے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”بدویوں نے کہا ہم ایمان لے آئے ہیں، کہہ دو تم ایمان نہیں لائے لیکن تم کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو تو تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا، بے شک اللہ بخشنے والا اور نہایت رحم والا ہے۔“

اسلام اور ایمان کا فرق

اس آیت میں اسلام اور ایمان کے فرق کو بیان کیا ہے۔ اسلام کے بنیادی عقائد، توحید، رسالت، قیامت، کا زبان سے اقرار کرنا اسلام ہے۔ انسان زبان سے کلمہ شہادتین پڑھ لے اور یہ کہہ دے جو بھی اللہ کا دستور ہے اس پر عمل کروں گا چاہے دل سے اس کا یہ اعتقاد ہو یا نہ ہو۔ اس پر اسلام کے آثار مرتب ہوں گے، اس کا خون محترم ہو گا، اس کا مال محترم ہو گا اس کی آبرو محترم ہو گی، نکاح اس سے حلال ہو گا، وراثت لے سکے گا۔ اسلام کے تمام ظاہری احکام اس پر لاگو ہو جائیں گے۔

ایمان سے مراد

ایمان کا تعلق دل سے ہے اس کا معنی یہ ہے انسان جو کچھ زبان سے اقرار کر رہا ہے دل سے اسے تسلیم کرتا ہو۔ ان الفاظ کے معانی کی حقانیت کا اسے یقین ہو۔ جو دل سے قبول کرتا ہے تو اس کے آثار اس کی زبان اور اعضاء و جوارح سے ظاہر ہوں۔ دل سے یقین اور اعضاء و جوارح سے عمل کرنا ایمان ہے۔

بادیہ نشین عربوں سے خطاب

اس آیت میں دیہاتی اور بادیہ نشین عربوں سے خطاب ہوا ہے کہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور گویا کہ رسولؐ پر احسان جتلاتے ہوئے یہ اعلان

کرتے ہیں؛ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ وہ ظاہری طور پر اقرار کر رہے تھے اور اپنے اقرار کو ایمان قرار دے رہے تھے تو اللہ کی طرف سے ان کے ایمان کی نفی کر دی گئی اور یہ بات بعد والوں کے لیے بھی سمجھا دی گئی۔ ایک ضابطہ دے دیا کہ خالی زبان سے اقرار اسلام ہے ایمان نہیں۔ کیونکہ ایمان کا تعلق دل سے ہے ان بادیہ نشین عربوں نے ابھی تک یقین نہیں کیا تھا کہ جو کچھ وہ زبان سے کہہ رہے ہیں ایسا ہی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے اس جگہ بادیہ نشین عربوں کو خطاب ہے لیکن قیامت تک آنے والے انسانوں کو سمجھا دیا کہ ایمان اس وقت ہو گا جب سچے دل سے اخلاص کے ساتھ بغیر کسی رکھ رکھاوے کے رسولؐ کی دعوت کو قبول کرو۔ اعتقاد اور عمل میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی جزاء اور ثواب سے کچھ بھی کم نہ کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ مہربان ہے اپنے بندوں پر اور ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا ہے۔ تمہارے اوپر اپنی رحمت کا فیضان جاری رکھے ہوئے ہے وہ تمہاری کمزوریوں پر پردہ ڈال دیتا ہے، تمہارے اعمال کا بہت ہی عمدہ بدلہ دے گا۔

اس آیت میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت نہیں کرے گا تو اس سے اس کا عمل ناقص ہو گا اور ان کا اجر کم ہو جائے گا جیسا کہ سورہ محمدؐ میں فرمایا آیت ۳۳:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور عدم اطاعت سے اپنے اعمال کو باطل اور ضائع نہ کرو۔''

پیغام: زبانی اقرار پر اکتفاء نہ کیا جائے جو اقرار کیا ہے اس اقرار کو یقین و تسلیم کی حد تک پہنچایا جائے اور اسلام کے ساتھ ساتھ ایمان کی معنویت کو حاصل کیا جائے۔ ایمان عقیدہ اور عمل کا نام ہے۔ یہ زبانی اقرار سے اگلی منزل ہے اور اسی حالت میں پہنچنے سے ہی اُخروی اجر

وثواب ملے گا وگرنہ دنیاوی فوائد ہی آپ کے نصیب ہوں گے اور آخرت میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ”بے شک سچے مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہ کیا اور اپنے اموال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی سچے (مسلمان) ہیں۔“

حقیقی مومن

اس آیت میں حقیقی مومنوں کی توصیف بیان کی گئی ہے سچے ایمان والے وہ ہیں جن میں چار صفات موجود ہوں:۔

ا۔ پہلے اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لے آئیں۔ دل سے اعتراف کریں، یقین کی منزل پر ہوں۔ توحید ورسالت کی حقانیت پر یقین اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے اوامر کی پیروی کرنا۔

۲۔ ایمان اس طرح دل میں مستقر اور قائم ہو کہ اس میں کسی طرح شک و شبہ کے لیے راہ نہ ہو۔

۳۔ پوری جدوجہد اور کوشش کرے اللہ کے پیغام اور دین کی ترویج کے لیے اپنے مال سے۔

۴۔ دین کے لیے اپنی جانوں کو دینے کے لیے بھی آمادہ رہیں۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''کہہ دو کیا تم اللہ کو اپنی دین داری جتاتے ہو، اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے، اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔''

بادیہ نشین عربوں کی سرزنش

اس آیت میں بادیہ نشین عربوں کی سرزنش کی گئی ہے کہ اُنہوں نے ایسا انداز اپنایا کہ ہم تو ایمان لائے ہیں جبکہ انہوں نے دل سے ان عقائد کو تسلیم نہیں کیا تھا وہ اس طرح کا اظہار کرکے بتانا چاہ رہے تھے کہ ہم مومن ہیں ان کا مقصد یہ تھا کہ جو مفاد مسلمان کے لیے ہے اس میں شریک ہو جائیں یہاں تک کہ ان کو بتا دیا گیا کہ تم نے دل سے ان عقائد کو تسلیم نہیں کیا فقط زبان سے اقرار کیا ہے لہٰذا تم لوگ مسلمان ہو، مومن نہیں ہو اور ساتھ ان کو سرزنش کی گئی کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ کو پتہ نہیں ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے اور تم کس نیت سے اقرار کرتے ہو۔ اللہ تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب سے آگاہ ہے وہ تو ہر چیز سے آگاہ ہے۔ اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''آپ پر اپنے اسلام لانے کا احسان جتاتے ہیں، کہہ دو مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتلاؤ، بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے ایمان کی طرف تمہاری راہنمائی کی اگر تم سچے ہو۔''

اللہ کا احسان

اس آیت میں ایک اہم نکتہ کو بیان کیا گیا ہے عرب بادیہ نشین رسول اللہؐ کے پاس آئے اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ ان کا انداز ایسا تھا جسے وہ رسول اللہؐ پر کوئی احسان کر رہے ہیں تو اس جگہ انہیں سرزنش کرتے ہوئے یہ کہہ دیا گیا کہ تم اسلام لانے کو اللہ کے رسولؐ پر احسان نہ جانو بلکہ معاملہ برعکس ہے۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے اس کا کرم ہے کہ کوئی ایمان لے آئے۔ اللہ کی مہربانی نہ ہو تو کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔ اسباب و علل سب اللہ کے حکم سے تاثیر گذار ہیں اگر تم اپنے دعویٰ میں سچ بول رہے ہو تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ تمہیں ایمان کی دولت لینے کی توفیق دی ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے اسباب بنا دیئے کہ تم اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لے آؤ۔ اس آیت میں باتیں ایک اسلامی مسلمہ اصول کے طور پر بیان ہوئی ہیں۔

ا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس بات کو احسان قرار دیا جائے وہ ایمان ہے اس ایمان کی وجہ سے دُنیا اور آخرت کی سعادت ظاہری اور ابدی سرفرازی اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اسلام تو کوئی ایسی حالت نہیں کہ جسے بڑی بات قرار دے کر احسان جتلایا جائے یا کسی پر منت چڑھائی جائے لہٰذا اسلام کا حوالہ دے کر رسول اللہؐ پر منت چڑھانا بالکل ہی غلط ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہی ظاہری اسلام جو ہے اسے بھی رسول اللہؐ پر احسان چڑھایا کہ تم نے ان پر کوئی احسان کیا ہے، رسول اللہؐ تو ہدایت دینے کے لیے مامور ہیں، ان کے اسلام سے رسول اللہؐ کو کچھ منفعت ملنے والی نہیں، ان کی ذمہ داری ابلاغ اور بات کو ان تک پہنچا دینا ہے اور اسلام لانے کا ظاہری فائدہ بھی خود ان ہی کو ملتا ہے نہ کہ رسول اللہؐ کو اس کا فائدہ ملنا ہے۔

۳۔ اگر بات احسان کی ہو منت چڑھانا ہو، اگر وہ اپنے اعلان میں سچے ہوں کہ جو کہہ رہے ہیں اس کے دل سے قائل بھی ہیں تو پھر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ان کے لیے ہدایت کے اسباب مہیا کیئے ہیں اور انہیں دین حق کی راہنمائی دی ہے۔

رسول اللہؐ سے روایت آئی ہے، حدیث نبوی ایمان کے تین ارکان ہیں:۔

زبان سے اقرار۔ دل سے یقین۔ اعضاء و جوارح سے عمل

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ”بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی سب مخفی چیزیں جانتا ہے، اور دیکھ رہا ہے جو تم کر رہے ہو۔“

اللہ کا علم

اس سورہ میں چند مطالب کو بیان کیا گیا بالخصوص آخری آیت میں سابقہ آیات کی علت کے طور پر بیان کیا ہے اور ضابطہ کلی بھی بتا دیا کہ یہ اللہ ہی ہے جس کو ہر شئی کا علم ہے۔ اللہ آسمانوں کے غیب سے آگاہ ہے جو آسمانوں میں سے جو کچھ انسان پر مخفی ہے اللہ اس سے بھی آگاہ ہے۔ زمین میں جو کچھ پوشیدہ ہے انسان سے، اللہ اس سے آگاہ ہے اور جب ایسا ہے تو جو کچھ انسان عمل کرتا ہے کون ایمان لاتا ہے کون نہیں لاتا، کون کس نیت سے کیا عمل کرتا ہے اور کون کیا کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ سب سے آگاہ ہے۔ ہر شئی اس کے محضر میں موجود ہے۔ اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے۔

پیغام: کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے صاحب ایمان ہونے پر اترائے نہیں اگر وہ نیک اور صالح ہے تو اپنی نیکیوں نہ اترائے کیونکہ کسی کا مسلمان ہونا، ایمان کی نعمت سے بہرہ ور ہونا اور نیک و صالح ہونا تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ وہ شخص ایسا ہے ایک مسلمان

کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور اپنے ہر عمل کو اللہ کی دی ہوئی توفیق قرار دے اور غرور و تکبر سے بچا رہے۔

سورۃ ق

(مکی۔ کل آیات: ۴۵)

سورہ کے مطالب

معاد کا حوالہ دے کر دعوت و انذار، مشرکین کے بارے بیان، مشرکین کی دھمکیاں اور ان کے جواب، علم الٰہی کی وسعت، خلق و تدبیر بارے بیان، انسان کے حالات اس کی حرکات و سکنات، انسان کے خیالات و افکار کے دقیق نظام کی وضاحت۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قٓ ۚ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: ”قٓ، اس قرآن مجید کی قسم۔“

”قاف“ حروف مقطعات اور قرآن کے رموز سے ہے۔ ق کے بارے یہ کہا گیا ہے کہ قہرالٰہی کی طرف اشارہ ہے۔

”مجید“ کا معنی شرف، بزرگی، وسعت ہے۔ اس جگہ قرآن شریف، قرآن مجید، قرآن عظمت والا، شان والا اس کی قسم اٹھائی ہے قسم کا جواب حذف ہوا ہے جو بعد والی آیت سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ اللہ فرما رہا ہے قرآن مجید کی قسم ہے کہ قیامت کے دن قبروں سے اٹھایا جانا اور اس واقعہ کی بنیاد پر ڈرانا یہ مطلب برحق ہے۔ انسان کا مرنے کے بعد اٹھایا جانا برحق ہے اور اس کا حوالہ دے کر لوگوں کو ڈرایا جانا بھی برحق ہے۔

بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ فَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا شَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ۚ﴿۲﴾

ترجمہ: ”بلکہ وہ تعجب کرتے ہیں کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آیا پس کافروں نے کہا کہ یہ تو ایک عجیب بات ہے۔“

ءَ اِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِکَ رَجۡعٌۢ بَعِیۡدٌ ﴿۳﴾

ترجمہ: ”کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے، یہ دوبارہ زندگی بعید از قیاس ہے۔“

رسول اللہؐ انذار دینے والے

اس آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے ہم نے رسول اللہؐ کو منذر بنا کر بھیجا ہے وہ لوگوں کے پاس ڈرانے کے لیے آئے ہیں۔ کافر جو رسول اللہؐ پر ایمان نہیں لائے وہ اس پر حیرت زدہ ہیں کہ ان کو ڈرانے والا خود ان سے کیوں آیا ہے۔ مشرکین اس بات کے انکاری تھے کہ انسان کے پاس نبوت کا عہدہ ہو بلکہ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ اللہ کا نمائندہ فرشتوں سے ہونا چاہیے۔ کافر حق کو چھپانے والے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ امر بڑا ہی عجیب و غریب ہے کہ ہم مرنے کے بعد خاک ہو جائیں، مٹی میں مل جائیں، پھر ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ ایسی بات ہے جسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ ہماری عقل میں یہ بات نہیں بیٹھتی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی قسم اٹھا کر یہ بتادیا کہ اے رسولؐ یہ سچ ہے اس میں ذرا جھوٹ نہیں کہ تم ڈرانے والے ہی ہو چاہے یہ کفار اس بات کا انکار کریں اور حق نہ مانیں یہ تو دوبارہ زندہ ہونے کو بھی نہیں مانتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ جب ہم خاک ہو جائیں گے تو پھر دوبارہ کیسے اٹھائے جائیں گے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿۴﴾

ترجمہ: ”ہمیں معلوم ہے جو زمین ان میں سے کم کرتی ہے، اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے۔“

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿۵﴾

ترجمہ: ”بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب کہ وہ ان کے پاس آیا پس وہ ایک الجھی ہوئی بات میں پڑے ہوئے ہیں۔“

معاد کے بارے شکوک و شبہات کا ازالہ

کافروں نے بعثت و معاد کا انکار کیا۔ وہ یہ کہنے لگے کہ ہم جب مارے جاتے ہیں، مٹی میں ملا دیئے جاتے ہیں ہم خاک بن جاتے ہیں تو اللہ فرما رہا ہے یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ان

انسانوں سے کون مرے گا اور جو زمین میں دفن ہو گا یہاں اس کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ فرماتا ہے ہم جانتے ہیں کہ ان کے بدنوں سے کتنی مقدار کو زمین کھا جاتی ہے اور اس کا بدن ناقص ہو جاتا ہے۔ ہمارا علم ایسا نہیں ہے، تمہارے بدن کے اجزاء سے کسی ایک جز کو حساب میں نہ لا سکیں تا کہ اسے واپس لانے میں دشواری کا سامنا ہو کہ جس کے بارے معلوم نہیں اسے دوبارہ پہلے کی مانند کیسے واپس لایا جائے گا؟ اللہ فرما رہا ہے ہمارے پاس ایک ایسی کتاب ہے جس میں ہر شئی کی تمام جزئیات محفوظ ہیں۔ ہر چیز کے تمام حالات، اس کے ہر قسمی اثرات، سب کچھ اس کتاب میں درج ہے۔ حادثات اور رونما ہونے والے واقعات اس کتاب میں کچھ بھی تبدیل نہیں کر سکتے نہ ہی اس کتاب میں تحریف ہو سکتی ہے۔ اس کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے کہ جو کچھ تھا یا جو کچھ ہو گا اور جو قیامت تک ہونا ہے، ماضی، حال، مستقبل سب کچھ اس کتاب میں محفوظ ہے، درج شدہ ہے اپنی اصلی شکل و صورت کے ساتھ موجود ہے۔

کافروں کی گفتار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت بارے جاہل ہیں، انہیں اللہ کے علم کی کیفیت اور کمیت کی خبر نہیں اور وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ چھوٹا، بڑا، جزئی، کلی ہر امر اللہ کے علم سے مخفی نہیں۔ اللہ اپنی مخلوقات کے حالات سے متعلق پوری طرح آگاہ ہے۔ اس بات کی وجہ کو بیان کیا جا رہا ہے تا کہ یہ توہم اور خیال دُور ہو جائے، کافروں کا قیامت کے بارے انکار اس وجہ سے ہوا وہ کلی طور پر حق کے منکر ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ معاد کا مسئلہ برحق ہے اس لیے وہ اس کا انکار کرتے ہیں ایسا نہیں ہے کہ وہ معاد کی حقانیت بارے جاہل ہوں لہٰذا وہ اس امر بارے حیرت میں ہیں اور سرگرداں ہیں۔ وہ ایک نامنظم اور دگرگوں حالت میں ہیں، انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ وہ اب کیا کہیں کہ وہ معاد کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ تو یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی تو کہتے ہیں قرآن سحر و جادو ہے، کبھی کہتے ہیں یہ شعر و خیال ہے، کبھی کہتے ہیں کھانت ہے، اور پہلے لوگوں کی کہانیاں اور خیالی قصے ہیں۔ ان

کا یہ بیان اس سے زیادہ شدید اور سخت کہ وہ اس کا سن کر تعجب و حیرت زدہ ہوں اس جگہ دو باتوں کا تقابل کیا جارہا ہے:۔

۱۔ کافر قرآن کے بارے کہتے ہیں کہ یہ سحر، کھانت ہے، پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں، شعر ہے وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ معاد کا سن کر، یا وہ یہ دیکھ کر کہ ڈرانے والا خود ان سے ہے۔ انسان ہے، جو اللہ کا نمائندہ بن کر آیا ہے۔ اس بات پر تعجب کرتے ہیں اور حیرت زدہ ہیں۔ پہلی صورت دوسری سے عجیب تر ہے۔

پیغام: قرآن حق پر مبنی ہے، اللہ کی کتاب ہے قرآن لانے والا اللہ کا نمائندہ ہے اور نبی برحق ہے قیامت کا برپا ہونا، مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے۔ اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ زَيَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۞

ترجمہ: ”پس کیا انہوں نے غور سے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے کس طرح اسے بنایا اور آراستہ کیا ہے اور اس میں کوئی بھی شگاف نہیں۔“

وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۞

ترجمہ: ”اور ہم نے زمین کو بچھا دیا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے اور اس میں ہر قسم کی جفت جفت خوشنما چیزیں اُگائیں۔“

تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝٨

ترجمہ: ''ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے یہ تذکرہ، بصیرت اور نصیحت ہے۔''

آسمان وزمین کی خلقت

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے تعجب اور حیرت میں پڑنے کا جواب دیا ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردہ جسموں کو جو خاک میں مل کر خاک ہو چکے ہونگے ان کو دوبارہ زندہ کیسے کرے گا؟ پہلے اللہ تعالیٰ نے آسمان کی خلقت کا بتایا ہے کہ ہر شخص اپنے اوپر آسمانوں کا نظارہ تو کرتا ہے آسمان پر جگ مگ کرتے بے شمار ستارے ہیں جنہوں نے اس پوری فضاء کو خوبصورت بنا رکھا ہے۔ اس فضاء کا بنانے والا اور اسے ستاروں سے زینت بخشنے والا اللہ ہی تو ہے تو اس کے لیے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا تو معمولی بات ہے۔ اس کے بارے تعجب کس بات کا کرتے ہو؟

اس کے بعد زمین کا تذکرہ کیا ہے، زمین پر انسان زندگی گزارتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین کا فرش ہم نے بچھایا ہے، اسے مسطح بنایا ہے لیکن اس کے استقرار کے لیے پہاڑوں کے مضبوط لنگر زمین پر پھینک دیئے ہیں تاکہ زمین حرکت کے باوجود اپنے اوپر بسنے والوں کو سکون دے سکے۔ اس زمین پر قسم قسم کے پودے اگا دیئے ہیں، رنگا رنگ کھیت اور پھول اور درخت اگائے ہیں اور نباتات کے ہر پودے کو جفت اور جوڑا بنایا ہے یہ سب خوبصورتی کو بڑھاتے ہیں دیکھنے والے کی آنکھیں ان سے سرور محسوس کرتی ہیں اور دل اس سے خوش ہوتے ہیں یہ کام سب اللہ نے کیا ہے تو اس زمین دفن ہونے والے مردہ کو دوبارہ اٹھانا تو کوئی مشکل کام نہیں، تعجب کس بات کا کرتے ہو؟

اللہ کے خالص بندے

آخر میں بتا دیا یہ سب امور ایسے انسان کے لیے آگہی دیتے ہیں جو اللہ کے خالص بندے ہیں، جن کا رجوع اللہ کی طرف ہے وہ سمجھتے ہیں یہ سب کچھ اللہ کی قدرت کے کمال کی نشانیاں ہیں، صانع یگانہ کے علم و حکمت پر دلالت کرتے ہیں۔

پیغام: آسمان و زمین کی آفرینش اور یہ سب عجائبات اور ان کی تدبیر کا بیان اس لیے ہے کہ یہ امر انسانوں کی بصیرت اور عبرت کا سامان مہیا کرے وہ انسان جو اللہ کی طرف زیادہ رجوع کرتے ہیں اور ہر نعمت کو پا کر اس کے عطاء کرنے والی ذات (منعم) کی پہچان کرتے ہیں؛ کیونکہ ہر اثر اپنے موثر پر دلیل ہوتا ہے۔ یہ سب اُمور اللہ پر ایمان لانے کا بہترین وسیلہ ہیں انکار کا جواز موجود نہیں۔

وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِيْدِ ۙ۝۹

ترجمہ: ”اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعے سے باغ اگائے اور اناج جن کے کھیت کاٹے جاتے ہیں۔“

وَ النَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۙ۝۱۰

ترجمہ: ”اور لمبی لمبی کھجوریں جن کے خوشے تہہ بہ تہہ ہیں۔“

رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَ اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝۱۱

ترجمہ: ”بندوں کے لیے روزی، اور ہم نے اس سے ایک مردہ بستی کو زندہ کیا، دوبارہ نکلنا اس طرح ہے۔“

اللہ کی عظمت اور قدرت کی نشانیاں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان کی ہیں:۔

۱۔ آسمان سے بارش کا اُتارنا اور یہ کہ بارش کا پانی بابرکت ہے۔ اسی سے انسان کی اور ہر شئی کی حیات وابستہ ہے۔

۲۔ نباتات، پانی اصل ہے اور اسی سے باغات وجود میں آئے ہیں، سبزہ زمین پر اگتا ہے کھیت لگتے ہیں، دانہ اور اجناس وجود میں آتی ہیں ان سے غذا تیار ہوتی ہے۔

۳۔ کھجور کے درخت کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا، لمبا درخت ہے اس کے خوشے بہت ہی منظّم و مرتب ہیں یہ سب اس پانی کی برکت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اُتارا ہے۔

بلندی سے پانی آنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی آنے کا وسیلہ بلندی ہی ہے۔ نیچے والا پانی بخارات بن کر اوپر جاتا ہے، بادل بنتے ہیں اور پھر وہ برستے ہیں اور پانی سے برکات زمین پر انسان کے لیے مہیا ہوتی ہیں۔

۴۔ پانی سے غیر آباد زمین کا آباد ہونا، پانی کے آتے ہی زمین پر ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا ہے۔

نتیجہ: ان مثالوں کے بعد نتیجہ نکالا گیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ پانی کی برکت سے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اس زمین پر رونق لوٹ آتی ہے، کھیت تیار ہو جاتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ مردہ جسموں کو دوبارہ حیات دے گا اور یہ تو اللہ کی قدرت سے بعید نہیں ہے یہ کافر لوگ کس طرح خیال کرتے ہیں کہ اللہ ان جسموں کو کیسے زندہ کرے گا جو مرنے کے بعد مٹی میں چلے گئے، خاک میں مل کر خاک ہو گئے تو یہ اتنی ساری مثالیں دے کر سمجھایا گیا ہے کہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”ان سے پہلے قوم نوح اور کنوئیں والوں نے اور قوم ثمود نے جھٹلایا۔“

وَ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''اور قوم عاد اور فرعون اور قوم لوط نے۔''

وَّ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ وَ قَوۡمُ تُبَّعٍ ؕ کُلٌّ کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیۡدِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اور ایکہ والوں اور قوم تبع نے، ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہمارا وعدہ عذاب ثابت ہوا۔''

کفار مکہ سے پہلے کی اقوام کا تذکرہ

ان آیات میں کفار مکہ کو یہ بتلایا جارہا ہے کہ تم پہلے لوگ نہیں ہو جو اللہ کے رسولؐ کی تکذیب کر رہے ہو، تم سے پہلی اقوام جو گذری ہیں انہوں نے بھی اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی ہے اور اللہ کے رسولوں نے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا لیکن انہوں نے ان کی آواز پر کان نہ دھرے۔ بالآخر انہیں سزا بھگتنا پڑی اور اللہ کا سخت ترین عذاب حسب وعدہ ان پر آن پڑا اور انہیں تباہ کر ڈالا۔ لہٰذا تم لوگ ان کے واقعات سے عبرت حاصل کرو۔

گذشتہ اقوام

یہ چند مشہور اقوام ہیں جو اس طرح ہیں:

اصحاب رس: ایسی قوم تھی جو کنوئیں کے پاس زندگی گذارتے تھے، انہوں نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا اور اللہ نے انہیں عذاب دیا اور وہ ہلاک ہو گئے۔

قوم نوح: حضرت نوحؑ کو جھٹلایا اور طوفان سے غرق ہوئے۔

قوم ثمود: صالح پیغمبر کی قوم مراد ہے جو قوم عاد کے بعد ہوئے ہیں۔ عاد ایسی قوم تھے جو احقاف کی سرزمین پر تھے اور عرب تھے۔ یہ لوگ ہود کی قوم تھے۔ صالح نبی اور ہود نبی کی قوموں نے اپنے نبیوں کی تکذیب کی اور اللہ نے انہیں عذاب دیا۔

قوم فرعون: حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ فرعون تھا، فرعون ربوبیت کا دعویدار تھا اور بنی اسرائیل پر خصوصی ظلم کرتا تھا۔

اخوان لوط: اس سے مراد لوط کی قوم ہے جو جنس پرستی کی غیر فطری عادت میں مبتلاء تھے۔ اپنے نبی کو جھٹلاتے تھے کسی قوم میں ان جیسا قبیح ترین عمل نہ تھا۔

اصحاب ایکہ: حضرت شعیبؑ کی قوم ہے ایکہ سے مراد گھنا جنگل ہے جس میں درخت کثرت سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ یہ لوگ کم فروشی اور ناپ تول میں کمی کے جرم کا ارتکاب کرتے تھے۔

تبع: یمن میں حمیر بادشاہوں میں سے ایک تھا اس کی قوم نے اس کی تکذیب کی اور اس کے نصائح پر عمل نہ کیا جس وجہ سے ہلاک ہوئے۔

سابقہ اقوام کا تذکرہ اس لیے کیا گیا کہ کفار مکہ کو یہ بات سمجھائی جائے کہ سابقہ ادوار میں جس قوم نے اللہ کے رسول کی تکذیب کی اور ان کی بات کو نہ مانا تو اللہ نے انہیں اسی دنیا میں سخت عذاب سے دوچار کیا۔ ان اقوام کے بارے کفار مکہ آگاہ تھے انہیں یہ بتایا گیا کہ جو اللہ کے ایک رسول کا انکار کرتا ہے تو گویا اس نے سارے انبیاء کی تکذیب کی ہے۔ جو رسالت الٰہی، اللہ کے پیغام کو پہنچانا ایک ذمہ داری ہے جس کے سپرد ذمہ داری دی جاتی ہے اس کی اطاعت واجب اور اس کی مخالفت ناجائز ہے۔ سابقہ انبیاء نے ان لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دی، انہیں عذاب سے ڈرایا گیا اللہ کے غضب کو بتایا گیا لیکن ان اقوام نے انبیاء کو جھٹلایا جس وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب اُترا۔ یہی کفار مکہ کا حال ہوگا، اگر انہوں نے اللہ کے رسولؐ کی دعوت کو قبول نہ کیا تو ان پر بھی سخت عذاب آئے گا۔

أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾

ترجمہ: ''کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے میں تھک گئے ہیں، (نہیں) بلکہ وہ لوگ از سرِ نو پیدا کرنے کے متعلق شک میں ہیں۔''

دوبارہ خلقت کا مسئلہ

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو ایک اور دلیل دے دی ہے کہ اے کافرو! ذرا سوچو! جب ہم نے ان سب کو پہلی مرتبہ خلق کیا جبکہ ان کی مانند پہلے کچھ نہ تھا تو ہم ان کی خلقت سے عاجز و ناتواں نہ ہوئے، ان کو خلقت کا خوبصورت لباس پہنا دیا، ان کے مرنے کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کرنا تو اس لیے آسان ہے کہ ان کا پہلے سے نمونہ موجود ہے، ویسا ہی انہیں دوبارہ خلق کرنا ہے۔ ہم نے پہلے انہیں اپنی طاقت اور اپنے علم سے خلق کیا اور ان کے سارے نظامات کو ترتیب دیا، ہماری طاقت اور ہمارا علم تو اسی طرح باقی ہے اس سے تو کچھ کم نہیں ہوا۔ لہٰذا ہم ان کی دوبارہ خلقت سے عاجز نہیں ہیں لیکن کافروں کو اسی بارے شک ہے اور وہ اشتباہ میں پڑے ہیں لہٰذا انہوں نے قیامت اور معاد کا انکار کر دیا ہے، ان کے پاس اس انکار کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کے دل میں گزرتا ہے، اور ہم اس سے اس کی رگ گلو سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

انسان کا وسواسی ہونا

وسوسہ سے مراد غلط اور پست سوچوں کا دماغ میں خطور کرنا ہے۔ انسان کی خلقت کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے اس سے مراد انسان کا تدریجی اور ہر آن تبدیل ہونے والا وجود

ہے۔ انسان فقط اپنی خلقت اور پیدائش میں اللہ کا محتاج نہیں ہے بلکہ تمام باقی موجودات کی طرح اپنے آغاز خلقت سے لے کر اختتام تک اپنے حدود میں اور اپنی بقاء میں اللہ کا محتاج ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مضارع کا صیغہ استعمال کیا ہے جس میں استمرار کا معنی منظور ہوتا ہے اللہ فرما رہا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اس کے دل میں کون کون سے وسوسے پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اس کے تمام نفسانی وسوسوں سے ہم واقف ہیں۔ ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں اس کی کوئی حرکت ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ بات واضح ہے جو رب تعالیٰ انسان کے تمام امور سے آگاہ ہے اس کے خیالات سے واقف ہے اس کے وسوسوں کو جانتا ہے اس کے دل کی دھڑکنوں سے آگاہ ہے اس کے علم نے سب چیزوں کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ جب اللہ کا علم انسان کے ان باطنی امور کا احاطہ کیے ہوئے ہے تو بطریق اولیٰ انسان کے ظاہری امور سے باخبر ہے یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے اس سے مراد دل سے نکلنے والی وہ بڑی رگ ہے جو پورے بدن میں پھیلی ہوئی ہے اور انسان کی نس نس میں رواں دواں ہے۔ اللہ اس کی مثال دے کر یہ فرمانا چاہتا ہے کہ جس طرح شہ رگ انسان کے پورے جسم میں رواں دواں ہے اور جسم کا کوئی حصہ حتیٰ کہ معمولی سا حصہ بھی اس کی تاثر سے باہر نہیں ہے ہم تو اس سے بھی اس انسان کے زیادہ نزدیک ہیں تو ہم کس طرح اس انسان کے سارے حالات و معاملات و کیفیات سے آگاہ نہ ہوں۔ اللہ نے اپنی قدرت کے احاطہ کو سمجھانے کے لیے ایک حسین مثال دی ہے جبکہ اللہ کا انسان سے ارتباط اور تعلق ان سب سے مافوق ہے کیونکہ اللہ ہی آدمی اور اس کے نفس کے درمیان، اس کے نفس اور نفس کے آثار کے درمیان انسان اور اس کے افعال کے درمیان خالقیت و مالکیت والا رابطہ ہے۔ کفار مکہ کو سمجھایا جا رہا ہے جو اس بات کو مانتے ہیں کہ اللہ ہی سب کا خالق ہے، اللہ خود انسان سے اس کے زیادہ قریب ہے۔ انسان خود اپنے سے اتنا قریب نہیں جتنا اللہ تعالیٰ اس کے قریب ہے۔ سورہ انفال آیت ۲۴:

''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ''

ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ اور رسول کو لبیک کہو جب وہ تمہیں حیات آفرین باتوں کی طرف بلائیں اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور یہ بھی کہ تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے)۔ سورہ انفال کی آیت ۲۴ میں بھی اللہ نے اسی کو بیان کیا ہے۔

اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: '' جب کہ ضبط کرنے والے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے ضبط کرتے جاتے ہیں۔''

انسان پر مامور دو فرشتے

اس آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اے انسان اللہ کی طرف سے جب ایسا ہے کہ دو فرشتے تیرے ساتھ اللہ نے لگا رکھے ہیں جن کی ذمہ داری ہے کہ وہ تیری تمام حرکات و سکنات کو تحریر میں لے آئیں۔ اے انسان! اس بات کو یاد رکھو اور اس طرف تمہاری توجہ رہنی چاہیے، تیرے دائیں بائیں دو فرشتے موجود ہیں جو تیری نگرانی پر مامور ہیں، تیرے اعمال کو درج کر رہے ہیں یقینی امر ہے کہ اللہ کا علم اس سب پر محیط ہے۔ سب کچھ اللہ کے دائرہ علمی میں موجود ہے کچھ بھی اس سے باہر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اعمال کو جاننے کے لیے فرشتوں کے واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔

دائیں اور بائیں سے مراد

اس جگہ اللہ تعالیٰ یمین (دایاں) یسار (بایاں) کو استعمال کیا ہے یہ حقیقت میں خیر و شر سے ہے کہ ایک فرشتہ اعمال خیر کو لکھ رہا ہے، دوسرا اعمال شر کو لکھ رہا ہے ایک نیکیوں کو لکھنے پر مامور ہے دوسرا برائیوں کے لکھنے پر مامور ہے۔ نیکیاں دائیں جانب سے منسوب ہیں اور برائیاں بائیں جانب سے منسوب ہیں وگرنہ فرشتے تو مجرد موجودات سے ہیں۔ مکان اور چھت واوپر اور نیچے، جانب و طرف سے ماوراء ہیں، یہ فقط تمثیل دی گئی ہے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''وہ منہ سے کوئی بات نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک ہوشیار محافظ ہوتا ہے۔''

رقیب اور عتید

دو فرشتوں کے بارے بتایا جارہا ہے رقیب کا معنی حفاظت کرنے والا اور عتید کا معنی ہے آمادہ کرنے والا۔ کسی کام کے مقدمات فراہم کرنے والا، اس جگہ اللہ تعالیٰ انسان کو یہ بتا رہا ہے کہ اے انسان تم کچھ بھی نہیں بولتے مگر یہ کہ جو لفظ، جو جملہ تمہارے منہ سے نکلتا ہے اسی وقت وہ محفوظ ہو جاتا ہے اسے درج کر لیا جاتا ہے۔ اس جگہ ایک باریک نکتہ موجود ہے۔ پہلے علم کی بات کی، اللہ کے احاطہ علمی کو بتایا پھر دو فرشتوں کا ذکر کیا گیا جو انسان کے سارے اعمال پر ناظر اور نگراں ہیں۔ ظاہر ہے علم کے بعد ہی بولنے کی نوبت آتی ہے۔ علم عام ہے اور کلام کرنا، تکلم کرنا یہ خاص ہے۔ اللہ کو انسان کے تمام اعمال کا علم ہے اور اس کے تمام اعمال درج بھی ہو رہے ہیں۔ اب یہ بتایا گیا ہے اے انسان جو تو بولتا ہے جو تکلم کرتا ہے اسے بھی لکھا جارہا ہے۔ تحریر میں گفتگو محفوظ ہو رہی ہے آج کے ترقی یافتہ دور میں اسے سمجھنا آسان

ہے کہ منہ سے نکلے گئے الفاظ کس طرح ریکارڈ ہو جاتے ہیں یہ تو سب کچھ اللہ کے نظام کے تحت ہو رہا ہے۔ ہر ہر حرکت پر ہر ہر لفظ ریکارڈ ہو رہا ہے۔ انسان نے ترقی کر کے آج اس فضاء میں موجود انسان کی حرکات و سکنات کو ایک چھوٹے سے ذرہ پر لا کر اسے دوسری جگہ دکھا دیا ہے۔ انسان کی ولادت سے موت تک بلکہ نطفہ کے انعقاد سے ماں کے رحم سے، ولادت کے مرحلے تک سب کچھ محفوظ ہے۔ قیامت کے دن یہ سب فلم چل جائے گی، خیر کو بھی دیکھ لے گا اور شر کو بھی دکھائے گا ایک ذرہ بھی کم نہ ہوا ہو گا جیسا کہ سورہ زلزال میں بیان کیا گیا ہے۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ”اور موت کی بے ہوشی تو ضرور آ کر رہے گی، یہی ہے وہ جس سے تو گریز کرتا تھا۔“

سکرات موت

اس جگہ موت سے قبل کی حالت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ جب جان نکل رہی ہوتی ہے تو اس وقت انسان پر ایک قسم کی غشی اور سستی طاری ہوتی ہے۔ مست کی طرح انسان از خود بے خود ہو جاتا ہے اور کچھ بھی نہیں سمجھ پاتا، کچھ کہنا چاہتا ہے کہہ نہیں سکتا، سب کچھ دیکھ رہا ہوتا ہے، اپنے تمام اموال پر، اپنی اولاد پر، اپنے دوست احباب کو حسرت کی نگاہ سے دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن کسی سے کچھ کہنے کی ہمت نہیں رہتی، سب کچھ ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ یہ قضائے حتمی ہے جسے ہر انسان کے لیے آنا ہے اور ہر انسان روزانہ ایسی حالت کا مشاہدہ کر رہا ہوتا ہے، اس نے خود بھی اسی حالت سے گزرنا ہے، اس حالت میں انسان سے یہ کہا جا رہا ہو گا جسے انسان سن رہا ہو گا فرشتے کہہ رہے ہوں گے، ملک الموت کہہ رہا ہو گا جو اس تک آواز آ رہی ہو گی یہ وہ حالت ہے جس کا تم انکار کیا کرتے تھے اور دُنیا سے تعلق داری اور وابستگی تمہاری ایسی تھی کہ اسے بھول گئے تھے اور خیال کر رہے تھے کہ تمہاری طرف موت نہ آئے گی اور تمام حیلوں

بہانوں سے اسے اپنے سے ٹال رہے تھے تو لو اب وہ موت آگئی ہے تم اس سے فرار نہیں کر سکتے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝۲۰

ترجمہ: ''اور صُور میں پھونکا جائے گا، وعدہ عذاب کا دن یہی ہے۔''

صُور کا پھونکا جانا

پہلا صُور جب پھونکا جائے گا تو سب لوگ مر جائیں گے اور سب عالم برزخ میں چلے جائیں گے۔ دوسرا صُور پھونکا جائے گا تو سارے مردگان اپنی اپنی قبروں سے اُٹھیں گے اور تیزی سے میدان محشر میں پہنچ جائیں گے۔ اس جگہ جس صور میں پھونک مارنے کی بات ہو رہی ہے یہ دوسرا صور ہے یا پھر دونوں مراد ہیں۔ یہ اس لیے کہ صور میں پھونک مارنے کا بتانے کے بعد یہ کہا جا رہا ہے وہ دن روز وعید ہے یعنی وہی دن ہے جس کا وعدہ دیا گیا تھا کہ ایک دن آنا ہے جس میں سب نے اکٹھا ہونا ہے، وہاں سب کا حساب ہونا ہے۔ دنیا میں اس دن کے بارے اے انسان تمہارے پاس ڈرانے والے آتے رہے، تمہیں متوجہ کرتے رہے اور توں جھٹلاتا رہا اب وہ دن آگیا ہے۔

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝۲۱

ترجمہ: ''اور ہر ایک شخص آئے گا اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہی دینے والا ہوگا۔''

حساب دینے کے لیے قیامت کا دن

اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص نے اپنا حساب دینا ہے۔ فیصلہ لینے کے لیے قیامت کے دن میدان میں حاضر و موجود ہوگا جبکہ اس کو میدان میں لانے

کے لیے ایک فرشتہ موجود ہوگا اور اس کے اعمال پر گواہی دینے والا بھی موجود ہوگا۔ میدان محشر میں تمام انسانوں کو لائے جانے کی کیفیت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ سائق (ھانکنے والا) اور شہید (گواہی دینے والے) سے مراد دو فرشتے ہیں۔ ظاہر کلام سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: "بے شک تو اس دن سے غفلت میں رہا پس ہم نے تجھ سے تیرا پردہ دور کر دیا پس تیری نگاہ آج بڑی تیز ہے۔"

انسان کے لیے عتاب

اس آیت میں جو معاد کے منکرین ہیں ان کی مذمت کی جا رہی ہے اور انہیں دھمکایا جا رہا ہے۔ ہذا سے ان حقائق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کو انسان اپنی آنکھوں سے قیامت کے دن دیکھے گا اور متوجہ ہوگا کہ تمام اسباب نے اپنی فضیلت و عملیت کو چھوڑ دیا ہے ہر چیز اللہ قہار کی طرف واپس لوٹ آئی ہے۔ یہ تمام حقائق انسان کے لیے دنیا میں بھی اس کی آنکھوں کے سامنے موجود تھے لیکن انسان کا اعتماد اور بھروسہ ظاہری اسباب پر تھا تو وہ ان غیر ظاہری اسباب سے غفلت میں تھا اور یہ اسی طرح دنیا سے چلا آیا اب قیامت کا دن ہوگا اللہ اس کی آنکھوں سے سارے پردے ہٹا دے گا یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے گا اس وقت اس کے لیے حقیقت امر روشن ہو جائے گا وہاں پر عین حقائق کا مشاہدہ کرے گا۔ تمام امور کا باطن اس پر کھل جائے گا۔ اس کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پتھرا جائیں گے۔ نتیجہ میں اس کی آنکھیں تیز ہوں گی، ایسی چیزوں کو دیکھیں گی جسے وہ دنیا میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ان کی نگاہ ہر شئی کی تہہ تک اور اس کے باطنی حقیقت تک دیکھ رہی ہوں گی، کچھ بھی مخفی نہ ہوگا۔

وَ قَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: "اور اس کا ساتھی کہے گا یہ ہے جو میرے پاس تیار ہے۔"

اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٢٤﴾

ترجمہ: "تم دونوں ہر کافر سرکش کو دوزخ میں ڈال دو۔"

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ﴿٢٥﴾

ترجمہ: "جو نیکی سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا ہے۔"

الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: "جس نے اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ٹھہرایا پس اسے سخت عذاب میں ڈال دو۔"

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَيْتُهٗ وَ لٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: "اس کا ہم نشین کہے گا اے ہمارے رب! میں نے اسے گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ہی بڑی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔"

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿٢٨﴾

ترجمہ: "فرمائے گا تم میرے پاس مت جھگڑو اور میں تو پہلے تمہاری طرف اپنے عذاب کا وعدہ بھیج چکا تھا۔"

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَ مَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: ''میرے ہاں کی بات بدلی نہیں جاتی اور نہ ہی میں بندوں کے لیے ظالم ہوں۔''

کافروں کا انجام اور قیامت کے دن مجرموں کی حالت

آیت ۲۳ میں لفظ قرین (ساتھی) سے مراد اس موکل فرشتہ کو لیا جائے جو دنیا میں انسان کے ساتھ ساتھ موجود تھا تو اس کے معنی اس طرح ہو گا کہ وہ فرشتہ کہے گا اے اللہ! یہ وہی انسان ہے جس کے ساتھ میں دنیا میں موجود تھا اب یہ اس مقام پر حاضر ہوا ہے اور اس کے یہ اعمال ہیں جو اس نے دنیا میں انجام دیئے ہیں۔ میں نے انہیں تیار کر دیا ہے گویا کہ وہ فرشتہ اس انسان کے اعمال کی فائل اللہ کے سامنے پیش کر دے گا جبکہ وہ آدمی بھی ساتھ موجود ہو گا۔ اور اگر اس جگہ قرین سے مراد شیطان ہو جو انسان کو عمر بھر گمراہ کرتا رہا ہے یہ اس کا اپنا نفس بھی ہو سکتا ہے اور باہر والا ابلیس بھی ہو سکتا ہے تو اس صورت میں اس کا معنی اس طرح ہو گا۔ اے اللہ یہ وہ انسان ہے جسے میں گمراہ کرتا رہا ہوں وہ میری باتیں مانتا رہا اور اس نے تیری مخالفت کی۔ اب وہ جہنم میں جانے کے لیے اپنے برے اعمال کی پاداش میں جانے کے لیے آمادہ و تیار ہے۔ (صاحب تفسیر روح المعانی نے یہ تفسیر کی ہے) (سورہ زخرف آیت ۳۶ میں ہے کہ ہم اس شخص کے لیے ایک شیطان کو ساتھی بنا دیا ہے جو رب رحمان کے ذکر سے اعراض کرتا ہے منہ موڑ لیتا ہے۔

دو فرشتوں کو حکم ملنا

اللہ کی طرف سے ان دو فرشتوں کو حکم دیا جائے گا جو دنیا میں انسان کے اعمال پر مامور تھے کہ ہر وہ انسان جو بہت زیادہ کفر کرتا تھا، برائی میں گم رہتا تھا، اچھائی سے دور، خیر سے روکنے والا، حق کا دشمن، راہ حق سے انحراف کرنے والا، معاد کے بارے شک کرنے والا،

ایسے کو پکڑو اور اسے جہنم میں پھینک دو۔ جنہوں نے جہنم میں پھینکا جانا ہے ان کے اوصاف کو ان آیات میں بیان کیا ہے۔

جہنم میں پھینکے جانے والے افراد

۱۔ کفر پیشہ۔

۲۔ خیر کے سامنے رکاوٹ بننے والے۔

۳۔ معاد کا انکار کرنے والے۔

۴۔ راہ حق میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والے۔

۵۔ شرک کرنے والے جو سارے گناہوں کا سرچشمہ ہیں۔ خدائے یگانہ کے مقابل میں دوسرے کو معبود قرار دینے والے مشرکین۔

۶۔ ظالم، حق سے انحراف کرنے والے، حق کو دبانے والے۔

شیطانی قرین کا اعلان

قیامت کے دن دُنیا میں جو شیطانی ساتھی (قرین) انسان کا تھا اور اسے ہر برائی پر آمادہ کرتا تھا اور اس کی گمراہی کے اسباب تیار کرتا تھا جس کے بارے قرآن مجید نے بیان کیا ہے: سورہ زخرف آیت ۳۶ تو قیامت کے دن شیطانی قرین اللہ کے سامنے کہے گا اے رب پروردگار میں نے اسے سرکشی اور گناہ پر مجبور نہیں کیا یہ خود ہی گناہ اور سرکشی کرنے پر آمادہ ہوتا تھا۔ انحراف پر مبنی دعوتیں قبول کرلیتا تھا۔ میں جو وسوسے ڈالتا تھا تو وہ خود ان کو قبول کرلیتا تھا اس نے خود کو بڑی گمراہی میں ڈال دیا میں اس کی سرکشی کا ذمہ دار نہیں ہوں اس طرح شیطان خود کو بری الذمہ قرار دے گا۔

اسی طرح ایک اور جگہ پر قرآن میں شیطان کا قول اس طرح بیان ہوا ہے: ”میرا تمہارے اوپر کوئی تسلط یا غلبہ نہیں تھا میں نے تو تمہیں دعوت دی (برائی کی) اور تم نے میری اس دعوت کو قبول کر لیا۔ (سورہ ابراہیم، آیت ۲۲)۔

لہٰذا میں تیرے اعمال کا ذمہ دار نہ ہوں۔

اللہ کا شیطانی قرین کو جواب

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب اپنے برے اعمال کا نتیجہ دیکھے گا اور اپنے ساتھی شیطان کو بھی اپنے ساتھ موجود پائے گا تو اس کی سرزنش کرے گا اور اسے کہے گا کہ یہ سارا تیرا کیا دھرا ہے اور توں مجھے اس مقام پر لے آیا۔ شیطانی قرین انسان کو جواب دے گا کہ میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ میں نے تجھے مجبور نہیں کیا تھا یہ سب کچھ تو نے اپنے اختیار سے انجام دیا گویا اس مقام پر یہ آپس میں لڑ رہے ہوں گے تو اللہ کی طرف سے آواز آئے گی۔ میرے سامنے جھگڑا اور مجادلہ نہ کرو۔ اب اس کا تمہیں کوئی فائدہ ملنے والا نہیں ہے کیونکہ تو نے اپنی طرف سے تمام مشرکین کو اپنی مخالفت سے ڈرایا تھا اور اس مخالفت کے خطرناک نتائج سے بھی آگاہ کر دیا تھا میں نے اعلان کیا تھا۔

جہنمیوں کے لیے معافی

اس جگہ ایک مقدمہ سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ ٹھیک ہے دنیا میں ابلاغ ہو گیا اللہ کی طرف سے نافرمانوں کو سزا کی دھمکی بھی پہنچا دی گئی تھی تو سوال یہ ہے کہ کیا اب وہ وعدہ جو دنیا میں گناہگاروں کے لیے دیا گیا تھا کہ انہیں جہنم میں پھینکا جائے گا، وہ تبدیل نہیں ہو سکتا اور معافی نہیں مل سکتی۔ اللہ کا جواب ہے کہ میری کسی بات میں تبدیلی نہیں ہوتی، میرا حتمی فیصلہ اور قطعی حکم تبدیل نہیں ہوتا لہٰذا تم مجرموں کو سزا ملنا ہے۔

اللہ ظالم نہیں

اللہ اس جگہ یہ بھی اعلان فرمائے گا کہ اے بندوں میں تو ظالم نہیں ہوں۔ میں نے تو تمہاری ہدایت کا مکمل انتظام کیا یہ تم خود نہیں ہو کہ میرے پیغامات پر کان نہیں دھرے، میرے رسولوں کی مخالفت کی، میرے احکام کا مذاق اڑایا۔ اس طرح تم نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے کیونکہ تم حق کو پہچاننے کے بعد اور دلیل و ثبوت ملنے کے بعد حق کے انکاری ہو گئے۔ بے عملی سے میرا سامنا کیا، اس لیے تم نے خود ہی جہنم میں جانے کے اسباب مہیا کئے ہیں تو اب جہنم میں جاؤ اور عذاب کا مزہ چکھو۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: ''جس دن ہم جہنم سے کہیں گے کیا تو بھر چکی ہے اور وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے۔''

جہنم کی کیفیت

اس جگہ جہنم کی حالت کو بیان کیا گیا ہے۔ استفہام تقریری ہے ایک شئی جو طے شدہ اور مسلم ہے اسے بیان کیا جا رہا ہے۔ اس بیان سے یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ کا عذاب اور قہر خداوندی تمام مجرموں کو سزا دینے سے قاصر نہیں ہے بلکہ تمام پر اس قہر و غضب کا احاطہ ہے۔ سورہ توبہ میں جہنم کے بارے کافروں کا احاطہ کرنے والی ہے (سب کافر اس کے اندر ہوں گے کوئی بھی باہر نہ ہو گا) اسی بیان سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جہنم میں سارے مجرم سما جائیں گے کوئی باہر نہیں رہے گا اور اگر یہ استفہام انکاری ہو جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں ہے تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ کیا تو ابھی تک پُر نہیں ہوئی؟ تو جواب آئے گا کہ نہیں میں بھر چکی ہوں اور تیرا

جو وعدہ برحق تھا وہ محقق وثابت ہو چکا ہے۔ اور یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ '' لاملأن جهنم من الجنة والناس اجمعين '' کہ ہر صورت ہم جہنم کو انسانوں اور جنات سے بھر دیں گے (یعنی جتنے مجرمین ہیں ان سب کو جب جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور کوئی ایک بھی نہیں بچے گا تو جہنم مجرموں سے بھر جائے گی)۔

وَ اُزۡلِفَتِ الۡجَنَّۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ غَیۡرَ بَعِیۡدٍ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: '' اور بہشت پرہیزگاروں کے لیے قریب لائی جائے گی کہ کچھ فاصلہ نہ ہوگا۔ ''

ہٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِکُلِّ اَوَّابٍ حَفِیۡظٍ ﴿ۚ۳۲﴾

ترجمہ: '' یہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر رجوع کرنے والے اور حفاظت کرنے والے کے لیے۔ ''

مَنۡ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ وَ جَآءَ بِقَلۡبٍ مُّنِیۡبِۣ ﴿ۙ۳۳﴾

ترجمہ: '' جو کوئی اللہ سے بن دیکھے ڈرا اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔ ''

ادۡخُلُوۡہَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡخُلُوۡدِ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: '' اس میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ، ہمیشہ رہنے کا دن یہی ہے۔ ''

لَہُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ فِیۡہَا وَ لَدَیۡنَا مَزِیۡدٌ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: '' انہیں جو کچھ وہ چاہیں گے وہاں ملے گا اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔ ''

قیامت کے دن اہل تقویٰ کے حالات

ان آیات میں ان کے حالات کو بیان کیا ہے جنہوں نے دنیا میں تقویٰ اختیار کیا۔ اللہ کے احکام کی پیروی کی، اللہ کی دعوت کو قبول کیا، ہمیشہ اللہ کی طرف رجوع کرتے رہے، اللہ کے احکام کو عملی جامہ پہنایا، اللہ سے کئے گئے عہد و پیمان کو پورا کیا تو ان سے کہا جائے گا:

"تمہارے لیے جنت ہے، بہشت ان کے قریب کر دی جائے گی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غیب پر ایمان لائے، عذاب کو نہیں دیکھا تھا لیکن اس کے بارے یقین رکھتے تھے اور اللہ کے عذاب سے ہر وقت خوفزدہ رہتے تھے اور دل سے اللہ کی طرف رجوع کرتے اور اللہ کے دیدار کی دل میں تڑپ رکھتے تھے۔

متقین کے لیے خطاب

ایسے نیک پارسا متقیوں کے لیے اعلان ہو گا آج تک خیر و سلامتی سے بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ تمہارے لیے کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ تمہاری ہر خوشی و آرام و سکون کا سامان مہیا ہے، تمہارے اوپر اللہ، اللہ کے فرشتے سلام بھیج رہے ہیں، تم کو بشارت ہو کہ تم نے اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔ حیات جاودانی تمہارے نصیب ہوئی، یہ تمہارے لیے بڑی خوشی کا دن ہے نہ بھولنے والا دن، بہشت میں جو تم چاہو گے وہ تمہیں ملے گا، بہشت میں تم ہر چیز کے مالک ہو، تمہارے ارادے اور مشیت سے ہر شئی تیار ہو گی، جو چاہو گے تمہارے اختیار میں دے دیا جائے گا۔

خواہش سے بڑھ کر

اللہ تعالیٰ اس جگہ اپنے فضل و کرم کا اظہار اس طرح فرماتا ہے اے میرے صالح و نیک بندوں بہشت تمہارے لیے ہے جو چاہو وہ تمہارے لیے تیار و آمادہ ہو گا لیکن یاد رکھو کہ بہت کچھ اور بھی ہے جو تمہارے خیال میں بھی نہیں اور نہ ہی تمہاری خواہش میں آتا ہے۔ اس کے بارے بس ہم ہی جانتے ہیں اور وہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ بہت ہی زیادہ ہے۔ وہ

بھی آپ کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ وہ ایسے کمالات و مقامات کا حصول ہے جس کا علم اللہ کے پاس ہے۔

وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: "اور ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں جو قوت میں ان سے بڑھ کر تھیں پھر (عذاب کے وقت) شہروں میں دوڑتے پھرنے لگے، کہ کوئی پناہ کی جگہ بھی ہے۔"

اللہ کی پکڑ سے چھٹکارا نہیں

اس جگہ کفار مکہ کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ تم ہماری دعوت کا انکار کر کے ہمارے عذاب سے نہیں بچ سکتے تم سے پہلے بڑی بڑی قومیں گزری ہیں اور بہت ہی طاقتور تھیں لیکن ان پر جب اللہ کا عذاب آیا تو وہ خود کو نہ بچا سکے لہٰذا وہ اقوام خود ہلاکت سے نہ بچ سکیں اور ہمارا عذاب ان پر آن پہنچا تو اے کفار مکہ تمہاری تو ان افواج کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں ہے۔ اس بیان سے مشرکین مکہ کو خوف دلا کر انہیں اس بات پر آمادہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کے رسولؐ کی دعوت پر ایمان لے آئیں اور خود کو ہلاکت کے لیے آمادہ نہ کریں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: "بے شک اس میں اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جس کے پاس (فہیم) دل ہو یا وہ متوجہ ہو کر (بات کی طرف) کان ہی لگا دیتا ہو۔"

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھ دن میں، اور ہمیں کچھ بھی تکان نہ ہوئی۔''

حقائق کا ادراک اور آسمان وزمین کی خلقت

لفظ قلب (دل) جب استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد سمجھنے کی صلاحیت مراد لی جاتی ہے۔ آیت ۳۷ میں کہا گیا ہے کہ جن حقائق کی ہم نے اطلاع دی ہے تو یہ ان کے لیے سود مند ہے جو سمجھتے ہیں اور بات کو غور سے سنتے ہیں اور خود کو اس طرح کے حقائق جاننے کے لیے آمادہ اور موجود رکھتے ہیں۔ حاضر دماغ ہوتے ہیں، حق کو سننے کے لیے تیار ہیں لیکن ایسے لوگ جو حق سننے کے لیے تیار نہیں ان کے لیے ان حقائق کا بیان کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ یہ سب حقائق تذکر اور سمجھنے کا وسیلہ کیوں نہ ہو کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کو چھ مراحل میں خلق کیا انہیں پورا نظم دیا اور مختلف شکلوں میں قرار دیا۔ اس سے کوئی خستگی یا عاجزی نہیں ہے کیونکہ جو ذات قدرت مطلقہ، علم مطلق اور مشیت مطلقہ کا مالک ہے اسے خلقت کے لیے کسی قسم کے مقدمات اور وسائل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس ذات کا امر اور فیصلہ تو ایسے ہی ہے کہ جیسے ارادہ کیا تو ارادہ کے ہوتے ہوئے مراد وجود میں آجاتی ہے۔ ''کن فیکون'' کی صورت ہے لہٰذا کفار مکہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کا ہمارے رسولؐ کی دعوت کا انکار کرنا خود ان کے لیے نقصان ہے کیونکہ اس انکار کی کوئی منطق و دلیل نہیں ہے۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ”پس ان باتوں پر صبر کر جو وہ کہتے ہیں اور اپنے رب کی پاکیزگی بیان کر تعریف کے ساتھ، دن نکلنے سے پہلے اور دن چھپنے سے پہلے۔“

وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ”اور کچھ رات میں بھی اس کی تسبیح کر اور نماز کے بعد بھی۔“

صبر اور حوصلہ کی تلقین

ان دو آیات میں رسول خداؐ سے کہا جارہا ہے کہ مشرکین مکہ کی جانب سے ان پر جو زیادتیاں ہو رہی ہیں ان کو جو تکالیف دی جارہی ہے اس پر صبر کریں حوصلہ رکھیں رسول اللہؐ کا حوصلہ بڑھانے کے لیے کہا جارہا ہے میرے پیارے تم تو اپنے رب کی تسبیح بجالا رہے ہو۔ صبح وشام اللہ کی قدسیت اور ہر شرک سے پاکیزگی کا بیان کرو اور اللہ تعالیٰ سے ہر نقص اور عیب کو دُور بیان کرتے رہو۔ اللہ کی ذات سبحان ہے ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔ طلوع آفتاب سے پہلے تسبیح کو نماز صبح پر تطبیق دے سکتے ہیں اور غروب کے بعد تسبیح کو نماز مغرب اور نماز عشاء کی جانب اشارہ قرار دیا جاسکتا ہے اور غروب سے پہلے نماز عصر اور نماز ظہر مراد لے سکتے ہیں۔

وَ اسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ”اور توجہ سے سنیے جس دن پکارنے والا قریب سے پکارے گا۔“

يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ''جس دن وہ ایک چیخ کو بخوبی سنیں گے، یہ دن قبروں سے نکلنے کا ہوگا۔''

اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیٖ وَ نُمِیۡتُ وَ اِلَیۡنَا الۡمَصِیۡرُ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ''بے شک ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔''

یَوۡمَ تَشَقَّقُ الۡاَرۡضُ عَنۡہُمۡ سِرَاعًا ؕ ذٰلِکَ حَشۡرٌ عَلَیۡنَا یَسِیۡرٌ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: '' جس دن ان پر سے زمین پھٹ جائے گی لوگ دوڑتے ہوئے نکل آئیں گے، یہ لوگوں کا جمع کرنا ہمیں بہت آسان ہے۔''

معاد کا تذکرہ

ان آیات میں معاد کے بارے بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو رسول اللہؐ سے کہا جا رہا ہے کہ اس دن کے انتظار میں رہو کہ جب قریبی جگہ سے نداء دینے والا سب کے لیے آواز دے گا۔ اس ندا سے مراد وہ صُور ہے جب اسے پھونکا جائے گا تو اس کی آواز تمام مخلوقات کو اپنے گھیرے میں لے لے گی اور سب اس آواز کو سنیں گے۔ جس وقت وہ حتمی آواز سب کو سنائی دے گی تو سب قبروں سے باہر آجائیں گے اس جگہ اللہ یہ سمجھا رہا ہے کہ یہ ہم ہیں کہ مردہ جسموں میں دوبارہ حیات ڈالتے ہیں، زندہ کرنا اور مارنا ہمارے اختیار میں ہے۔ دُنیا میں ہم نے سب کو موت دی اور پھر آخرت میں ہم سب کو زندہ کریں گے اور ایک جگہ انہیں جمع کریں گے اور ان سب سے حساب لیا جائے گا۔ وہ ایسا دن ہے کہ زمین کھل جائے گی اور زمین کے اندر دفن شدہ سب باہر نکل آئیں گے۔ یہ ان سب کو اکٹھا کرنے کا مرحلہ ہے یہ سب کے اجتماع کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بیان سے تمام انسانوں کو معاد کے بارے بتا رہا ہے اور یہ کہ کس

طرح سب قبروں سے نکلیں گے اور ایک ہی میدان میں اکٹھے ہوں گے اس وقت کو یاد رکھنا چاہیے۔

پیغام: قیامت کے دن کو یاد رکھنا چاہیے، یہ یاد رکھنا اتنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو بھی اسے یاد رکھنے کا خصوصی حکم دیتا ہے اور یہ بھی ہے اس دن میں جو کچھ ہوتا ہے اور کس طرح صور پھونکا جائے گا اور کس طرح سب قبروں سے نکلیں اس بات کو یاد کرنا چاہیے۔ اس یاد دہانی میں بہت فائدے ہیں اور انسان کے نیک بننے کا سبب ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۟ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ''ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں، اور آپ ان پر کچھ زبردستی کرنے والے نہیں، پھر آپ قرآن سے اس کو نصیحت کیجیے جو میرے عذاب سے ڈرتا ہو۔''

رسول اللہؐ کے لیے تسلی

اس آیت میں ایک دفعہ پھر رسول اللہؐ کو تسلی دی جارہی ہے کہ اے میرے پیارے ہم نے تجھے کہا ہے کہ ان مشرکین کی طرف سے ملنے والی تکالیف پر صبر کرو (آیت ۳۹) اور ہماری تسبیح میں مصروف رہو اور قیامت کے آنے کا انتظار کرو، یہ سب اس لیے ہے کہ ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ لوگ کہہ رہے ہیں اور ہم بہت جلد ان کے برے اعمال کا ان سے مواخذہ کریں گے اور انہیں سزا دیں گے، آپ تو ان پر مسلط نہیں ہیں اور انکار اختیار آپ کے پاس نہیں ہے، آپ ایمان کی دعوت کو قبول کرنے پر ان کو مجبور بھی تو نہیں کر سکتے۔ آپ کا کام پیغام رسانی ہے جو لوگ میری دھمکی سے خوف کھاتے ہیں ان کو سمجھاتے رہو تاکہ آپ نے انہیں جو دعوت دی ہے وہ اس دعوت سے واپس نہ پلٹ جائیں بلکہ اس ایمان پر قائم رہیں۔

پیغام: ایمان لانے کے بعد اس پر قائم رہنا سب سے اہم ہے اس کے لیے آیات الٰہی، معاد، قیامت کے حالات کو یاد رکھنا ضروری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اسے یاد رکھا جائے اور بار بار دہرایا جائے۔

سورۃ الذاریات

(مکی۔ کل آیات: ٦٠)

سورہ کے مطالب

توحید شناسی، معاد شناسی اور بشارت و انذار۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝١

ترجمہ: ”قسم ہے بکھیر کر اڑانے والی (ہواؤں) کی“۔

فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝٢

ترجمہ: ”پھر بوجھ اٹھانے والے (بادلوں) کی“۔

فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝٣

ترجمہ: ”پھر سبک رفتاری سے چلنے والی (کشتیوں) کی“۔

فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝٤

ترجمہ: ”پھر اُمور کو تقسیم کرنے والے فرشتوں کی“۔

کائنات میں نظم الٰہی کی مثالیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسم کھائی ہے۔ جن میں ہواوں کی قسم جو مٹی کو پراکندہ کرتی ہیں، وزنی بادلوں کی قسم جن سے بارش برستی ہے، ان کشتیوں کی قسم جو دریاوں میں آہستہ آہستہ چلتی ہیں، ان فرشتوں کی قسم جو اپنے پروردگار کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور عالم کے امور کو انجام دیتے ہیں۔ ان چند قسموں میں سارے عالم کی قسم کھائی گئی ہے، کیونکہ (ذاریات) خشکی میں موجود سب اشیاء کو شامل ہے۔ (حاملات) فضا میں موجود اشیاء کو شامل ہے۔ (جاریات) دریاوں کی تدبیر کے نمونے کے طور پر ذکر ہوئے ہیں۔ اور (مقسمات) پورے عالم کی تدبیر کو شامل ہے۔ در حقیقت اللہ تعالیٰ فرمانا چاہتا ہے کہ میں عالم کی تدبیر میں موثر سارے اسباب کی قسم کھاتا ہوں۔ اس مطلب کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جو شیعہ اور اہل سنت کتب روایات میں ذکر ہوئی ہیں۔

کائنات میں ایک خاص نظم برقرار ہے اس نظم کا ایک حصہ ہوا ہے۔ یہاں پر ہوا کا کام بیان ہوا ہے کہ ہوا آندھی کی شکل میں بھی ہوتی ہے جو مٹی کے ذرات کو اڑاتے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہے اور پھلدار درختوں کے بور کو بھی لے کر اڑتی ہے اور اُسے دوسرے درخت پر ڈالتی ہے۔ اس طرح درختوں میں نر اور مادہ کے ملاپ کا عمل جاری رہتا ہے۔ ہوا کا دوسرا کام پانی سے بننے والے بخارات کو اوپر لے جانا ہے جس سے بادل بنتے ہیں، بادل پانی کے وزن سے بھاری ہوتے ہیں، یہ بادل بھی ہوا کے دوش پر چل رہے ہوتے ہیں اور ہوا انسان بلکہ سارے ذی رُوح موجودات کی حیات کا اہم ترین جزو ہے۔ ہوا میں تمام وہ مواد شامل ہے جو حیات کا ذریعہ بنتے ہیں۔ دریاؤں اور سمندروں میں آرام سے چلنے والی کشتیوں میں بھی ہوا کا بنیادی کردار ہے۔ ہوا ہلکی ہو تیز ہو، غرض ہوا سے ہی حیات کا دار و مدار ہے۔ اللہ کے فرشتے ہیں جو اللہ سے احکام وصول کرتے ہیں۔ ایک بڑا فرشتہ ہے جو اللہ کا حکم لیتا ہے پھر اس فرمان کو نچلے کام کرنے والوں فرشتوں میں تقسیم کرتا ہے کہ ہر گروہ کی خاص ذمہ داری ہے جو اسے ایک بڑے فرشتے یا پھر چند اہم فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے۔ ان قسموں میں اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کی تدبیر اور اس کے نظم کا تذکرہ فرمایا ہے۔ روایات سے ثابت ہے کہ اللہ کا امر اپنے ولی اور نمائندہ پر اُترتا ہے اور تمام فرشتے اپنے اپنے کاموں اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے ولی امر سے دستور لیتے ہیں۔

إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ﴿٥﴾

ترجمہ: ”جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقینا سچ ہے۔“

وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ﴿٦﴾

ترجمہ: " اور جزا (کا دن) ضرور واقع ہو گا۔"

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿۷﴾

ترجمہ: "قسم ہے راہوں والے آسمان کی"۔

اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿۸﴾

ترجمہ: " تم لوگ یقینا متضاد باتوں میں پڑے ہوئے ہو"۔

یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ﴿۹﴾

ترجمہ: "اس (قرآن) سے وہی برگشتہ ہوتا ہے جسے برگشتہ کیا گیا ہے"۔

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: "بے بنیاد باتیں کرنے والے مارے جائیں"۔

قیامت کی حقیقت کا بیان

ان آیات میں سابقہ آیتوں میں اٹھائی گئی چار قسموں جو کائنات کی تدبیر کے اسباب کے متعلق تھیں، کا جواب دیا گیا ہے کہ اے انسان تم سے جو کہا جاتا ہے اور ہمارے رسول تمہیں جس چیز سے ڈراتے ہیں اور خبردار کرتے ہیں کہ قیامت نے آنا ہے اور سب کاموں کا حساب چکایا جائے گا تو یہ باتیں سچ اور حق ہیں۔ یوم جزاء نے ہر صورت میں آنا ہے۔ جس طرح تدبیر عالم کے لیے بیان کئے گئے اسباب حقیقت ہیں اور ان میں کسی کو شک نہیں اسی طرح قیامت ایک حقیقت ہے اور اور اس میں کوئی

شک نہیں ہے۔ لہٰذا تم ان مشاہدات کی حقانیت سے قیامت کی حقانیت کو سمجھو اور اس پر یقین رکھو، شک میں نہ پڑو۔

اس کے بعد ایک اور قسم اٹھائی ہے جس میں فضاء کا حوالہ دیا گیا ہے جسے آسمان کہا جاتا ہے جسے ہم اوپر دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آسمان کی قسم جسے ستاروں کی زینت سے سجا دیا گیا ہے۔ حبک خوبصورتی، زینت، بناؤ سنگھار یا متوازن خلقت کے معنی میں ہے۔ آسمان کا آراستہ ہونا اس حوالے سے ہے کہ اس کو ستاروں سے خوبصورت بنایا گیا ہے یا تو اس حوالے سے ہے کہ اس کی خلقت متوازن بنائی گئی ہے۔ یا پھر اس سے مراد یہ ہے کہ آسمان میں راستے ہیں، لائنیں لگی ہوئی ہیں، سیدھے ٹیڑھے خطوط ہیں جن پر فضاء میں اڑان کرنے کے لیے آسانی پیدا ہوتی ہے یا پھر یہ تینوں معانی مراد ہیں۔ سورہ مومنون، آیت ۱۷ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ

ترجمہ: ''ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنا دیئے ہیں''۔

اے انسان! میں آسمان کی قسم اٹھا کر یہ بات کہہ رہا ہوں کہ تم جو گفتگو کرتے ہو، تمہارا جو کلام و قول ہے، تمہاری جو بات ہے اس میں اختلاف ہوتا ہے تم ایک دوسرے کی بات کو رد کرتے ہو۔ اس میں قرآن کے متعلق مشرکین مکہ کی باتوں کی طرف اشارہ ہے، کوئی کہتا تھا یہ شعر ہے، کوئی کہتا تھا پچھلے لوگوں کے قصے ہیں، کوئی کہتا تھا کہ یہ سحر و جادو ہے اور پیغمبرؐ کو ساحر و جادوگر کہتے تھے، کوئی کہتا تھا کہ یہ شاعر ہے، کوئی کہتا تھا یہ مجنون ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تم قرآن کے بارے میں ایک بات پر متفق نہیں ہو اور اس قسم کی باتیں کرتے ہو اور تمہارے انحراف کی وجہ بھی یہی ہے کیونکہ تم جھوٹے ہو اور جو کچھ بولتے اور کہتے ہو اس کی

تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، سب اٹکل پچو ہے اور اندازے لگاتے ہو اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہو۔

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''جو جہالت کی وجہ سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں''۔

يَسْــَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''وہ پوچھتے ہیں: جزا کا دن کب ہو گا؟''

يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''جس دن یہ لوگ آگ پر تپائے جائیں گے''۔

ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اپنے فتنے) کا مزہ (چکھو، یہ وہی ہے جس کی تمہیں عجلت تھی''۔

قیامت کا انکار کرنیوالوں کے لیے بیان

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو جھوٹ بولنے والوں پر لعنت اور نفرین کی ہے اور بتایا ہے کہ ان کے جھوٹ کی وجہ ان کا کائنات کے حقائق سے غافل ہونا اور ان پر توجہ نہ دینا ہے اور یہی لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور پھر بڑے تکبرانہ انداز سے کہتے نظر آتے ہیں کہ کیا اس دن نے آنا ہے جس میں انہیں آتش جہنم میں ڈالا جائے گا؟ وہ دن کب آئے گا؟ وہ اپنی بات پر ڈٹے ہوئے کہنا چاہتے تھے کہ اگر قیامت کا دن حق ہے تو اس نے کب آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ ان کی الٹی سیدھی گفتگو کو نقل کرکے ان کے انجام کو بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہاں پر

جہنم کے لیے فتنہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہوتا ہے سونے کو آگ میں ڈالنا تاکہ اس سے گند صاف ہو جائے اور خالص سونا بچ جائے۔

مشرکین مکہ کو قیامت کی جلدی تھی اور وہ رسول خداﷺ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ قیامت قیامت کہہ رہے ہو، اس دن کو لے آؤ نا ! ہمیں آگ میں پھینکو نا ! تو اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب دیا ہے کہ قیامت کا دن تو وہی ہے جس میں کفار اور مشرکین کو عذاب دیا جائے گا، وہ اس عذاب اور بھڑکتی آگ میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔ اس دن کی تاریخ کا علم غیبی علوم میں سے ہے جو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس دن کے آنے کے بارے میں اللہ کے سواء کسی کو علم نہیں ہے۔ البتہ یہ بات معلوم ہے کہ جب وہ دن آئے گا تو قیامت کو جھٹلانے والے اور جھوٹ بولنے والے دوزخ کی آگ میں پھینکے جائیں گے اور اس میں انہیں عذاب دیا جائے گا کیونکہ وہ کفر و عناد اور دشمنی کی آگ سے بھرے ہوئے تھے اس لیے جہنم کی آگ میں پھینکے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ عذاب ہے تم اس کا مزہ چکھو جس کا تم مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ عذاب کب آئے گا۔ تمہیں اس کی بہت جلدی تھی تو وہ عذاب آگیا ہے اب اس میں ہمیشہ رہو گے۔ یہ دنیا میں تمہاری غفلت اور حق بات قبول نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٥﴾

ترجمہ: ”(اس روز) اہل تقویٰ یقینا جنتوں اور چشموں میں ہوں گے“۔

ءَاخِذِينَ مَآ ءَاتَىٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾

ترجمہ: ”ان کے رب نے جو کچھ انہیں دیا ہے اسے وصول کر رہے ہوں گے، وہ یقینا اس (دن) سے پہلے نیکی کرنے والے تھے“۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾

ترجمہ: "وہ رات کو کم سویا کرتے تھے"

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾

ترجمہ: "اور سحر کے اوقات میں استغفار کرتے تھے"۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿١٩﴾

ترجمہ: "اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کے لیے حق ہوتا تھا"۔

قیامت کے دن متقین کے حالات

ان آیتوں میں جھوٹ بولنے والے کافروں، مشرکوں اور منافقوں کے مقابلے میں مومنوں، متقیوں کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ساتھ ساتھ ان کے دنیا میں انجام دئے گئے اعمال کو بھی بیان کیا جا رہا ہے۔ مومنین اور متقین کے بہشت میں حالات کے حوالے سے چند نکتے بیان ہوئے ہیں:۔

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ خوبصورت اور سرسبز و شاداب باغات میں ہوں گے ان باغات میں چشمے بہہ رہے ہوں گے جس سے ان باغات کی خوبصورت میں اضافہ ہو گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ متقین کو اتنا کچھ دے گا کہ وہ اس سے راضی ہوں گے اور اللہ کی عطاء پر خوش ہوں گے۔ ان کی رضایت اور جنت جانے کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ دنیا میں:

۱۔ نیک اعمال بجا لاتے تھے۔

۲۔ رات کو کم سوتے تھے۔

۳۔ سحری کے وقت استغفار کرتے تھے۔

ان کے یہ اعمال پروردگار کے لیے اور اپنی معنویت اور روحانیت کے لیے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی مخلوق سے بھی ان کا رویہ بہت اچھا تھا اور وہ محتاجوں، پریشان حال لوگوں کی خصوصی مدد کرتے تھے۔ اور وہ فطرت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اس بات کا احساس رکھتے تھے کہ ان کے اموال میں سائل اور محروم دونوں کا حق ہے اس لیے وہ ان کے حق کو ادا کرتے تھے، تاکہ رحمت کا پھیلاؤ ہو، مہربانی کا عنصر عام ہو اور نیکو کاری، نفسانی خواہشات پر غالب آئے اور مادہ پرستی کی حوصلہ شکنی ہو، اس کے ساتھ ساتھ مستحبات کو بھی ادا کرتے تھے۔

سائل سے وہ شخص مراد ہے جو اپنے فقر و تنگدستی اور بھوک و افلاس کا اظہار کرتا ہے وہ دوسروں سے مانگتا ہے، جبکہ محروم سے مراد وہ ہے جو پاکدامنی، حمیت و غیرت اور سفید پوشی کی وجہ سے اپنی ضرورت کا اظہار کرنے سے شرم محسوس کرتا ہے۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ”اور زمین میں اہل یقین کے لیے نشانیاں ہیں“۔

وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾

ترجمہ: ” اور خود تمہاری ذات میں بھی، تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو ؟“

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: ” اور تمہاری روزی آسمان میں ہے اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے“۔

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ :''پس آسمان اور زمین کے پروردگار کی قسم !یقیناً وہ اسی طرح برحق ہے جس طرح تم باتیں کر رہے ہو''۔

توحید ربوبی کا بیان

ان آیات میں توحید ربوبی کو بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح خالقیت اور مالکیت میں تنہاء و یکتا ہے اسی طرح ربوبیت اور کائنات کو نظم دینے اور چلانے میں بھی یکتا ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے پہلے زمین میں موجود واضح اور روشن عجائب کا ذکر کیا گیا ہے جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔

۱۔زمین میں موجود عجائب،اللہ کی تدبیر کا ثبوت ہیں،جن میں خشکی ہے، دریا ہیں، سمندر ہیں، پہاڑ ہیں، حیوانات و نباتات کی انواع و اقسام ہیں، جوش مارتے پانی کے چشمے ہیں۔ زمین کے اندر خزانے ہیں، مختلف قسم کے معدنیات ہیں جو انسان کی زندگی کے لیے منفعت بخش ہیں۔ واضح رہے کہ یہ سب نظامات بغیر دقیق و منظّم و مرتب تدبیر و حکمت کے وجود میں نہیں آ سکتے۔ ان آیات میں کائنات کے عجائب کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اللہ کی وحدانیت کو ثابت کرنے کے لیے انہی عجائب کا حوالہ دیا گیا ہے۔

۲۔زمین میں موجود عجائب کے علاوہ انسان کی اپنی ذات میں بھی اللہ کی ربوبیت کی نشانیاں موجود ہی جنہیں آیات انفسی کہا جاتا ہے۔ جن میں انسان کی خلقت، اس کے بدن کے اعضاء کی ترتیب و ساخت و کیفیت و کمیت، شکل ان کا آپس میں دقیق قسم کا

ارتباط اور ایک دوسرے سے تعلق و رابطہ ہے۔ اہل یقین کے لیے ان آیات میں اللہ کی توحید اور ربوبیت کے واضح دلائل موجود ہیں۔

سماء سے مراد

اس کے بعد آسمان کے متعلق بات کی ہے اور فرمایا ہے کہ آسمان میں تمہارا رزق ہے۔ اگر سماء سے اوپر والی جہت مراد ہو تو اس صورت میں رزق کے آسمان میں ہونے سے مراد بارش ہے جو انسان کے لیے قسم قسم کی روزی مہیا کرنے کا وسیلہ ہے یا اس سے لوح محفوظ مراد ہے تو اس صورت میں یہ مراد ہو گا کہ تمہارا رزق لوح محفوظ میں ہے اور وہیں پر اندازہ گیری اور اس کی مقدار معین ہوتی ہے اور اسی کے مطابق دنیا میں تمہیں رزق ملتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک خاص نظم کے تحت ہے۔[1] لیکن اگر سماء سے عالم غیب مراد لیا جائے تو اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہو گا کہ تمام اشیاء عالم غیب سے عالم شہود میں اترتی ہیں، رزق بھی ان میں سے ایک ہے۔ رزق سے تمام اشیاء مراد ہیں جن میں لباس، رہائشی مکانات،ازواج، اولاد، معنوی غذائیں، علم، اور دوسرے نفسیاتی فضائل شامل ہیں۔ بظاہر ماتوعدون سے بہشت مراد ہے جس کا وعدہ متقین کو دیا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ قسم ہے آسمانوں اور زمین کے رب کی کہ جو کچھ ہم نے رزق کے بارے تمہیں بتایا ہے وہ سب برحق اور حتمی قضاء ہے اور ایسی حقیقت ہے جو قابل انکار نہیں، جس طرح تم جو کہتے ہو، بولتے ہو وہ حق ہے اسی طرح رزق کا اللہ کی جانب سے ہونا بھی حق ہے۔

---

[1]۔ رزق قضاء الہٰی میں داخل ہے اور یہ اولیت اور اصلیت کے لحاظ سے ہے نہ بالعرض اور تبعی۔ اس لحاظ سے ہر انسان کا رزق حق ہے جو اسے ملتا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''کیا آپ کے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت پہنچی ہے؟''

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۖ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''جب وہ ان کے ہاں آئے تو کہنے لگے: سلام ہو! ابراہیم نے کہا: سلام ہو! ناآشنا لوگ معلوم ہوتے ہو۔''

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''پھر وہ خاموشی سے اپنے گھر والوں کے پاس گئے اور ایک موٹا بچھڑا لے آئے۔''

فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''پھر اسے ان کے سامنے رکھا، کہا: آپ کھاتے کیوں نہیں؟''

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۖ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''پھر ابراہیم نے ان سے خوف محسوس کیا، کہنے لگے: خوف نہ کیجیے اور انہیں ایک دانا لڑکے کی بشارت دی''۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''تو ان کی زوجہ چلاتی ہوئی آئیں اور اپنا منہ پیٹنے لگیں اور بولیں: (میں تو) ایک بڑھیا (اور ساتھ) بانجھ (بھی ہوں)۔

قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۖ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''انہوں نے کہا: تمہارے پروردگار نے اسی طرح فرمایا ہے، وہ یقینا حکمت والا، خوب جاننے والا ہے''۔

ابراہیمؑ کو بیٹے کی بشارت

ان آیات میں استفہام تقریری کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ یاد دلایا گیا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ کیا آپ اس بارے جانتے ہیں کہ ایسا واقعہ ہوا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں فرشتے آئے اور انہیں سلام کیا، آپؑ نے ان کا جواب دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمان نواز تھے آپ نے دیکھا کہ ان جانے مہمان ہیں تو ان کے لیے کھانے کا انتظام کیا اور تھوڑی ہی دیر میں ایک بھنا ہوا بچھڑا ان کے سامنے لا کر رکھ دیا اور انہیں کھانے کی دعوت دی لیکن آپؑ نے دیکھا کہ وہ کھانا نہیں کھا رہے تو آپؑ کو تھوڑا خوف سا ہوا اور پریشان ہوئے کہ یہ کیسے لوگ ہیں کہ بھنا ہوا گوشت نہیں کھا رہے کیونکہ مہمان کا میزبان کے ہاں کھانا کھانے کا مطلب یہ لیا جاتا تھا کہ مہمان میزبان کے لیے خیر و برکت و امان ہیں۔ اب تک ابراہیم علیہ السلام یہی سمجھے تھے کہ ان کے پاس آنے والے مہمان انسان ہیں البتہ غیر ان جانے مہمان تھے۔ اس وجہ سے فوراً فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ تم ڈرو مت اور پریشان نہ ہو، ہم اللہ کی طرف سے تمہارے لیے صاحب علم بیٹے کی بشارت لے کر آئے ہیں اور انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو اسحٰق علیہ السلام نبی اللہ کی ولادت کی بشارت دی۔

ابراہیمؑ کی بیوی کا تعجب

مہمانوں کی اس بات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی جناب سارہ نے سن لیا جو بوڑھی اور بانجھ تھیں، ان سے اولاد نہیں ہوتی تھی تو خود انہوں نے

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ وہ ان کی کنیز ہاجرہ سے نکاح کرلیں چنانچہ حضرت بی بی ہاجرہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نکاح کر لیا اور ان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس خبر کو سن کر انہوں نے چیختی چلاتی ہوئی اپنا سر پیٹ لیا اور کہنے لگیں ہائے یہ کیسی خبر دے رہے ہو، کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک بوڑھی بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہو؟ تو فرشتوں نے ان کی حیرانگی دیکھ کر جواب دیا کہ یہ تیرے رب کا فیصلہ اور اسی کی مشیت ہے کہ آپ ہی سے بیٹا پیدا ہو اور اللہ حکیم ہے،وہ حکمت جانتا ہے اور مصلحت سے آگاہ ہے وہ علیم بھی ہےاور اس سے کوئی پہلو مخفی نہیں ہے، اسے پتہ ہے کہ تم بانجھ اور بوڑھی ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیٹادینے کاارادہ کرلیاہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣١﴾

ترجمہ: ’’ ابراہیم نے کہا :اے اللہ کے بھیجے ہوئے (فرشتو) آپ کی (اصل) مہم کیا ہے؟‘‘

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾

ترجمہ: ’’ انہوں نے کہا :ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں‘‘۔

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: ’’ تاکہ ہم ان پر مٹی کے کنکر برسائیں‘‘ ۔

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: ’’جو حد سے تجاوز کرنے والوں کے لیے آپ کے رب کی طرف سے نشان زدہ ہیں‘‘ ۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ”پس وہاں موجود مومنین کو ہم نے نکال لیا“۔

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ”وہاں ہم نے ایک گھر کے علاوہ مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔“

وَ تَرَكْنَا فِيْهَاۤ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ”اور دردناک عذاب سے ڈرنے والوں کے لیے ہم نے وہاں ایک نشانی چھوڑ دی۔“

قوم لوط کی تباہی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جو فرشتے آئے تھے یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تو اچھی خبر دینے آئے تھے اورساتھ ایک بری خبر بھی سنا گئے کہ ان کی اصل ذمہ داری کیا ہے؟ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ آنے والے فرشتے ہیں اور وہ کسی اہم کام کے لیے زمین پر آئے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے سوال کیا کہ مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم زمین پر کس کام کے لیے آئے ہو؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہم ایک مجرم قوم کو تباہ کرنے کے لیے آئے ہیں جو اللہ کے احکام کی پیروی نہیں کرتے۔ ان کی مراد قوم لوط تھی۔ وہ وہاں سے حضرت لوطؑ کے پاس آگئے ، حضرت لوط کی قوم ہم جنس پرستی کی بری عادت میں مبتلا تھی۔ جب فرشتے انسان کی شکل میں حضرت لوطؑ کے گھر آئے تو وہ حضرت لوطؑ کے مہمانوں سے بھی برا فعل کرنے کے لیے چڑھ دوڑے۔ حضرت لوطؑ نے کہا کچھ شرم کرو یہ تو میرے مہمان ہیں۔ وہ نہ مانے پس پھر کیا تھا اللہ کا عذاب ان پر آگیا، فرشتے حضرت لوطؑ اور ان کے

گھر والوں کو اس بستی سے باہر لے گئے البتہ حضرت لوطؑ کی ایک نافرمان بیوی ان مجرموں کے ساتھ ہلاک ہونے والوں میں سے تھی۔ اس بستی کو ان فرشتوں نے تہہ و بالا کر دیا اور بستی والے سب ہلاک ہو گئے۔

آخر میں بتایا گیا کہ اس ویران شدہ بستی کے آثار کو باقی چھوڑ دیا گیا تاکہ بعد والوں کے لیے عبرت ہو اور اس بستی والوں کی حالت کو یاد کرکے اللہ کے عذاب سے ڈریں۔ مشرکین مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم اپنے بارے میں سوچو کہ تم اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے کیونکہ تم سے پہلے بڑی بڑی طاقتور افواج، اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں اس لیے جب تم پر اللہ کا عذاب آئے گا تو تمہارا حال بھی ان جیسا ہو گا۔

وَ فِیۡ مُوۡسٰۤی اِذۡ اَرۡسَلۡنٰہُ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ”اور موسیٰ) کے قصے (میں بھی) نشانی ہے (جب ہم نے انہیں واضح دلیل کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا۔“

فَتَوَلّٰی بِرُکۡنِہٖ وَ قَالَ سٰحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ” تو اس نے اپنی طاقت کے بھروسے پر منہ موڑ لیا اور بولا: جادوگر یا دیوانہ ہے۔“

فَاَخَذۡنٰہُ وَ جُنُوۡدَہٗ فَنَبَذۡنٰہُمۡ فِی الۡیَمِّ وَ ہُوَ مُلِیۡمٌ ﴿ؕ۴۰﴾

ترجمہ: ”چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو گرفت میں لیا اور انہیں دریا میں پھینک دیا اور وہ لائق ملامت تھا“۔

موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور اسے بھی اللہ کی ایک نشانی قرار دیا ہے جس میں سمجھداروں کے لیے عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو واضح اور روشن برہان دے کر بھیجا۔ آپ کے پاس عصا تھا جو اژدھا بن جاتا تھا، آپ کی آستین سے نور ساطع ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جائیں اور اسے اور اس کے ساتھیوں کو دینِ الٰہی کی دعوت دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس گئے اور انہیں اللہ کا پیغام دیا لیکن انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو نہ مانا بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ تم تو جادوگر ہو یا پھر مجنون ہو۔ جب انہوں نے ایسا رویہ اپنایا تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر آگیا۔ اسی مطلب کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ ہم نے فرعون اور فرعونیوں کو پکڑ لیا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا۔ اس کی تفصیل دوسری آیتوں میں بیان کی گئی ہے کہ جب وہ سمندر کے درمیان پہنچے تو سمندر میں بنا راستہ بند ہو گیا اور وہ سب سمندر میں غرق ہو گئے۔ فرعون اور فرعونی، کفر و عناد اور سرکشی اپنانے کی وجہ سے قابل مذمت ہیں، ان کی ملامت ہونی چاہیے۔

وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۚ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ”اور عاد میں بھی) نشانی ہے (جب ہم نے ان پر نامبارک آندھی بھیجی“۔

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ؕ﴿۴۲﴾

ترجمہ: "وہ جس چیز پر گرتی تھی اسے بوسیدہ کر کے چھوڑ دیتی تھی۔

قوم عاد کا قصہ

اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں قوم عاد کی داستان بیان فرمایا ہے۔ عاد، حضرت ھود کی قوم تھی۔ قوم عاد ایک نافرمان قوم تھی جس پر اللہ کا عذاب آیا اور ان پر آنے والے عذاب کو اللہ تعالیٰ نے نشانی اور عبرت قرار دیا ہے۔ ان پر عذاب ہوا کے ذریعے اُتارا گیا، ایسی تند و تیز آندھی چلی کہ جہاں پر گئی اس نے ہر موجود کو راکھ بنا دیا اور کسی کا نام و نشان نہ چھوڑا۔ اس واقعہ کے ذریعے انسانوں کو بتا دیا کہ اس عذاب کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے زمانہ کے رسول کو قبول نہ کیا، ان کی تردید کی، ان کو جھٹلایا۔

وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: "اور ثمود میں بھی (نشانی ہے) جب ان سے کہا گیا: ایک وقت معین تک زندگی کا لطف اٹھا لو"۔

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: "مگر انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی تو انہیں کڑک نے گرفت میں لے لیا اور وہ دیکھتے رہ گئے"۔

فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: "پھر وہ اٹھ بھی نہ سکے اور نہ ہی وہ بدلہ لے سکے"۔

قوم ثمود کا قصہ

قوم ثمود حضرت صالح علیہ السلام کے زمانہ میں تھے۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی نافرمانی کی اور ان کی اونٹنی کو مار دیا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا تھا لیکن انہوں نے حضرت صالح کی بات نہ مانی۔ اس مطلب کو سورہ ھود آیت ۶۵ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ اللہ کے نبی نے ان سے کہا کہ تین دن تک اپنے گھر میں آرام سے رہو۔ یہ اللہ کا ایسا وعدہ ہے جس میں جھوٹ نہیں ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے یہ بات اس وقت کی جب وہ اونٹنی کو قتل کر چکے تھے۔ لیکن انہوں نے پھر بھی سرکشی کو نہ چھوڑا اور اللہ کی اطاعت سے گریزاں رہے، توبہ کا راستہ نہ اپنایا۔

اس کے بعد ان کے اوپر بجلی آن گری، ایک چنگھاڑ سنائی دی اور ان پر عذاب بن کر ٹوٹی۔ پھر ان کو مہلت نہ دی گئی، وہ حیرت بھری نگاہوں سے اس خوفناک منظر کو دیکھ رہے تھے، یہاں تک کہ انہیں اپنی جگہ سے اٹھنے کی مہلت بھی نہ ملی تاکہ وہ اس عذاب سے چھٹکارا پا سکتے اور کسی نے اس مرحلہ میں ان کی مدد نہ کی اور وہ اس عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

پیغام: اللہ کے وجود کا انکار کرنے والوں اور اللہ کے احکام کا مذاق اڑانے والوں اور اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے ان واقعات میں عبرت ہے کہ ان کے لیے ایسا یا اس سے بدتر عذاب آسکتا ہے۔ اگر دنیا میں عذاب نہ آیا تو آخرت کا دردناک ترین عذاب ان کے انتظار میں ہے۔ اے مشرکین مکہ، اے کافرو، مشرکو، منافقو! اب بھی فرصت ہے اللہ کی طرف رجوع کرلو۔ اللہ کی نشانیوں کو یاد کرو اور ہدایت پر آجاؤ تاکہ عذاب سے بچ جاؤ۔

وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۴۶

ترجمہ: ''اور اس سے پہلے نوح کی قوم) بھی ایک نشان عبرت (ہے، یقینا وہ فاسق لوگ تھے''۔

قوم نوحؑ کا تذکرہ

قوم فرعون، قوم عاد اور قوم ثمود کی داستان کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بھی گزری ہے جو فاسق اور گناہگار تھے۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے تھے۔ انہوں نے حضرت نوحؑ کی دعوت کو قبول نہیں کیا، سرکشی اور اللہ کی نافرمانی کا راستہ اپنایا۔ آخرکار ان پر اللہ کا عذاب پانی کے طوفان کی شکل میں آیا اور ان سب کا خاتمہ کر دیا۔

جن اقوام نے سابقہ ادوار میں اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا، ان کے لیے قیامت کی ہولناکی بیان کی گئی لیکن انہوں نے کچھ اثر نہ لیا تو سب کا انجام ایک جیسا ہوا، ان پر عذاب آیا اور ان کا صفایا ہو گیا۔ لہٰذا اللہ کے رسول کی تکذیب کرنے والے کفار مکہ پہلے لوگ نہیں ہیں، بلکہ ان سے پہلے بھی ان جیسے لوگ گزرے ہیں۔ اگر کفار قریش نے اللہ کے رسول کی دعوت کو قبول نہ کیا تو ان کا انجام بھی ان جیسا ہو گا اور یہ بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ''اور آسمان کو ہم نے قوت سے بنایا اور ہم ہی وسعت دینے والے ہیں''۔

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ''اور زمین کو ہم نے فرش بنایا اور ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں''۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٤٩﴾

ترجمہ: ''اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں، شاید کہ تم نصیحت حاصل کرو''۔

فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: ''پس تم اللہ کی طرف بھاگو، بتحقیق میں اللہ کی طرف سے تمہیں صریح تنبیہ کرنے والا ہوں''۔

وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۖ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٥١﴾

ترجمہ: ''اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بناؤ، میں اللہ کی طرف سے تمہیں صریح تنبیہ کرنے والا ہوں''

توحید کا اثبات

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل دیئے گئے ہیں۔ اس میں آفاقی نشانیوں کو لیا گیا ہے۔ اللہ کی وحدانیت کی اہم نشانیاں درج ذیل ہیں:۔

ا۔ آسمان: اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بنایا ہے اور اس کی بناوٹ اور ساخت میں اللہ کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے۔ اللہ کی طرف سے رزق دینے کے خزائن ختم نہ ہونے والے ہیں۔ آسمان سے رزق اترتا ہے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوا ہے اور اس میں ہر شئی کی حیات ہے۔ یہ ایک خاص نظم کے تابع ہے اگر

ایک خالق نہ ہوتا تو اس کی برکات اس طرح نہ ہوتیں۔ (موسعون) کا معنی یہ ہے کہ ہم آسمان کی خلقت میں وسعت دیتے ہیں اس امر کی آج کی ریاضی کی بحثیں بھی تائید کرتی ہیں۔

۲۔ زمین: آسمان کے بعد زمین کی بات کی ہے۔ زمین کو مسطح قرار دیا ہے، اس کو مسطح قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ آپ لوگ اس پر آرام وسکون کر سکیں ۔ ہم کتنے اچھے پھیلاؤ دینے والے ہیں۔ البتہ زمین کا مسطح ہونا اس کے غول ہونے کے ساتھ منافات نہیں رکھتا ہے۔ زمین پر رہائش کا سارا انتظام اللہ کی طرف سے ہے، زمین پر حیات کے سارے اسباب موجود ہیں، یہ بھی اللہ کی وحدانیت پر دلیل ہے۔

۳۔ اشیاء کا زوج زوج ہونا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ہر چیز کو جفت جفت خلق کیا ہے۔ زوجیت کا مطلب ہے دو چیزوں کا ایک دوسرے سے مربوط ہونا، ایک کا فاعل اور دوسرے کا منفعل ہونا۔ ایک اثر ڈالنے والا دوسرا اثر قبول کرنے والا۔ ہر چیز کا جوڑا جوڑا ہونا بہت بڑی حکمت ہے، اس میں حیات کا راز پوشیدہ ہے۔ ان سب چیزوں کے ذریعے انسان کو موقع دیا گیا ہے کہ وہ حقیقت کو سمجھیں اور یہ سمجھ جائیں کہ خالق ہستی ایک ہے اور اللہ کا کوئی زوج نہیں ہے، اللہ زوج اور شریک سے منزہ ہے۔ لہٰذا پوری کائنات اللہ کی وحدانیت اور یکتائی پر دلیل ہے۔

سابقہ بحثوں کا نتیجہ

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کا تذکرہ کیا، ان کے رویوں کو بیان کیا، ان کی نافرمانی کے نتیجے میں ان پر آنے والے عذاب کا تذکرہ کیا، اس کے بعد توحید کے اثبات کے لیے آفاقی نشانیوں کو بیان کیا اور کہا کہ خلقت ہی اللہ کی وحدانیت پر دلیل ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو نقل کیا گیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

اے انسان ان سارے دلائل کے بعد تم اللہ کی طرف آجاؤ، کفر کرنا چھوڑ دو، اللہ پر ایمان لے آؤ، کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ، اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود مت قرار دو کیونکہ اللہ ہی معبود یگانہ ہے وہ لاشریک ہے۔ اللہ کے عذاب سے ڈرو، اللہ کی قدرت پوری مخلوق کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۚ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ''اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا مگر اس سے انہوں نے کہا: جادوگر ہے یا دیوانہ''۔

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۚ﴿۵۳﴾

ترجمہ: ''کیا ان سب نے ایک دوسرے کو اسی بات کی نصیحت کی ہے؟ نہیں بلکہ وہ سرکش قوم ہیں''۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: ''پس آپ ان سے رخ پھیر لیں تو آپ پر کوئی ملامت نہ ہو گی۔''

وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: ''اور نصیحت کرتے رہیں کیونکہ نصیحت تو مومنین کے لیے یقیناً فائدہ مند ہے''۔

اللہ کے نمائندوں کے مدمقابل انسانوں کا رویہ

اللہ تعالیٰ ان آیات میں اپنے رسول کو یہ خبر دے رہا ہے کہ انسان سرکش ہے ان کا رویہ ہمیشہ سے ایسا رہا ہے کہ جن کے درمیان رسول آئے ان لوگوں نے ان کی بات کو نہ مانا اور انہیں جھٹلایا، کفر اختیار کیا، لہٰذا آج جو آپ کی بات نہیں مان رہے تو ان سے پہلے بھی ایسے تھے اگر آج آپ کو جادوگر اور مجنون کہہ رہے ہیں تو ماضی میں بھی ہر رسول کو اس زمانے کے لوگ جادوگر اور مجنون کہتے تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ سارے لوگ ایک دوسرے کو وصیت کرتے گئے کہ جب بھی تمہارے پاس اللہ کا رسول آئے تو اسے جھٹلانا اور اسے جادوگر اور مجنون کہنا۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ ایسے لوگ نافرمان تھے، ان کے مزاج میں سرکشی اور مخالفت رچی بسی تھی۔ انہوں نے واضح حقائق کو جھٹلایا اور اللہ کی اطاعت سے گریزاں رہے، آج بھی یہ لوگ اللہ کی بندگی سے فراری ہیں۔

نتیجہ: اے میرے پیارے رسول! جب صورتحال ایسی ہے تو آپ پریشان نہ ہوں، ان کی سرکشی کے ذمہ دار آپ نہیں ہیں، انہیں اپنے حال پر رہنے دیں، یہ اپنے اس رویہ کی سزا بھگتیں گے، آپ پر کوئی ملامت نہیں ہے کیونکہ آپ نے ان پر حجت تمام کر دی ہے۔[1] رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنے موعظہ اور نصیحت کے عمل کو جاری رکھیں، لوگوں کو خطرات سے آگاہ کرتے رہیں، انہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتے رہیں، کیونکہ تذکر مومنوں کو فائدہ دیتا ہے۔ جبکہ سرکشوں اور

---

[1]۔ مجمع البیان جلد ۹ میں مجاہد نے حضرت علی علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب یہ آیت "فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ۔۔۔" اُتری تو سب کو یقین ہو گیا کہ عذاب آنے والا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو اُمت کے درمیان سے باہر جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن جب بعد والی آیت "وَّ ذَكِّرۡ فَاِنَّ الذِّكۡرٰى تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ" نازل ہوئی تو لوگوں کے دلوں کو سکون نصیب ہوا۔

باغیوں کو اس کا کوئی فائدہ نہ ہو گا بلکہ ان کی سرکشی بڑھے گی۔ سرکشوں کا انجام بہت برا ہے۔ انسان کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾

ترجمہ: ”اور میں نے جن و انس کو خلق نہیں کیا مگر یہ کہ وہ میری عبادت کریں“۔

مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ﴿٥٧﴾

ترجمہ: ”میں نہ ان سے کوئی روزی چاہتا ہوں اور نہ ہی میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں“۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿٥٨﴾

ترجمہ: ”یقیناً اللہ ہی بڑا رزق دینے والا، بڑی پائیدار طاقت والا ہے“۔

خلقت کا ہدف

خلقت کی غرض اللہ کی معرفت اور اطاعت کرنا ہے۔ واضح ہے کہ اس اطاعت کا فائدہ خود مخلوقات کو ہے کیونکہ عبادت کے نتیجے میں وہ کمال پا لیتے ہیں۔ اس طرح انہیں بہترین زندگی نصیب ہو گی اور حقیقی زندگی کو پالیں گے۔ وگرنہ اللہ تعالیٰ ان کی عبادت سے بے نیاز ہے۔ وہ مخلوق کو اپنی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اللہ کی عبادت سے فیضیاب ہوں اور منفعت حاصل کریں۔ اس بارے سورہ فرقان کی آیت ۷۷ میں ہے:

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۚ

ترجمہ: ''ان سے کہہ دو اگر تمہاری دعا نہ ہوتی تو میرا پروردگار تمہاری پرواہ نہ کرتا''۔

عبادت کی حقیقت

عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی ذات اور اپنے سارے متعلقات کو چھوڑ دے اور ماسواء اللہ سے تعلق توڑ کر اللہ سے تعلق جوڑے، تنہا اپنے رب کی یاد میں رہے، خود کو ذلت اور عبودیت کی منزل پر قرار دے تاکہ ابدی سعادت کو پہنچے، اپنے خالق کے سامنے جھکنا، خود کو اپنے مالک اللہ کا عبد ذلیل اور فقیر و مسکین قرار دینا ہے۔ اگر انسان کے پاس یہ کمال نہ ہو گا تو وہ سعادت کو نہیں پا سکتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ کی معرفت حاصل کرے کیونکہ اللہ کی معرفت ہی ہے جو انسان کو اللہ کا عبد بنا دیتی ہے۔

حدیث قدسی میں اس مطلب کو بیان کیا گیا ہے کہ:

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِكَيْ أُعْرَفُ اللهُ

ترجمہ: ''میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے یہ پسند کیا کہ میری پہچان ہو، لہٰذا میں نے مخلوق کو خلق کیا تاکہ میری پہچان ہو''۔

اللہ کی عبادت کا فائدہ

اللہ کی عبادت کا فائدہ خود انسان کے لیے ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ تمہاری عبادت سے نہ تو میں نے روزی کا ارادہ کیا ہے اور نہ ہی میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے کھانا کھلاؤ بلکہ پوری کائنات کو روزی دینے والا میں ہوں۔ سارے انسان اللہ کی رحمت کے دسترخوان سے کھا رہے ہیں، جو دوسرے کے ہاں سے روزی لے رہے ہوں وہ کسی کو کیا دیں گے! تمام مخلوقات اللہ سے روزی لے رہے ہیں۔ اللہ

کے پاس قدرت ہے وہ ہی طاقت ور ہے، اسے کوئی بھی ناتواں نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی اللہ کو عاجز کر سکتا ہے۔ اللہ کی شان ان سب باتوں سے بلند ہے۔اللہ کو دنیا کے مالداروں سے نسبت نہیں دے سکتے کہ ان کے کچھ زیر دست ہوتے ہیں اسی وجہ سے وہ انہیں اپنا غلام اور اپنی رعیت بنا کر رکھتے ہیں جبکہ اللہ تو سب کا خالق و مالک ہے اور سب پر قادر ہے، ساری طاقت اللہ کے لیے ہے، وہ غنی علی الاطلاق ہے، سب اس کے محتاج ہیں، وہ غنی بالذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کو عبادت کا حکم کسی احتیاج اور ضرورت کی غرض سے نہیں دیا بلکہ اپنی مخلوق کو فیض پہنچانے اور انہیں کمال کی منزل تک پہنچانے کے لیے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: ”پس جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے حصے میں وہی سزائیں ہیں جو ان کے ہم مشربوں کے حصے میں تھیں، لہٰذا وہ مجھ سے عجلت نہ مچائیں“۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: ” پس کفار کے لیے تباہی ہے اس روز جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے“۔

ظالموں کا انجام

سب ظالموں کا انجام ایک جیسا ہے جس طرح سابقہ زمانوں کے ظالمین اللہ کی نافرمانی اور ظلم کی وجہ سے اللہ کے عذاب کے مستحق ٹھہرے، اسی طرح آج کے ظالمین کو بھی اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے وہی سزا ملے گی۔ پہلے بھی بتایا گیا کہ جنات اور انسانوں

کی خلقت عبادت کے لیے ہے، لہٰذا جو اللہ کی عبادت نہیں کریں گے وہ ظالم و ستمگار ہیں۔ اس اُمت کے ستمگاروں کے لیے بھی عذاب کا حصہ متعین ہے جیسا پچھلی اُمتوں کے ستمگاروں کے لیے تھا۔ سب ظالم، ستم کرنے والے اور اللہ کی عبادت نہ کرنے والے ہم مسلک ہیں، جس طرح تکفیر اور تکذیب کے نتیجہ میں ان پر اللہ کا عذاب آیا اور ہلاک ہوئے، اسی طرح یہ لوگ بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے اور ہلاک ہوں گے۔ لہٰذا انہیں کیا جلدی ہے؟ اے میرے رسولؐ! انہیں کیا ہوا ہے کہ آپ سے کہتے ہیں کہ یہ عذاب کب آئے گا؟ قیامت نے کب آنا ہے ؟اور کہتے ہیں کہ ”

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (سورہ یونس، آیت ۴۸)

ترجمہ :”اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب ہے اگر تم سچے ہو“ ۔ عذاب ان پر اسی دُنیا میں آئے یا آخرت میں آئے، ہر صورت میں ان پر عذاب آئے گا، یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ کا انکار اور قیامت کا کفر ہلاکت اور تباہی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ کافروں کی سزا جہنم ہے اور ظالموں ستمگاروں کا انجام بھی ہلاکت اور عذاب الٰہی ہے۔

سورۃ الطور

(مکی۔ کل آیات: ۴۹)

سورہ کے مطالب

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو جھٹلانے والوں کو عذاب سے ڈرانا اور خطرات سے آگاہ کرنا اور اہل تقویٰ کے لیے انعامات کا تذکرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ الطُّوۡرِ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: "قسم ہے طور کی۔"

وَ کِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: "اور لکھی ہوئی کتاب کی،"

فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: " ایک کشادہ ورق میں،"

وَّ الۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: "اور بیت معمور (آباد گھر) کی،"

وَ السَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: "اور بلند چھت کی،"

وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ۙ﴿۶﴾

ترجمہ: ''اور موجزن سمندر کی،''

اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾

ترجمہ: ''آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے،''

مَّا لَہٗ مِنۡ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾

ترجمہ: ''اسے ٹالنے والا کوئی نہیں ہے،''

یَّوۡمَ تَمُوۡرُ السَّمَآءُ مَوۡرًا ۙ﴿۹﴾

ترجمہ: ''اس روز آسمان بری طرح تھر تھرائے گا،''

وَّ تَسِیۡرُ الۡجِبَالُ سَیۡرًا ﴿ؕ۱۰﴾

ترجمہ: ''اور پہاڑ پوری طرح چلنے لگیں گے،''

عذاب الٰہی کا حتمی ہونا

اس سورہ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے کائنات میں موجود چھ موجودات کا نام لے کر ان کی قسم اٹھائی ہے۔ ان میں سے ہر ایک چیز اس کی حیثیت مسلّم ہے ان کی قسم اٹھا کر ان کی حقیقت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ کا عذاب ہر صورت آنا ہے۔ جن چیزوں کی قسم اٹھائی ہے ان میں درج ذیل چیزیں شامل ہیں۔

۱۔ کوہ طور: یہ وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام جاتے تھے اور اللہ کی وحی وصول کرتے تھے اس کی اپنی اہمیت ہے اس کا حوالہ دیا ہے۔

۲۔ کتاب توریت: یہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُتری، یہ کتاب اوراق پر لکھی ہوئی تھی حضرت موسیٰؑ ان اوراق کو لپیٹ کر رکھتے تھے اور پھر اسے کھولتے تھے اس لیے کتاب جو اوراق پر لکھی ہوئی تھی اس کی قسم اٹھائی گئی ہے اور پھر اس کی بھی جب اس کے اوراق کو پڑھنے کے لیے پھیلا دیا تھا۔ اس جگہ کچھ اور اقوال بھی ہیں کہ کتاب مسطور سے مراد لوح محفوظ ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے مقدس کتاب کی قسم اٹھائی ہے۔

۳۔ خانہ کعبہ: کی قسم کھائی گئی ہے۔ جب سے اس کی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی اس وقت سے یہ آباد ہی رہا ہے۔ بیت معمور سے مراد وہ گھر بھی ہو سکتا ہے جو کعبۃ اللہ کے اوپر آسمانوں میں موجود ہے اور فرشتے اس کے گرد طواف کرنے میں مصروف ہیں۔ بہر حال اس مقدس مقام کی قسم اٹھائی گئی ہے۔

۴۔ آسمان کی قسم: یہ چھت کی مانند انسانوں کے اوپر موجود ہے۔ یہ اتنا عظیم ہے کہ اس کی قسم اٹھائی ہے۔

۵۔ سمندر: جو آگ سے بھرا ہوا ہے جیسا کہ سورہ التکویر میں بھی آیا ہے۔ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (اور وہ وقت جب سمندر آگ بگولا کر دیئے جائیں گے) یہ اشارہ ہے کہ سمندروں کا پانی کھولتی ہوئی آگ بن جائے گا۔ اتنی ساری قسمیں اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ قیامت کے دن عذاب نے ہر صورت آنا ہے اور اس عذاب کے سامنے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکے گی اور نہ ہی اس عذاب کو کوئی ٹال سکے گا اور یہ جو کہا گیا ہے کہ "تیرے رب کا عذاب" تو اسلیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فرماتے تھے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرو! اللہ کی نافرمانی نہ کرو تو آپ اس بیان سے تائید کی گئی ہے۔

قیامت کے دن کی کیفیت

آخر میں قیامت کے دن کے بارے بیان کیا گیا ہے کہ اس دن آسمان دھوئیں کی مانند حرکت میں ہو گا، تمام ستارے ٹوٹ جائیں گے ہر شئی تہہ و بالا ہو جائے گی، کچھ بھی اپنی اصلی حالت میں نہ ہو گا اور بڑا زلزلہ آئے گا، پہاڑ دُھنی ہوئی روئی کی مانند ہوں گے۔ سورہ حج میں فرمایا: ان زلزلۃ الساعۃ شئی عظیم۔ (بتحقیق قیامت کا زلزلہ کتنا ہی عظیم اور بڑا زلزلہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ اس دن سارے سمندر آگ بن جائیں گے اس وقت سب گناہگاروں، منکروں، کافروں، مشرکوں، منافقوں کو ہانک کر آتش جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ”پس اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے تباہی ہے،“

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۘ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”جو بیہودگیوں میں کھیل رہے ہیں۔“

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”اس دن وہ شدت سے جہنم کی آگ کی طرف دھکیلے جائیں گے۔“

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”یہ وہی آگ ہے جس کی تم لوگ تکذیب کرتے تھے۔“

جھٹلانے والوں کی سزا

ان آیات میں یہ بات بتائی جارہی ہے کہ جو لوگ دنیا میں قیامت کو جھٹلاتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ عذاب نہیں ہو گا پیغمبر کی دعوت کو نہیں مانتے تھے ان کی تکذیب کرتے تھے اور

باطل اور بے فائدہ کاموں میں سرگرم رہتے تھے اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے تھے وہ ایسے کاموں میں غرق تھے کہ جسکا کوئی فائدہ تھا ان کی باتیں بغیر کسی دلیل و منطق کے تھیں اور سب بے عقلی باتیں تھیں جس کا ان کے لیے کچھ فائدہ نہ تھا اور یہ سب آخرت میں ان کے نقصان میں جائیں گی۔

قیامت کا وصف

قیامت کا ایک وصف یہ ہے کہ دنیا میں جو اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے رہے اور دنیا میں کھیل تماشہ میں لگے رہے اور آخرت کو جھٹلاتے رہے تو یہ قیامت ایسا دن ہے جس میں ان جھٹلانے والوں کو آتشِ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ قیامت ایسا دن ہے جس میں کافروں کو یاد دلایا جائے گا کہ یہ وہی آگ ہے جس کا تم دنیا میں انکار کرتے تھے اور تم انبیاؑ کی خبروں کو جھٹلاتے تھے آج کا دن انبیاؑ کی خبروں کی تصدیق کا دن ہے اور جھٹلانے والوں کو آگ میں دھکیلنے اور سزا دینے کا دن ہے۔

اَفَسِحۡرٌ هٰذَاۤ اَمۡ اَنۡتُمۡ لَا تُبۡصِرُوۡنَ ۚ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''(بتاؤ) کیا یہ جادو ہے یا تم دیکھتے نہیں ہو؟''

قیامت کے دن سوال

قیامت کو جھٹلانے والوں سے قیامت کے دن سوال ہو گا اب جبکہ وہی آگ تمہارے سامنے بھڑکتی ہوئی نظر آرہی ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے تو اس منظر کے بعد اب بھی تم یہ کہتے ہو کہ قرآن نے جو کچھ خبر دی وہ سب جادو ہے؟ معلوم ہے اور اس میں شک بھی نہیں ہے کہ سب حق ہے اور سچ ہے اور جو کچھ تم اپنی زبان پر لاتے تھے وہ وہم اور خرافات و باطل تھا جیسا کہ سورہ احقاف کی آیت ۳۴ میں ہے:

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ

ترجمہ: ''اور وہ دن جس میں کافروں کو آگ پر پیش کر دیا جائے گا تو اُن سے پوچھا جائے گا کہ اب بتاؤ یہ سب کچھ جو تمہیں بتایا جاتا تھا برحق نہیں؟ یقیناً برحق ہے۔''

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''اب اس میں جھلس جاؤ (جلو، مرو) پھر صبر کرو یا صبر نہ کرو تمہارے لیے یکساں ہے، تمہیں تو بہرحال تمہارے اعمال کی جزائیں دی جائیں گی۔''

کافروں سے خطاب

مذکورہ ساری گفتگو کے علاوہ کافروں کو خطاب کیا جائے گا کہ اب جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو، اب اسے بھگتو اس پر جزع و فزع کرو، ہائے ہائے کرو، شور مچاؤ یا خاموش رہو۔ تمہاری حالت میں فرق نہیں آئے گا کیونکہ کوئی امر بھی تمہارے عذاب کو کم نہیں کر سکتا یہ عذاب ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا یہ بعینہٖ تمہارا عمل ہے اور یہ معقول نہیں کہ عمل اور عمل کرنے والے کے درمیان جدائی آجائے اور عمل کی نسبت عمل کرنے والے سے چھین لی جائے بلکہ ہمیشہ کے لیے تمہارا عمل جسمانی شکل میں تمہارے لیے منسلک اور موجود رہے گا۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''اہل تقویٰ تو یقینا جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔''

فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَ وَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''ان کے رب نے جو کچھ انہیں عطا کیا ہے اس پر وہ خوش ہوں گے اور ان کا پروردگار انہیں عذاب جہنم سے بچا لے گا۔''

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''خوشگواری سے کھاؤ اور پیو ان اعمال کے عوض جو تم کرتے رہے ہو۔''

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''وہ صف میں بچھی ہوئی مسندوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے اور بڑی آنکھوں والی حوروں سے ہم ان کا عقد کر دیں گے۔''

متقین کے حالات

کافروں کے حالات کو بیان کرنے کے بعد متقین کے حالات کو بیان کیا جا رہا ہے کہ جب یہ آخرت میں پہنچیں گے تو انہیں بہشتی باغات میں داخل کیا جائے گا۔ بہشت میں کتنے ہی خوبصورت نظارے اور خوشبودار درختوں پر مشتمل باغات ہوں گے جن میں لہلہاتے کھیت، بہتے ہوئے چشمے، نہریں اور آبشاریں جاری ہوں گی، قسم قسم کی نعمات ہوں گی جن سے اہل تقویٰ بہرہ ور ہوں گے، وہ ان نعمات سے لذت لیں گے، خوشحال ہوں گے اور آپس میں پیار ومحبت کی باتیں کریں گے، حورالعین کی رفاقت نصیب ہو گی، خوبصورت ہی خوبصورت نازک اندام، موٹی آنکھیں رکھنے والی، دل کو لبھانے والی، ایک نظر میں دل موہ لینے والی حُور العین ان کے لیے آمادہ اور خدمت کے لیے تیار ہوں گی۔ صوفے لگے ہوں گے، تخت بچھے ہوں گے، کرسیاں سجی ہوں گی، جن پر اہل تقویٰ تکیہ لگائے بیٹھے مزے لے رہے ہوں گے، خوش گپیوں میں مصروف ہوں گے آپس میں پیار اور محبت کا رابطہ ہوگا، حوریں بھی ساتھ موجود ہوں گی، اس جگہ (زَوَّجْنَا) سے مراد تزویج نہیں ہے اور نہ عقدِ نکاح ہے بلکہ اس کو

حورالعین کے ساتھ لگا کر اس معنی کو بیان کیا گیا ہے کہ حوریں ان جنتیوں کی معیت میں ان کے ساتھ ملحق ہوں گی، ان سے جدا نہ ہوں گی ان کے ساتھ ان کا اتصال ہو گا ہر ایک کیفیت کو بیان کیا گیا ہے ایسا اتصال جو لذت آور ہو گا جس کی توصیف دنیاوی کسی اتصال سے نہیں کی جا سکتی۔

اہل تقویٰ کے لیے پیغام

اہل تقویٰ کو یہ پیغام دیا جائے گا کہ تم بہشتی باغات میں آرام سے رہو کھاؤ پیو مزے اڑاؤ، تمہارے لیے کوئی تکلیف نہیں ہے، بہر حال اہل تقویٰ آرام و سکون میں ہوں گے یہ بھی انکے عمل کا نتیجہ اور صلہ ہو گا۔ اسلیے یہ کہا جائے کہ جو کچھ تم یہاں دیکھ رہے ہو اور جو تمہیں ملا ہے یہ تمہارا ہی عمل ہے جسے تم دنیا میں انجام دیتے تھے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ”اور جو لوگ ایمان لے آئے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ان کی اولاد کو (جنت میں) ہم ان سے ملا دیں گے اور ان کے عمل میں سے ہم کچھ بھی کم نہیں کریں گے، ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے۔“

مومنوں پر اللہ کا احسان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو مومنوں پر احسان کیا ہے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مومنوں کی وہ اولاد جس نے ایمان کے سلسلے میں اپنے آباء کی پیروی کی ہے تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کے ساتھ ملحق کر دیں گے اگر وہ عمل میں اپنے آباء کے درجہ پر نہ پہنچتے ہوں گے لیکن ان کی اولاد کو جو اضافی اجر ملے گا تو اس کے بدلے میں ان کے آبا کا جو اجر و ثواب ہے اس سے کچھ کم نہ

ہو گا کیونکہ آبا کے مقام سے کچھ کم کرکے ان کی اولاد کو دے دینا یہ اللہ کے مقام کریمی کی شان کے منافی ہے اسی طرح ہر شخص اپنے عمل کا مرہون ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کا اپنا عمل اللہ کے پاس موجود اور محفوظ ہے اس میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوتا۔ اگر کسی کے عمل سے کچھ کم ہو جاتا ہے یا خدا اس کے بعض اعمال کا ثواب عمل کرنے والے کو نہ دے تو اس صورت میں انسان اپنے پورے اعمال کی جزا کا سزاوار نہ ہو گا بلکہ بعض اعمال کا، تو ایسا رویہ الٰہی کرم و فضل کے منافی ہے۔

وَ اَمۡدَدۡنٰهُمۡ بِفَاكِهَةٍ وَّ لَحۡمٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: "اور ہم انہیں پھل اور گوشت جو ان کا جی چاہے فراہم کریں گے۔"

يَتَنَازَعُوۡنَ فِيۡهَا كَاۡسًا لَّا لَغۡوٌ فِيۡهَا وَ لَا تَاۡثِيۡمٌ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: "وہاں وہ آپس میں جام پھراتے ہوں گے جس میں نہ بیہودگی ہو گی اور نہ گناہ۔"

وَ يَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ غِلۡمَانٌ لَّهُمۡ كَاَنَّهُمۡ لُؤۡلُؤٌ مَّكۡنُوۡنٌ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: "اور ان کے گرد نوعمر خدمت گزار لڑکے ان کے لیے چل پھر رہے ہوں گے گویا وہ چھپائے ہوئے موتی ہوں گے۔"

بہشتیوں کو ملنے والی چند نعمات کا تذکرہ

بہشتیوں کو ہر قسم کا میوہ ملے گا۔ جو لذیذ اور خوشبودار ہوں گے ایسا مزہ ہو گا جو پہلے نہ چکھا ہو گا۔

ہر قسم کا گوشت ان کے لیے موجود ہو گا۔

ان کی ہر خواہش پوری ہو گی۔

پاک وطاہر پاکیزہ شراب کے کھلتے جام انہیں دیئے جارہے ہوں گے۔

خوبصورت، لؤلؤ و مرجان کی مانند خوبصورت لڑکے ان کی خدمت کے لیے موجود ہوں گے۔

وہاں پر نہ گناہ ہوگا نہ کثافت ہو گی، نہ ہی فضولیات ہوں گی۔

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٥﴾

ترجمہ: ”اور یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے۔“

قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: ”کہیں گے: پہلے ہم اپنے گھر والوں کے ٹھکرائے ہوئے رہتے تھے۔“

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: ”پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں جھلسا دینے والی ہواؤں کے عذاب سے بچالیا۔“

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿٢٨﴾ ع

ترجمہ: ”اس سے پہلے ہم اسی کو پکارتے تھے وہ یقینا احسان فرمانے والا، مہربان ہے۔“

بہشتیوں کی جنت میں خوش گپیاں

ان آیات میں بہشت کے اندر جنتی لوگوں کی آپس میں خوش گپیوں کی ایک جھلک بیان کی گئی ہے:

یہ آیات بتاتی ہیں کہ جنتی آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے اور ایک دوسرے سے دنیا میں گزرے لمحات کو بیان کریں گے وہ اپنے اچھے اعمال کا تذکرہ کریں گے اور ایک دوسرے کے حالات بھی پوچھیں گے وہ بتائیں گے ہم کس طرح دنیا میں اپنے رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرتے تھے، اُن کے دلسوز تھے، ان پر مہربان تھے۔ لہٰذا اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے بھی ہمارے اوپر مہربانی کی ہے اور ہمیں زہریلے بھڑکتے سخت عذاب سے محفوظ رکھا ہے۔

پیغام: دنیا میں رشتہ داروں سے اچھے تعلقات جنت میں جانے کا وسیلہ اور عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہیں لہٰذا صلہ رحمی کا حکم اس لیے دیا گیا ہے۔ جنتی اپنے اس عمل کو خصوصی طور پر ذکر کریں گے جس سے اس عمل کی اہمیت اور افادیت کا پتہ چلتا ہے۔

دوسری بات یہ کریں گے کہ ہم دنیا میں اللہ کو یاد کرتے تھے اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے اور اللہ کے احکامات پر توجہ دیتے تھے، دوسروں کو بھی اللہ کی طرف بلاتے تھے تو اللہ نے ہمارے اوپر بڑی مہربانی کی ہے۔ وہ احسان کرنے والا اور بڑا مہربان ہے اس لیے اُس نے ہمیں دنیا میں اچھے کاموں کا بدلہ اس جنت میں دیا ہے۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: ”لہٰذا آپ نصیحت کرتے جائیں کہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون۔“

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: ”کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے، ہم اس کے بارے میں گردش زمانہ (موت) کے منتظر ہیں؟“

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿٣١﴾

ترجمہ: ''کہہ دیجیے: انتظار کرو کہ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔''

رسول اللہؐ کے لیے خصوصی پیغام

مشرکین مکہ حضور پاک ﷺ پر طرح طرح کی باتیں کرتے تھے آپ کو کاہن، جادوگر، شاعر اور دیوانہ کہتے تھے آپ کی بات کو نہ مانتے تھے اور بے باک ہو کر یہ کہتے تھے کہ ہم تو تمہاری موت کے منتظر ہیں تاکہ تمہارے شر سے نجات پالیں تو اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کی ان بے ہودہ باتوں کے حوالے سے اپنے پیارے رسول ﷺ کو یہ دستور دیا ہے کہ آپ دعوتِ حق کے عمل کو جاری رکھیں ان کی باتوں کی پرواہ نہ کریں۔ خود اللہ گواہی دے رہا ہے کہ تُو نہ تو کاہن ہے اور نہ ہی دیوانہ شاعر۔ یہ سب غلط کہہ رہے ہیں، آپ انہیں دھمکی دے دو تم میری موت کا انتظار کر رہے ہو تو ٹھیک ہے میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔ لگ پتہ جائے گا کہ تمہارا کیا حشر ہوتا ہے عذابِ الٰہی تمہارے انتظار میں ہے اور یہ انتظار تمہارے نقصان میں ہے اور تمہاری ہلاکت پر اس انتظار کا خاتمہ ہوگا۔

اَمۡ تَاۡمُرُهُمۡ اَحۡلَامُهُمۡ بِهٰذَاۤ اَمۡ هُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ ۚ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''کیا ان کی عقلیں انہیں ایسا کرنے کو کہتی ہیں یا یہ سرکش لوگ ہیں؟''

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلۡ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ۚ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں اس (قرآن) کو اس نے خود گھڑ لیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ ایمان نہیں لاتے۔''

فَلۡیَاۡتُوۡا بِحَدِیۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ كَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ ؕ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ”پس اگر یہ سچے ہیں تو اس جیسا کلام بنا لائیں۔“

کافروں کی بے بنیاد باتوں پر تبصرہ

کفار اور مشرکین جو کہتے تھے کہ ہم رسولؐ کی موت کے منتظر ہیں تو ان کی یہ بات بے عقلی پر مبنی ہے۔ حقیقت میں یہ لوگ سرکش اور باغی ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے جو باتیں انہوں نے کی ہیں کہ وہ کاہن ہے، شاعر ہے، جادوگر ہے یا مجنون ہے تو یہ ان کی اپنی گھڑی ہوئی اور بے بنیاد باتیں ہیں۔ لیکن دینِ حق کے بارے میں سرکشی اور عناد سبب بنا کہ وہ اپنی عقلوں سے استفادہ کرنے کی بجائے خلاف عقل باتیں کرنے لگے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ قرآن ایک دیوانے کی ایجاد ہے یہ اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف اس کی غلط نسبت دی گئی ہے۔ تو ان سے یہ کہا گیا ہے کہ اگر تم سچ کہتے ہو کہ یہ کلام رسولؐ کا اپنا بنایا ہوا ہے تو وہ تمہاری طرح انسان ہی تو ہے، تمہاری طرح بولتا ہے، تمہاری طرح حروفِ تہجی کا استعمال کرتا ہے پس تم اس قرآن جیسا کوئی کلام بنا کر لے آؤ۔ اس بات سے ان کی عاجزی و ناتوانی کو بیان کیا جا رہا ہے کہ جب وہ اس حقیقت اور چیلنج کا سامنا نہیں کر سکتے تو غلط بیانی اور جھوٹے الزامات کا سہارا لیتے ہیں۔

پیغام: یہ آیات اس حقیقت کو آشکار کر رہی ہیں کہ جب جاہل و سرکش انسان حقیقت اور سچائی کا سامنا نہ کر پائے اور اس کے پاس دلائل ختم ہو جائیں تو وہ بے بنیاد الزام تراشی اور بغض و عناد پر اُتر آتا ہے۔ جس کے پاس اپنی بات کے اثبات کی دلیل اور نہ ہو تو وہ گالی پر اتر آتا ہے یہ اس کی کمزوری دلیل ہے یہی کفارِ مکہ کرتے تھے۔

اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ اَمۡ ہُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ”کیا یہ لوگ بغیر کسی خالق کے پیدا ہوئے ہیں یا خود (اپنے) خالق ہیں؟“

اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ ۚ بَلۡ لَّا یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ''یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ یقین نہیں رکھتے۔''

اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمۡ هُمُ الۡمُصَۜیۡطِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ''کیا ان کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں یا ان پر ان لوگوں کا تسلط قائم ہے؟''

اَمۡ لَهُمۡ سُلَّمٌ یَّسۡتَمِعُوۡنَ فِیۡهِ ۚ فَلۡیَاۡتِ مُسۡتَمِعُهُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس (کے ذریعے) سے یہ وہاں (عالم ملکوت) کی باتیں سنتے ہیں؟ (اگر ایسا ہے) تو ان کا سننے والا واضح دلیل پیش کرے۔''

اَمۡ لَهُ الۡبَنٰتُ وَ لَكُمُ الۡبَنُوۡنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ''کیا اللہ کے لیے بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے ہیں؟''

اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ''کیا آپ ان سے اجر مانگتے ہیں کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے؟''

اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَیۡبُ فَهُمۡ یَكۡتُبُوۡنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ''یا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے وہ لکھتے ہوں؟''

اَمۡ یُرِیۡدُوۡنَ كَیۡدًا ؕ فَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا هُمُ الۡمَكِیۡدُوۡنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ''کیا یہ لوگ فریب دینا چاہتے ہیں؟ کفار تو خود فریب کا شکار ہو جائیں گے۔''

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ''یا ان کا اللہ کے سوا کوئی معبود ہے؟ اللہ اس شرک سے پاک ہے جو یہ کرتے ہیں۔''

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''اور اگر یہ لوگ آسمان سے (عذاب کا) کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تو کہیں گے: یہ تو سنگین بادل ہے۔''

کفار کے خلاف احتجاج

جو کچھ کفار کہتے تھے اور وہ جن باتوں پر اعتقاد رکھتے تھے، ان سب کو ایک ایک کرکے ان آیات میں بیان کیا گیا ہے اور اس کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

سب سے پہلے ان کے سامنے یہ سوال رکھا گیا کہ تم بغیر کسی خالق کے پیدا ہوئے ہو یا تم نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ سب کی خلقت ایک ہی خالق نے کی ہے۔ جب تمام انسان ایک ہی اللہ کی مخلوق ہیں تو پھر اللہ کے اوامر اور نواہی ان سب کے لیے ہیں اور سب پر اُن کی پیروی کرنا ضروری ہے اور وہ خود کو ذمہ داریوں اور فرائض کی بجاآوری سے آزاد نہیں قرار دے سکتے ان کفار کو یہ بھی معلوم ہے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ ہے مگر اصل بات تو یہ ہے کہ یہ کفار ایسے لوگ ہیں جو یقین کی حالت سے عاری ہیں حق کو قبول کرنے کی آمادگی ان میں نہیں ہے۔

پھر ان کفار کو جھنجھوڑا کہ کیا ان لوگوں کے پاس اللہ کی رحمت کے خزانہ کی چابیاں ہیں تاکہ اپنی مرضی سے نبوت و رسالت کے بارے تصرف کریں اور جو چاہیں انجام دیں۔ تو ایسا بھی نہیں ہے ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔

پھر سوال ہوا کہ کیا ان کے پاس بلندیوں پر جانے کے لیے کوئی وسیلہ ہے کہ جسکے ذریعہ وہاں سے غیب کی خبریں اٹھالاتے ہیں اور وحی کو سن سکتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر ان سے کہہ دو کہ جو یہ سب کچھ سنتا ہے اس سے کہو کہ وہ اس بارے ثبوت لے آئے جبکہ ان کے پاس کچھ ثبوت نہیں ہے۔

ایک اور سوال کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ نے ان سے دعوتِ دین کی مزدوری اور اجرت طلب کی ہے جسے وہ دینے سے گھبراتے ہیں اور جس سے بچنے کے لیے وہ کہتے ہیں کہ تُوں جھوٹا ہے جبکہ ایسا بھی ہرگز نہیں ہے۔

یہ سب کچھ غلط ہے تو پھر یہی ہے کہ انہوں نے دعوت حق کے خلاف بڑی سازش تیار کرلی ہے تاکہ اسے ناکام کریں اور پیغمبر پر بہتان باندھا ہے اسے کاھن، شاعر، جادوگر اور دیوانہ کہہ کر ان کی دعوت کو کمزور کرنے کے درپے ہیں لیکن یہ سازش خود ان کے اپنے خلاف جائے گی جس گڑھے کو کھودا ہے اس میں خود ہی جا گریں گے۔

پھر ان کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا انہوں نے اللہ کے علاوہ کسی اور کو شریک بنالیا ہے جس کی عبادت کرنے میں مصروف ہو گئے ہیں اور وہ غیر خدا کو اُمورِ کائنات کا مدبر سمجھنے لگ گئے ہیں۔ جبکہ اللہ پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

بہرحال ذکر شدہ موارد میں ان کے پاس سے کچھ بھی نہیں ہے بلکہ ان کا کفر، ان کا انکار اور سرکشی اس حد تک جا پہنچی ہے کہ اگر وہ آسمان سے آتے ہوئے عذاب کا مشاہدہ بھی

کریں تو بھی اس کے باوجود وہ کہیں گے کہ یہ تو سیاہ بادل کا ٹکڑا ہے، بارش آنے والی ہے عذاب کی نشانی نہیں ہے۔ کہ اچانک ان پر عذاب آ پہنچے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت ایسی حقیقت ہے جو آفتاب کی مانند روشن اور عیاں ہے اسے صاحبانِ عقل اور صاحبانِ بصیرت ہی سمجھ سکتے ہیں لیکن یہ کفار جو جہالت، بغض وعناد، دشمنی وسرکشی میں غرق ہیں ان کو کچھ بھی سمجھ نہیں آتا۔

اوپر بیان شدہ حقائق اور دلائل کی روشنی میں یہ کافر جھوٹے ہیں، مخلوق کے احساس سے بھی عاری ہیں اور ربوبیت اللہ تعالیٰ کے تقاضوں کو بھی درک نہیں کرتے۔ یہ اپنے تمام دعووں میں جھوٹے اور باطل پر ہیں ان کے پاس اپنی کسی بات اور دعویٰ کی دلیل نہیں ہے اور حق کا انکار کرنے کا کوئی جواز بھی نہیں ہے۔

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿٤٥﴾

ترجمہ: ''پس آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجیے یہاں تک کہ یہ اپنا وہ دن دیکھ لیں جس میں ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔''

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٦﴾

ترجمہ: ''اس دن نہ ان کی تدبیر ان کے کسی کام آئے گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔''

وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾

ترجمہ: ''اور ظالموں کے لیے اس (عذاب) کے علاوہ بھی یقینا عذاب ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔''

اتمام حجت کے بعد کا اقدام

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ ان کی گردن پر اتمام حجت ہو چکا اور آپ نے ہر بات پوری طرح دلائل کے ساتھ ان تک پہنچا دی ہے۔ آپ انہیں ان کے اپنے حال پر چھوڑ دو تاکہ وہ دن آجائے جس میں انہوں نے ہلاک ہونا ہے اور یہ ہلاکت والا عذاب ان کے لیے قیامت کے دن سے پہلے آنا ہے اس سے مراد نفخہ صُور ہے یعنی جب پھونک مار دی جائے گی جس آواز کو سن کر ہر زندہ مر جائے گا، یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے اور قیامت سے پہلے واقع ہونا ہے۔ وہ ایسا دن ہے کہ جن میں کافروں کا کوئی بھی منصوبہ ان کے لیے سود مند نہ ہوگا اور ان کے لیے کوئی بھی نہ ہوگا جو ان کی مدد کرے، وہ بے یار د مددگار ہوں گے۔

ان کے منصوبے، ان کی جمعیت ان کی طاقت سب بے فائدہ ہوں گے، سارے اسباب ساقط ہو جائیں گے اس دن امر فقط اللہ کے ہاتھ میں ہوگا۔

کافروں کے لیے قیامت سے پہلے عذاب ہے جو قبر میں ملنا ہے مرنے کے وقت سے لے کر قیامت کے دن کے لیے اٹھائے جانے کے درمیان کا عرصہ بزرخ ہے اس برزخ میں کافروں کو سخت ترین عذاب سے گزرنا ہوگا۔ اس آیت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ بعض کفار اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو جھٹلانے والے اسلام کی حقانیت کو جانتے تھے اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ستمگاروں کو سخت عذاب ملنا ہے اس کے باوجود انہوں نے کفر اختیار کیا، سرکشی کی، ضد وہٹ دھرمی پر قائم رہے، لہٰذا ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾

ترجمہ: ''اور آپ اپنے رب کے حکم تک صبر کریں، یقیناً آپ ہماری نگاہوں میں ہیں اور جب آپ اٹھیں تو اپنے رب کی ثناء کے ساتھ تسبیح کریں۔''

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿٤٩﴾

ترجمہ: ''اور رات کے بعض حصوں میں اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی اپنے رب کی تسبیح کریں۔''

رسول اللہؐ کے لیے خصوصی پیغام

کافروں کے سارے حالات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے یہ پیغام دیا ہے کہ:

اللہ کے پیغام پہنچانے میں جو تکالیف آپ کو دی جارہی ہیں ان پر صبر کریں۔

آپ اللہ کی نظارت میں ہیں، اللہ آپ کا نگہبان ہے، اللہ کی حمد بجالائو، اس کی ثنا کرو۔

آپ کے سارے حالات ہمارے سامنے ہیں۔ آپ جب اٹھیں، نیند سے بیدار ہوں، صبح کے وقت، ظہر کے وقت، عصر کے وقت، رات کو، تہجد کے بعد، اللہ کی تسبیح کرو، یہ تسبیح حمد کے ہمراہ ہو، رات کے ایک حصہ میں عبادت اور تسبیح کا مطلب نمازِ مغرب، نمازِ عشا اور نمازِ تہجد کی طرف اشارہ ہے اور جس وقت صبح کے ستارے غائب ہو جاتے ہیں تو یہ صبح کی نافلہ اور واجب نماز کی طرف اشارہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام دیا کہ صبح، شام، دن رات اللہ کی حمد و ثنا کرتے رہو اور ان کافروں کی حرکات سے پریشان نہ ہو اور ان کی طرف سے آنے والی تکالیف پر صبر کرو۔

پیغام: صاحبان ایمان کے لیے یہ پیغام ہے کہ جب رسول اللہ کے لیے اللہ کا حکم ہے کہ صبح شام، رات دن، ہر وقت اللہ کی حمد و تسبیح کریں تو تم بھی ایسا ہی کرو، اس میں رسول اللہ کی پیروی بھی ہے اور اللہ کے فرمان کی اطاعت بھی ہے۔

سورۃ النجم

(مکی۔ کل آیات: ۶۲)

سورہ کے مطالب

توحید، نبوت اور معاد کی یاد آوری۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ النَّجۡمِ اِذَا ہَوٰی ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب کرے۔''

مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَ مَا غَوٰی ۚ﴿۲﴾

ترجمہ: ''تمہارا رفیق نہ گمراہ ہوا ہے اور نہ بہکا ہے۔''

وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ؕ﴿۳﴾

ترجمہ: ''وہ خواہش سے نہیں بولتا۔''

اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''یہ تو صرف وحی ہوتی ہے جو (اس پر) نازل کی جاتی ہے۔''

عَلَّمَہٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: ''شدید قوت والے نے انہیں تعلیم دی ہے۔''

ذُوۡ مِرَّۃٍ ؕ فَاسۡتَوٰی ۙ﴿۶﴾

ترجمہ: ''جو صاحب قوت پھر (اپنی شکل میں) سیدھا کھڑا ہوا۔''

وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝٧

ترجمہ: ''اور جب وہ بلند ترین افق پر تھے۔''

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝٨

ترجمہ: ''پھر وہ قریب آئے پھر مزید قریب آئے۔''

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝٩

ترجمہ: ''یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کم (فاصلہ) رہ گیا۔''

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝١٠

ترجمہ: ''پھر اللہ نے اپنے بندے پر جو وحی بھیجنا تھی وہ وحی بھیجی۔''

معراج کا واقعہ

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور ان کی کاملیت کا بیان ہے۔ ''نجم'' کا ظاہری معنی آسمانی ستارے کے ہیں اور ''ھوی'' سے مراد ان ستاروں کا غروب ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ آسمان میں موجود ستاروں اور ان کے غروب ہو جانے کا حوالہ دے کر اپنے حبیب کے متعلق فرما رہا ہے کہ جس رب تعالیٰ نے عالم نجوم کو خلق کیا ہے اور ان کا انتہائی دقیق نظام بنایا ہے، اسی ستارے کی قسم ہے کہ جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے اس کے بارے یقین کر لو کہ تمہارے درمیان جو میرا عبد محمد ﷺ موجود ہے وہ صراط مستقیم پر ہے، حق پر گامزن ہے وہ اپنے عقیدہ، نظریہ اور فکر میں صحیح ہے وہ بھٹکا ہوا نہیں ہے اس سے کوئی غلطی بھی سرزد نہیں ہوتی وہ تو عمداً کوئی غلطی کرتا ہے اور نہ ہی بھول کر غلطی کرتا ہے۔ وہ جو کچھ دین کے بارے کہتا ہے

اور اللہ کا پیغام تمہیں پہنچاتا ہے تو وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہا ہوتا بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہوتی ہے جسے اللہ کے عظیم فرشتے حضرت جبرائیلؑ نے انہیں آکر بتاتے ہیں جبرائیلؑ ایک مضبوط اور طاقتور فرشتہ ہے اللہ کا امین ہے اُسی نے حضور پاک ﷺ تک تمام قرآن پہنچایا ہے۔

تعلیمی وحی کی نسبت

اس جگہ تعلیم کی نسبت جبرائیلؑ کی طرف مجازی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف حقیقی ہے۔ درحقیقت جبرائیلؑ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو قرآن کی تعلیم دی ہے اور براہِ راست بھی اپنے حبیبؐ کو قرآن کی تعلیم دی ہے یہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔

جبرائیلؑ کا تعارف

جبرائیلؑ کے بارے بتایا جارہا ہے کہ ان کی عقلِ کامل ہے۔ وہ اللہ کا پیغام پہنچانے میں پوری طرح ہوا میں موجود رہتے تھے لیکن اپنی اصل شکل میں نہیں ہوتے تھے اور بعض دفعہ اپنی اصل شکل و جسمانی صورت میں بھی حاضر ہوتے تھے۔ جبرائیلؑ اپنی ڈیوٹی کو پوری طرح انجام دیتے ہیں۔

رسول اللہؐ کی شان

اس جگہ یہ معنی بھی کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کامل عقل رکھتے ہیں جو بھی ماموریت انہیں دی گئی ہے اس کو اچھی طرح انجام دیتے ہیں کسی امر میں انحراف نہیں کرتے، سستی نہیں کرتے۔

معراج بارے بیان

اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے معراج کا واقعہ بیان کیا ہے۔ حضرت جبرائیلؑ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوئے، آسمان کی مشرقی جانب سے آکھڑے ہوئے، یا اُفق اعلیٰ میں مستقر ہوئے۔ رسول خدا ﷺ کو ساتھ چپکا لیا، یا ایک براق ہمراہ لائے اس پر بٹھا دیا اور خود بھی ساتھ ہو لیے اور رسول اللہ ﷺ کو آسمانوں کی بلندیوں پر لے گئے، رسول اللہ ﷺ جب بلندیوں پر جاتے ہیں تو اللہ کا قرب خاص حاصل کرتے ہیں، اللہ کے بہت ہی قریب ہو گئے جیسا کہ روایات میں ہے کہ ایک مرحلہ ایسا آیا کہ جبرائیلؑ نے آپ ﷺ کو اکیلا چھوڑ دیا اور وہ ایسا مقام تھا کہ جہاں تک جبرائیلؑ کی رسائی نہ تھی، رسول اللہ ﷺ کمال کی منزلوں میں آگے بڑھ گئے ذہن نشین رہے کہ اللہ کے قریب ہونے کا کوئی پیمانہ نہیں ہے اسکو مثال دے کر سمجھایا گیا ہے کہ اللہ معبود ہے اور محمدؐ عبد ہے دونوں کے درمیان فرق اتنا رہ گیا جتنا دو کمان کا فاصلہ ہوتا ہے یا اس سے بھی کمتر۔ اس مثال سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اللہ کا قرب اتنا حاصل ہوا کہ اسے مادی پیمانوں سے یہاں نہیں ناپا جاسکتا اور کسی اور کو ایسا قرب اللہ سے حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام قُرب پر بلاواسطہ اپنے حبیبؐ سے گفتگو کی اور ایسے احکام دیئے جو اس سے پہلے نہیں دیئے گئے۔ یہ محبوب اور محب کے درمیان کی باتیں تھیں۔

بہر حال اس سے یہ سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات اپنے حبیبؐ کو وہ سب کچھ بتایا جو ضروری تھا جس میں قیامت اور بعد کے حالات بھی شامل ہیں۔ اس بات کا اظہار اللہ تعالیٰ نے ''اوحی ما اوحی'' سے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو وحی فرما دی جو وحی فرمانی چاہیے تھی۔

اس آیت میں ''صاحب'' سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ آپؐ کے متعلق فرمایا کہ آپؐ غلط فہمی کی بناء پر نہ تو کبھی راستہ سے ہٹے اور نہ ہی کبھی اپنے مقصد سے جان بوجھ کر گمراہ

ہوئے بلکہ جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے لے کر غروب تک ایک مقررُ رفتار سے معین راستہ پر چلے جاتے ہیں کبھی ادھر ادھر ہٹنے کا نام نہیں لیتے، آفتابِ نبوت بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے راستہ پر برابر چلا جاتا ہے۔ ممکن نہیں کی ایک قدم اِدھر یا اُدھر پڑ جائے۔ ایسا ہو تو ان کی بعثت سے جو مقصود غرض و غایت ہے وہ حاصل نہ ہو سکے۔

انبیاء علیہم السّلام آسمان نبوت کے ستارے ہیں۔ جو اپنی روشنی اور رفتار سے دنیا کی راہنمائی کرتے ہیں اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب درخشاں طلوع ہوتا ہے ایسے ہی تمام انبیاؑ کی تشریف آوری کے بعد آفتابِ محمدی ﷺ مطلعِ عرب سے طلوع ہوا پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح لغزش اور گمراہی کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا انتظام کس قدر مضبوط و محکم ہونا چاہیے جس سے ایک عالَم کی ہدایت و سعادت وابستہ ہے۔ یقینی امر ہے کہ وہ نظامِ نمائندگی باری تعالیٰ بہت کی مضبوط اور مستحکم ہوگا۔

جبرائیلؑ کو دیکھنے کا واقعہ

حضرت جبرائیلؑ کو حضرت ختمی مرتبت ﷺ نے اپنی ظاہری آنکھ سے بھی دیکھا اور اندر سے دل نے بھی نظارہ کیا۔ اس وقت آنکھ ٹھیک ٹھیک جبرئیلؑ کو دیکھ رہی تھی اس سے کوئی غلطی سرزرد نہیں ہو رہی تھی کہ کچھ کا کچھ نظر آتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس طرح پیغمبروں کے دل میں فرشتہِ وحی کی معرفت ڈال دیتے ہیں کیونکہ اگر رسول ﷺ کو خود اطمینان نہ ہو تو دوسروں کو اطمینان کہاں سے مہیا کر سکتے ہیں۔ رسول اللہؐ کو فرشتے کے بارے پورا یقین ہوتا ہے تب وہ اس سے جو کچھ وصول کرتے ہیں اسے اللہ کا پیغام سمجھتے ہیں اور اسے پوری طرح آگے پہنچاتے ہیں اس پیغامِ ربانی میں ان سے بھول چوک نہیں ہوتی اور نہ وہ عمداً کچھ کم کرتے ہیں۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ⑪

ترجمہ: "دل نے اس بات کو جھٹلایا نہیں جس کو آنکھوں نے دیکھا۔"

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ⑫

ترجمہ: "کیا تم اس سے اس بات کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہو جو وہ دیکھ رہا ہے"

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ⑬

ترجمہ: "اور اس نے تو اسے ایک بار اور بھی دیکھا ہے"

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ⑭

ترجمہ: "سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک"

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ⑮

ترجمہ: "جس کے پاس جنت الماویٰ بھی ہے"

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ⑯

ترجمہ: "جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا"

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ⑰

ترجمہ: "اس وقت اس کی آنکھ نہ بہکی اور نہ حد سے آگے بڑھی"

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ⑱

ترجمہ: " اس نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیان دیکھی ہیں"

معراج کی شب رسول اللہؐ کے مشاہدات

ان آیات میں معراج کے مشاہدات کو بیان کیا جا رہا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا تو آپ کے دل نے اس کی تصدیق کی تھی کہ جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ دیکھ رہے ہیں جب ایسا ہے تو پھر کفار مکہ کو حق نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یقینی اور حتمی مشاہدہ کے بارے شک کریں اور اس کو جھٹلائیں۔

جبرائیلؑ سے اصل شکل میں ملاقات

سدرۃ المنتہیٰ، بیری کا درخت ہے جو آسمانوں کی انتہا پر موجود ہے۔ بیری کا درخت سات آسمانوں کے اوپر ہے، وہ نیچے اور اوپر کی حد ہے۔ اس درخت کے پاس آپؐ کی جبرائیلؑ سے ملاقات ہوئی اور انہیں اصلی شکل میں دیکھا۔ یہ دوسری مرتبہ تھا۔ اس کے قریب جنت الماویٰ ہے اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پر مومنین آکر قیام کریں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ ایسے حالات میں آپ نے دیکھا کہ حق تعالیٰ کے انوار و تجلیات اس درخت پر چھا رہے تھے اور فرشتوں کی بھیڑ اور ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر پتے کے ساتھ ایک الگ فرشتہ نظر آتا تھا۔ اس وقت درخت کی شادابی، رونق اور اس کا حسن و جمال ایسا تھا کہ مخلوق کی طاقت نہیں کہ لفظوں میں بیان کر سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ جو کچھ دیکھا وہ صحیح تھا اور حقیقی منظر تھا کوئی خیال نہ تھا۔ قسم اٹھائی ہے آپ نے اپنے رب کی جو نشانیاں دیکھی ہیں اس سے اپنے رب کا قلبی مشاہدہ بھی کر لیا۔ البتہ حق تعالیٰ کا ایسا مشاہدہ جو بغیر حجاب کے ہو اور بغیر واسطے کے ہو محال ہے کیونکہ اس سے اللہ کی جسمانیت لازم آتی ہے اور جسم احتیاج سے عبارت ہے جبکہ اللہ غنی بالذات ہے (سورہ طہٰ آیت ۱۱۰) میں فرمایا کہ:

وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا

ترجمہ: ''کہ کسی بھی حوالے سے اس کا (اللہ) علمی احاطہ نہیں کر سکتے۔''

الدرالمنثور میں بعض اصحاب سے یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ بعض اصحاب نے آپؐ سے سوال کیا کہ کیا آپؐ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے توآپ نے فرمایا: دل کی آنکھ سے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے اپنے رب تعالیٰ کا دو بار مشاہدہ کیا ہے۔ آنکھ نے جو دیکھا پوری توجہ سے دیکھا نہ تو نگاہ ٹیڑھی اور ترچھی ہو کر دائیں بائیں ہٹی نہ ہی تجاوز کرکے آگے بڑھی بس اس چیز پر جمی رہی جس کا دکھلانا منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جو چاہا وہ اپنے حبیبؐ کو سدرۃ المنتہیٰ پر دکھلادیا اور رسول اللہ ﷺ نے وہ سب کچھ پوری طرح دیکھ لیا۔

اَفَرَءَیۡتُمُ اللّٰتَ وَ الۡعُزّٰی ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ”کیا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا ہے۔“

وَ مَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الۡاُخۡرٰی ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ”اور منات جو ان کا تیسرا ہے اسے بھی دیکھا ہے۔“

اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَ لَہُ الۡاُنۡثٰی ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ” تو کیا تمہارے لیے لڑکے ہیں اور اس کے لیے لڑکیاں ہیں“

تِلۡکَ اِذًا قِسۡمَۃٌ ضِیۡزٰی ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ”یہ انتہائی ناانصافی کی تقسیم ہے“

اِنۡ ہِیَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّیۡتُمُوۡہَاۤ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَہۡوَی الۡاَنۡفُسُ ۚ وَ لَقَدۡ جَآءَہُمۡ مِّنۡ رَّبِّہِمُ الۡہُدٰی ﴿ؕ۲۳﴾

ترجمہ: ”یہ سب وہ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے طے کر لیے ہیں خدا نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے۔ درحقیقت یہ لوگ صرف اپنے گمانوں کا اتباع کر رہے ہیں اور جو کچھ ان کا دل چاہتا ہے اور یقینا ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔“

کفار مکہ سے گفتگو

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت بیان کرنے کے بعد مکہ کے بت پرستوں سے اس طرح گفتگو فرمائی اور انہیں ان کی غلط سوچ سے آگاہ کیا کہ تمہیں عظمت وجلال والے خدا کے مقابلہ میں ان حقیر و ذلیل چیزوں کا نام لینے سے شرم آنی چاہئے۔ لات، عزی اور مناۃ ان کے بتوں کے نام ہیں۔لات طائف والوں کے ہاں بہت معظم تھا، مناۃ خزرج اور خزاعیہ کے ہاں اور عزیٰ کو قریش اور کفارِ مکہ ان دونوں سے بڑا سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اول عزی جو مکہ کے قریب نخلہ میں تھا پھر لات جو طائف میں تھا پھر سب سے پیچھے تیسرے درجہ میں مناۃ جو مکہ سے بہت دور مدینہ کے نزدیک رکھا گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ یہ بے جان بت ہیں تم نے خود ہی ہر ایک کے نام رکھ دیئے ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اللہ کی طرف سے ان کے بارے کچھ بھی بیان نہیں ہوا اور پھر تم کس قدر پست فکر اور بے انصاف ہو کہ جو رب تعالیٰ پوری کائنات کا خالق ہے اور تم خود بھی مانتے ہو کہ اللہ ہی خالق ہے اور پھر یہ کہتے ہو کہ اللہ کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لیے لڑکے ہیں جن بیٹیوں کو تم ذلت کی نشانی جانتے ہو تو یہ تقسیم غلط ہے اگر وہ خود ہی خالق ہے تو پھر وہ اپنی ذات کے لیے پست اور گھٹیا کا انتخاب کیوں کرتا؟ یہ تمہارے غلط اندازے ہیں جو جھوٹ پر مبنی ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ تمہارے بت لکڑیوں، پتھروں کے سوا کچھ نہیں، خود تم نے انہیں بنایا ہے اور خود ہی ان کے نام رکھ دیئے ہیں ان

کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی الوھیت اور ربوبیت کے بارے کوئی دلیل اور آیت نہیں اتاری ہے۔

رسول اللہؐ کے لیے اللہ کا پیغام

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ پیغام دیا کہ یہ لوگ ضد اور ہٹ دھرمی میں دلیل و منطق کی بات نہیں مانتے، اپنے عقائد کے بارے میں ان کے پاس کوئی دلیل اور ثبوت نہیں ہے جس اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بارے دلائل موجود ہیں قرآن ان کی ہدایت کے لیے آیا ہے جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اے میرے پیغمبر ان کو حق کی دعوت دے رہا ہے دلائل کے ساتھ اور واضح احکامات کے ساتھ دو رسول اللہؐ نے دلائل کے ساتھ ان مشرکین مکہ کو سمجھایا اور حق تعالیٰ کی دعوت دی اور انہیں مسلسل سمجھایا۔ ان کی کمزویوں سے آگاہ کیا اللہ فرما رہا ہے اے میرے پیغمبرؐ! بات یہ ہے کہ آپ نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی ان کی گمراہی پر قائم رہنے سے آپ پریشان نہ ہوں جیسا کہ دوسرے مقامات پر بھی اس بات کو بیان کیا گیا ہے۔ تمام تر حقائق کو جاننے کے باوجود یہ حق کو تسلیم نہیں کریں گے۔

أَمْ لِلْإِنسَانِ مَا تَمَنَّىٰ ﴿٢٤﴾

ترجمہ: ”کیا انسان کو وہ سب مل سکتا ہے جس کی وہ آرزو کرے۔“

فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾

ترجمہ: ”بس اللہ ہی کے لیے دنیا اور آخرت سب کچھ ہے۔“

دنیا و آخرت اللہ کا ملک ہے

سابقہ گفتگو کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان جیسے سوچے جو خواہش کرے تو ایسا نہیں کہ وہ اس مل جائے۔ ان کفار نے خود ہی اپنے لیے میں بت بنا لیے اور پھر خود ہی ان کی پوجا پاٹ

شروع کر دی اور پھر یہ سوچتے ہیں کہ یہی بت ان کے لیے اللہ کے ہاں سفارش کریں گے جبکہ ایسا ہر گز نہیں ہے یہ سب لوگ غلطی پر ہیں بلکہ اللہ ہی دنیا اور آخرت کا مالک ہے کسی اور کو اس میں تصرف کا حق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کرنا ہے کہ کون ہے جو اللہ کے ہاں کسی کی سفارش کر سکتا ہے اور کون نہیں کر سکتا، یہ انسان کا اختیار نہیں ہے۔

وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کسی کے کام نہیں آسکتی ہے جب تک خدا اذن نہ دے جس کے بارے میں چاہے اور جسے وہ پسند کرے (اس کے لیے اجازت دے یہ اس کا اپنا اختیار ہے۔''

شفاعت اللہ کی اجازت سے مشروط

قرآن مجید میں شفاعت کے بارے بہت ساری آیات میں ذکر آیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاعت اللہ کی اجازت سے مشروط ہے، شفاعت اسے ملے گی جس کے بارے اللہ چاہے گا اور شفاعت وہ کرے گا جسے اللہ تعالیٰ کی اجازت ہو گی۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ فرشتے بھی شفاعت کریں گے لیکن ان کی کثرت سے موجودگی اور شفاعت کے لیے درخواست کرنے والوں کی کثرت، اس کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ فرشتے تو موجود ہوں گے مگر وہ کسی کی شفاعت نہیں کریں گے یہ فقط اس وقت ہو گا جب اللہ کا اذن ہو گا۔ فرشتے اسی کی شفاعت کریں گے جس کے بارے اللہ چاہے گا از خود کسی کی شفاعت نہیں کریں گے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں، ملحدوں، منافقوں کے لیے نہیں چاہے گا کہ فرشتے ان کے بارے سفارش کریں لہٰذا شفاعت کے بارے ایک کلی ضابطہ و قانون بتا دیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنْثَىٰ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: ''بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں وہ ملائکہ کے نام لڑکیوں جیسے رکھتے ہیں۔''

وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٨﴾

ترجمہ: ''حالانکہ ان کے پاس اس سلسلہ میں کوئی علم نہیں ہے یہ صرف وہم و گمان کے پیچھے چلے جارہے ہیں اور گمان حق کے بارے میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ہے۔''

فرشتوں کے بارے مشرکین کا عقیدہ

مشرکین کا عقیدہ تھا کہ فرشتے مومن ہیں، ان کی جنس مادہ ہے نر نہیں۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مشرکین نے فرشتوں کے لیے غلط اور گھٹیا تعارف پیش کیا ہے جبکہ فرشتے موجود ہیں۔ مگر ان کا مادی جسم نہیں ہوتا نہ ہی ان میں نر و مادہ ہوتے ہیں لہٰذا جو لوگ فرشتوں کے بارے ایسا خیال کرتے ہیں ان کے لیے سخت سزا ان کے انتظار میں ہے۔ ایسا عقیدہ وہ رکھ سکتا ہے جو بنیادی طور پر آخرت اور آخرت کے عذاب کا انکاری ہو۔ ان کے پاس فرشتوں کے مونث ہونے کے متعلق کوئی دلیل اور ثبوت نہیں ہے۔ یہ لوگ وہم کا شکار ہیں اور یہ ظن و خیال پر مبنی عقیدہ ہے جس سے علم حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی چیز کی حقیقت و اصلیت کو علم و نص سے حاصل کیا جاسکتا ہے علم کے علاوہ ظن، گمان، خیال و وہم سے واقعیت اور حقیقت کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ انسان کے لیے یہ حق نہیں کہ وہ حقائق کو سمجھنے کے لیے وہم و گمان او رخیال کا سہارا لے۔ عقائد علم سے حاصل ہوتے ہیں۔

دینی احکام اور فروعات

فروعات اور احکامِ حلال و حرام کو جاننے کے لیے کہ ظن و احتمال پر اعتماد کر لیا جاتا ہے اور یہ اسلیے ہے کہ اس بارے میں دین کے احکامات موجود ہیں۔اس کے لیے اپنی شرائط ہیں جنہیں فقہ اور شریعت کے احکام سے متعلق علوم میں بیان کیا گیا ہے لیکن اعتقادات میں ظن و گمان، احتمال اور وہم کی کچھ حیثیت نہیں ہے۔

عتبہ بن ابی لہب کی جسارت

مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہوئی ہے کہ جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ساتویں آسمان سے شب معراج کو واپس آگئے اور یہ سورہ آپ پر نازل ہوئی؛ عتبہ بن ابی لہب کو اس بارے اطلاع ملی کہ آپ آسمانوں کی باتیں بتا رہے ہیں اور یہ کہ آپ بلندیوں کی سیر کرکے واپس زمین پر آگئے ہیں؛ یہ (ملعون) پیغمبر اکرم ﷺ کے پاس آتا ہے اور زبان درازی کرتا ہے اول فول بک رہا تھا۔منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور کہہ رہا تھا میں سورہ نجم اور اس کے رب کا کفر کرتا ہوں تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتے کو مسلط کر دے۔اس واقعہ کے بعد عتبہ شام کے سفر پر گیا ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، اللہ تعالیٰ نے اس پر خوف و ہراس کو مسلط کر دیا اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے میں تمہارے درمیان سوؤں گا،انہوں نے ایسا ہی کیا اس رات شیر آتا ہے اور اس نے تمام سوئے ہوؤں کو سونگھا اور اسے کھینچ کر لے گیا اور اس کو چیر پھاڑ کھایا۔اس طرح اللہ نے اپنے حبیب کی بات کو عملی جامہ پہنایا اور اس گستاخ کو دنیا میں بدترین سزا دی اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے۔

فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی ۬ۙ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَ لَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا ﴿۲۹﴾

ترجمہ: "لہٰذا جو شخص بھی ہمارے ذکر سے منہ پھیرے اور زندگانی دنیا کے علاوہ کچھ نہ چاہے آپ بھی اس سے کنارہ کش ہو جائیں۔"

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝٣٠

ترجمہ: "یہی ان کے علم کی انتہا ہے اور بیشک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بہک گیا ہے اور کون ہدایت کے راستہ پر ہے۔"

مشرکین سے بے توجہی کا حکم

جب ایسا ہے کہ مشرکین کسی دلیل و منطق کو نہیں مانتے، ظن و گمان، خیال و وہم پر اپنے عقیدے کو بنائے ہوئے ہیں، اللہ کے ذکر سے منہ موڑ چکے ہیں، دنیاوی زندگی پر پوری توجہ ہے، مادی دنیا کو سب کچھ مان چکے ہیں، یہ گمراہ ہیں اور اللہ ان کے بارے بہتر جانتا ہے یہ سیدھے راستہ پر آنے والے نہیں ہیں لہٰذا میرے پیارے حبیبؐ آپ بھی ان سے بے توجہی کریں، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں، یہ گمراہی سے نکلنے والے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کی سزا دے گا۔ اس آیت میں "ذکر" سے مراد قرآن ہے جب یہ قرآن سے انکاری ہیں تو آپ بھی ان کو چھوڑ دیں۔ ان سے منہ موڑ لیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝٣١

ترجمہ: ''اور اللہ ہی کے لیے زمین و آسمان کے کل اختیارات ہیں تاکہ وہ بد عمل افراد کو ان کے اعمال کی سزا دے سکے اور نیک عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کا اچھا بدلہ دے سکے۔''

اعمال کے مطابق جزا

اللہ تعالیٰ آگاہ ہے کہ نیک اعمال کس کے ہیں اور برے اعمال کس کے ہیں، ہدایت یافتہ کون ہے اور گمراہ کون ہے۔ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے سب کچھ اس کے اختیار میں ہے، یہ بھی اس کا اختیار ہے کہ جس نے جو عمل کیا ہے اسے اس کے عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے۔

سورہ الرحمٰن میں ہے:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: ''نیکی کا بدلہ سوائے نیکی کے اور کچھ نہیں۔''

اور سورہ الزلزلۃ میں ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

ترجمہ: ''جو رائی کے برابر برائی کرے گا تو وہ اسے دیکھے گا۔''

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ”جو لوگ گناہانِ کبیرہ اور فحش باتوں سے پرہیز کرتے ہیں (گناہان صغیرہ کے علاوہ) بیشک آپ کا پروردگار ان کے لیے بہت وسیع مغفرت والا ہے وہ اس وقت بھی تم سب کے حالات سے خوب واقف تھا جب اس نے تمہیں خاک سے پیدا کیا تھا اور اس وقت بھی جب تم ماں کے شکم میں جنین کی منزل میں تھے لہٰذا اپنے نفس کو زیادہ پاکیزہ قرار نہ دو وہ متقی افراد کو خوب پہچانتا ہے۔“

اَفَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ تَوَلّٰی ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ”کیا آپ نے اسے بھی دیکھا ہے جس نے منہ پھیر لیا۔“

گناہان کبیرہ اور گناہان صغیرہ

گناہ کبیرہ ایسے گناہ کو کہا جاتا ہے جس کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ نے دوزخ میں ڈالنے کا وعدہ کیا ہے اور فواحش فاحشہ کی جمع ہے اس سے مراد انتہائی قبیح اور انتہائی برا عمل ہے جس کے ذکر سے انسان کی طبیعت و مزاج نفرت کرے۔ جس کے نام سے گھن آئے جیسے زِنا، لواطت وغیرہ اس آیت میں فواحش اور اِثم دونوں سے مراد گناہان کبیرہ ہی ہیں لفظِ لَمَمْ سے مراد چھوٹے، معمولی گناہ ہیں یا کبھی بڑے گناہ کا سرزد ہو جانا کہ جس کی عادت نہ بنی ہوا ُسے بھی گناہِ صغیرہ کہا گیا ہے۔

گناہان کبیرہ پر سخت سزا ہے، آتش جہنم ان گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل فرمایا کہ جو نیک لوگ ہیں اللہ ان کو اچھا بدلہ دے گا، جو لوگ گناہ کبیرہ نہیں کرے، بُرا عمل بجا نہیں لاتے، اللہ کے قوانین کا پاس کرتے ہوئے جن امور سے اللہ نے روکا ہے اس کا ارتکاب نہیں کرتے اور اگر کبھی اس کا ارتکاب کرلیں تو وہ

پشیمان ہو جاتے ہیں، اللہ کو یاد کر لیتے ہیں، شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے طلب مغفرت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت و مغفرت کا امیدوار قرار دے دیتا ہے اور فرمایا کہ اللہ کی رحمت واسیع ہے اس طرح بندوں کو توبہ کا شوق دلایا ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے آغاز سے لے کر اب تک جو جو اپنوں نے کیا اس سب سے آگاہ ہے۔ وہ ظاہر اور باطن کا علم رکھتا ہے۔ پھر فرمایا کہ خود ستائشی نہ کرو یعنی اپنی تعریف خود نہ کرتے پھرو کیونکہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون نیک ہے اور کون برا ہے۔ کون متقی ہے اور کون گناہگار ہے۔

پیغام: یہ بات یاد رہے کہ اللہ بڑا ہی مہربان اور غفور ورحیم ہے وہ ہمارے تمام چھوٹے بڑے اعمال سے آگاہ ہے ہمیں خودستائشی سے پرہیز کرنا چاہیے اللہ سے بخشش و مغفرت کی طلب کرنی چاہیے اللہ نیک اعمال کا اچھا بدلہ دے گا ایسا بدلہ جس کا سوچ بھی نہیں سکتے۔

وَ اَعْطٰى قَلِيْلًا وَّ اَكْدٰى ﴿٣٤﴾

ترجمہ: ''اور تھوڑا سا اس خدا نے دے کر بند کر دیا۔''

اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿٣٥﴾

ترجمہ: ''کیا اس کے پاس علم غیب ہے جس کے ذریعے وہ دیکھ رہا ہے۔''

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿٣٦﴾

ترجمہ: ''یا اسے اس بات کی خبر ہی نہیں ہے جو موسیٰ علیہ السّلام کے صحیفوں میں تھی۔''

وَ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ﴿٣٧﴾

ترجمہ: "یا ابراہیم علیہ السّلام کے صحیفوں میں تھی جنہوں نے پورا پورا حق ادا کیا ہے۔"

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾

ترجمہ: "کوئی شخص بھی دوسرے کا بوجھ اٹھانے والا نہیں ہے۔"

وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾

ترجمہ: "اور انسان کے لیے صرف اتنا ہی ہے جتنی اس نے کوشش کی ہے۔"

وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾

ترجمہ: "اور اس کی کوشش عنقریب اس کے سامنے پیش کر دی جائے گی۔"

ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾

ترجمہ: "اس کے بعد اسے پورا بدلہ دیا جائے گا۔"

وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾

ترجمہ: "اور بیشک سب کی آخری منزل پروردگار کی بارگاہ ہے۔"

مال خرچ کرنے میں کنجوسی

یہ آیات حضرت عثمانؓ کے بارے میں ہیں جو اپنے اموال سے خرچ کرنے میں مشغول تھے جب ان کے رضائی بھائی عبداللہ بن سعد نے کہا کہ تم جو اس طرح سے مال خرچ کر رہے ہو تو تمہارے لیے کچھ نہیں بچے گا حضرت عثمانؓ نے جواب میں کہا کہ میرے اوپر گناہوں کا بوجھ ہے مجھ سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ میں اپنا مال خرچ کرنا چاہتا ہوں تا کہ اللہ

کی رضایت حاصل کروں اور مجھے عفو و درگذر کرکے اپنے قرب میں جگہ دے تو عبد اللہ نے کہا کہ اگر تم اپنی اونٹنی اور جو اس پر مال لدا ہوا ہے مجھ دے دو تو میں تمہارے گناہوں کو اپنے ذمہ لے لیتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے ایسا ہی کیا، اور کچھ لوگوں کو اس پر گواہ بنالیا۔ اس کے بعد اس نے مال خرچ کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس واقعہ کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں اور اس کام کی شدت سے مذمت کی اور اس حقیقت کو واضح کیا کہ کوئی بھی شخص دوسرے کے گناہ کو اپنی گردن پر نہیں لے سکتا۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو اس نے دوبارہ مال خرچ کرنا شروع کر دیا۔

پیغام: ان آیات سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں:۔

ا۔ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے اس میں کنجوسی نہ کی جائے البتہ یہ واجبات کے علاوہ ہے۔

۲۔ کوئی بھی کسی کے گناہ کا ذمہ دار نہیں اور نہ ہی کوئی کسی کے گناہوں کو اپنے ذمہ لے سکتا ہے۔

۳۔ علم غیب اللہ کے پاس ہے، دوسرے لوگ کسی کے دل کے بارے اور اس کی نیت سے آگاہ نہیں ہیں۔

۴۔ اموال سے انفاق کرنے کا حکم توریت میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی آیا ہے۔

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق عبودیت ادا کیا اور عبودیت کو کمال کی منزل تک پہنچایا۔

۶۔ انبیاء علیہم السلام کسی کے گناہ کو اپنے کندھے پر نہیں لے سکتے چہ جائیکہ ایک گناہگار بندہ دوسرے سے یہ کہے کہ میرے اوپر تیرے سارے گناہ ہیں یہ غلط ہے۔

۷۔ ہر انسان کے لیے وہی ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

۸۔ انسان کسی بھی چیز کا حقیقی مالک نہیں ہے۔

۹۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کی ان کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کے حقیقی مالک ہیں، غلطی پر ہیں۔ اسی دنیا میں جو کہ دھوکہ کا گھر ہے یہ مال ان کے ہمراہ ہے لیکن جب آخرت میں جائیں گے جو ہمیشہ کا گھر ہے تو سب کچھ یہاں چھوڑ کر جائیں گے۔ انسان کا عمل اسکے ساتھ ہو گا، عمل انسان سے جدا نہیں ہوتا۔ اچھے عمل ہوں یا برے، برے اعمال سے چھٹکارا نہیں ہے مگر یہ کہ شفاعت اس کو نصیب ہو جائے اور شفاعت کا مستحق بننے کے لیے بھی انسان کے کچھ اعمال کام آئیں گے جن کے بغیر شفاعت نہیں ملے گی۔

۱۰۔ ہر انسان قیامت کے دن اپنے اعمال کا نتیجہ دیکھے گا۔ انسان کو اسکے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اس سے کچھ کم نہ ہو گا۔ سورہ الزلزال آیت نمبر ۷۔۸ میں فرمایا:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۞ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۞

۱۱۔ انجام اور انتہاء اللہ ہی ہے سب نے اللہ کے پاس جانا ہے۔ جو کچھ عالمِ موجودات میں ہے سب کا اختتام و انتہاء اللہ کی ذات ہے۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى ۞

ترجمہ: ” اور وہی ہے جو ہنساتا ہے اور رُلاتا بھی ہے۔“

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ۞

ترجمہ: ”اور وہی موت و حیات کا دینے والا ہے“

اللہ کی تدبیر کا بیان

ان آیات میں سمجھایا گیا ہے کہ اللہ کی تدبیر کائنات کے ہر ذرہ پر حاکم ہے، حتیٰ کہ ہنسانا، رلانا، مارنا، زندہ کرنا، یہ سب اللہ کی تدبیر کا حصہ ہے اس میں اللہ کا کوئی شریک نہیں

ہے۔ ہنسنے اور رلانے کی نسبت انسان کی طرف دی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان سے اس کا تعلق ہے۔ انسان سے جو جو کام سرزد ہوتے ہیں تو ان کی نسبت انسان کی طرف اس لیے ہے کہ ان اعمال کا تعلق اس سے ہوتا ہے لیکن ان اعمال کی طاقت انسان کو کہاں سے ملی ہے تو یہ سب اللہ تعالیٰ سے متعلق ہیں۔ ان امور کی ایجاد کا تعلق اللہ کی تدبیر سے ہے اور اس وسیع کائنات اور اس میں موجود تمام مخلوقات کے لیے طے شدہ نظام سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ان امور کی نسبت، واقعیت ، اصلیت اور حقیقت کے لحاظ سے ہے جب کہ انسان کی طرف نسبت اس لحاظ سے ہے کہ یہ اعمال اس کے وجود سے قائم ہیں اور اس سے براہ راست صادر ہوئے ہیں۔ انسان کے افعال و اعمال کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کی نسبت اپنی طرف دی ہے۔ اگرچہ ان کے درمیان کچھ اور واسطے اور اسباب ہوتے ہیں لیکن اللہ کا سبب ہونا حقیقی ہے جبکہ باقی اسباب کی طرف نسبت بالواسطہ ہے کیونکہ کسی شئی کا سبب ہونا اور اس میں تاثیر کا وجود اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔

وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ''اور اسی نے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا ہے۔''

مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ''اس نطفہ سے جو رحم میں ڈالا جاتا ہے۔''

وَ اَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ''اور اسی کے ذمہ دوسری زندگی بھی ہے۔''

خلقت کی ابتداء و انتہاء

انسان کی خلقت کا آغاز اور انتہاء اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس کا ایک نمونہ اس بڑی کائنات میں موجود ہے جسے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نر اور مادہ بنایا اور ان کو جفت قرار دیا اس حقیقت کو نطفہ سے قرار دیا ہے۔ نطفہ وہ پانی کا قطرہ ہے جو نر مادہ کے رحم میں ڈالتا ہے اور پھر اسی قطرہ سے نیا وجود بن جاتا ہے پھر اللہ ہی کے اختیار میں ہے کہ دُنیاوی خلقت کے بعد جب سب کو موت آجائے گی تو پھر انہیں آخرت میں دوبارہ ان سب کو ایجاد کرے گا ہے اور دنیاوی موت کے بعد سب کو دوبارہ زندہ کرنا یہ اللہ کا حتمی فیصلہ اور اللہ ہی کا اختیار ہے۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ''اور حقیقت یہ ہے کہ اسی نے مالدار بنایا ہے اور سرمایہ عطا کیا ہے۔''

وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ''اور حقیقت یہ ہے کہ وہی (ستارہ) شعری کا مالک ہے۔''

بندوں پر احسانات کا تذکرہ

اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کو ہر قسم کے اموال سے نوازتا ہے غیر منقولہ اموال ہوں جیسے زمین مکان وغیرہ یا منقولہ اموال ہوں جیسے غذائی اجناس، پیسے کپڑے، سواری وغیرہ۔ اس تذکرہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جو کچھ انسان کے پاس ہے یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ ہی مال دیتا ہے اور اللہ ہی انسان کو بے نیاز کرتا ہے۔ اللہ (ستارہ شعریٰ) کا مالک بھی ہے۔ یہ ایک ایسا ستارہ ہے جو سورج کے بعد سب سے زیادہ چمکدار ہے آسمان پر مشرق کی جانب درخشاں رہتا ہے۔ اس کا حجم سورج سے بیس گناہ زیادہ ہے۔ اس کا نور سورج کے نور کے پچاس برابر ہے۔ اس کا زمین سے فاصلہ سورج کے زمین سے فاصلہ کے دس لاکھ گنا برابر ہے۔ اس کا حوالہ اس لیے دیا ہے کہ دو عرب قبائل خزاعہ اور حمیر اس ستارہ کی پرستش کرتے تھے۔

اسے اپنا معبود اور رب قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ واضح کیا ہے کہ جس ستارہ کو تم اپنا رب قرار دے رہے ہو اس کا خالق اللہ ہے۔ اور اس کی تدبیر بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

ان آیات میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ ذرہ سے ستاروں تک ہر شیئ کا خالق اللہ ہے اور وہی ان سب کا مالک ہے اور سب کے لیے اللہ نے نظام بنایا ہے اللہ کی تمام مخلوقات ایک نظم اور تدبیر کے تحت ہیں لہٰذا اللہ ہی سب کا رب ہے اور ہر شیئ کی افادیت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ہر شیئ ایک نظم سے جڑی ہوئی ہے۔ یہ سب اللہ کی تدبیر ہی ہے۔

وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ا۟لْاُوْلٰى ۙ۝۵۰

ترجمہ: ''اور اسی نے پہلے والی قوم عاد کو ہلاک کیا ہے۔''

وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ۙ۝۵۱

ترجمہ: ''اور قوم ثمود کو بھی، پھر ان میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا ہے۔''

وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰى ؕ۝۵۲

ترجمہ: ''اور قوم نوح کو ان سے پہلے (ہلاک کیا) کہ وہ لوگ بڑے ظالم اور سرکش تھے۔''

وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۙ۝۵۳

ترجمہ: ''اور اسی نے قوم لوط کی بستیوں کو اُلٹا کر پٹک دیا۔''

فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۚ۝۵۴

ترجمہ: ''پھر ان کو ڈھانک لیا جس چیز نے کہ ڈھانک لیا۔''

نافرمان اقوام کا انجام

ان آیات میں مشرکین مکہ اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ان اقوام کو یاد دلایا ہے کہ تم سابقہ اقوام کو یاد کرو کہ ان کا کیا بنا۔ حضرت ہودؑ کی قوم عاد تھی۔ انہوں نے حضرت ہود علیہ السّلام کو جھٹلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم میں قوم عاد کو ہلاک کیا۔ حضرت صالحؑ کی قوم ثمود تھی۔ انہوں نے حضرت صالح کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ اللہ نے انہیں بھی ہلاک کیا۔ نوحؑ اتنا لمبا عرصہ اپنی قوم میں رہے۔ اپنی قوم میں تبلیغ کرتے رہے مگر ان کی قوم بھی ظالم اور سرکش تھی۔ انہوں نے حضرت نوحؑ کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ فقط حضرت نوحؑ کی کشتی پر وہی زندہ بچے جو مومن تھے۔ اسی طرح حضرت لوطؑ کی قوم بد عمل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ہلاک کیا۔ ان کی بستی کو الٹ پلٹ دیا۔ عذاب نے ان کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور وہ خود کو نہ بچا سکے۔ قانون الٰہی ہے کہ جو کچھ سابقہ اقوام کے ساتھ ہوا تو آج کی اقوام جو اللہ کے رسول کی دعوت کا انکار کر رہی ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ویسا ہی برتاؤ کرے گا اور انہیں عذاب دے گا۔ اللہ کا اپنا فیصلہ ہے کہ جلد عذاب دے یا دیر سے عذاب دے۔ نافرمانوں، باغیوں، سرکشوں، ظالموں سب کا انجام ایک ہی ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿٥٥﴾

ترجمہ: ”اب تم اپنے پروردگار کی نعمات میں سے کس نعمت پر شک کر رہے ہو۔“

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿٥٦﴾

ترجمہ: ”بیشک یہ پیغمبر بھی اگلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہے۔“

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿٥٧﴾

ترجمہ: ” دیکھو قیامت قریب آ گئی ہے“

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾

ترجمہ: ''اللہ کے علاوہ کوئی اس کا ٹالنے والا نہیں ہے''

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿٥٩﴾

ترجمہ: ''کیا تم اس بات سے تعجب کر رہے ہو''

وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ ﴿٦٠﴾

ترجمہ: ''اور پھر ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو''

وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿٦١﴾

ترجمہ: ''اور تم بالکل غافل ہو''

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا ﴿٦٢﴾

ترجمہ: ''(اب سے غنیمت ہے) کہ اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو۔''

انسان کی بیداری کے اسباب

ان آیات میں سمجھایا گیا ہے کہ اے انسان تم غفلت سے جاگو۔ تمہاری بیداری کے لیے کیا یہ ساری باتیں کافی نہیں ہیں کہ:

ا۔ تمہارے پاس جو ڈرانے والا ہے یہ سابقہ انبیاؑ کی مانند ہیں۔ جو ان سے پہلے آئے اور انہوں نے اپنی اپنی قوم کو اللہ کی طرف دعوت دی اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا۔ لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ اس کی دعوت کو قبول کرو اور اس کی تردید نہ کرو۔

۲۔ تمام چھوٹے بڑے اُمور سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

۳۔ سابقہ اقوام کے انجام کو یاد کیا کرو۔

۴۔ قیامت نے تو آنا ہے۔ اس کا وقت قریب ہے جیسا کہ سورہ مومن (الغافر آیت نمبر ۱۸ میں فرمایا:

"وَاَنۡذِرۡهُمۡ یَوۡمَ الۡاٰزِفَةِ"

ترجمہ: "اور تم ان کو ڈراؤ قریب الوقوع دن کے بارے میں (روزِ قیامت)۔"

۵۔ تم اللہ کی بے حساب نعمتوں کے کس طرح انکار کرتے ہو۔

۶۔ قیامت کے دن کسی کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ہر شخص اپنے عمل کا مرہون منت ہے۔

۷۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ سابقہ اقوام کے حالات کو جانے اور پھر ان کے الٰہی دعوت کو جھٹلانے کے نتیجہ میں ہلاک ہونے کو دیکھے تو پھر اسے اپنی حالت پر رونا چاہئے کہ اس کو بھی اس نافرمانی پر سزا ملنی ہے۔

۸۔ اللہ کی طرف سے آنے والے عذاب کی خبر سن کر ہنسنے کا کوئی مقام نہیں رونے کا مقام ہے۔

۹۔ اللہ کے بیان کا مذاق نہ اڑایا جائے یہ حقائق ہیں جو تمہارے لیے بیان کئے جارہے ہیں۔

۱۰۔ ان تمام بیان اور حالات کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے مال و متاع پر مت اتراؤ، زائل ہونے والے مال کا سہارا مت لو۔ اپنا تعلق اللہ سے جوڑو جو ہر شئی کا مالک ہے اور ہر نعمت کا دینے والا ہے۔ اس کے سامنے جھک جاؤ اسی کی عبادت کرو۔ اس کی عبادت مت کرو جو اپنا خالق نہیں اور نہ ہی کسی کا خالق ہے جو کچھ اپنی حرکت، اور اپنی نورانیت اور ضوء فشانی میں اللہ کا محتاج ہے وہ تمہیں کیا دے سکتا ہے۔ ہر ایک کی طاقت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ ہر سبب

کی تاثیر دینے والا بھی اللہ ہے۔ اللہ خالق اسباب اور خالق مسببات ہے ۔ بس اسی کے آگے جھکو۔ اسی کا سجدہ کرو۔ اسی کی عبادت کرو ستارے، سورج، چاند اللہ کی مخلوقات ہیں ان میں سے کسی کی بھی عبادت مت کرو اور کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ۔

سورۃ القمر

(مکی۔ کل آیات: ۵۵)

سورہ کے مطالب

انذار، منکروں کو ڈرانا، جھوٹوں کا جواب، اہلِ تقویٰ کے لیے بڑی بشارت، معجزہ کا بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ ﴿۱﴾

ترجمہ: ''قیامت قریب آ گئی اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔''

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝۲

ترجمہ: ''اور یہ کوئی بھی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک مسلسل جادو ہے۔''

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳

ترجمہ: ''اور انہوں نے تکذیب کی اور اپنی خواہشات کا اتباع کیا اور ہر بات کی ایک منزل ہوا کرتی ہے۔''

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝۴

ترجمہ: ''یقیناً ان کے پاس اتنی خبریں آچکی ہیں جن میں تنبیہ کا سامان موجود ہے۔''

حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵

ترجمہ: ''انتہائی درجہ کی حکمت کی باتیں ہیں لیکن انہیں ڈرانے والی باتیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتیں۔''

قیامت اور چاند کا دو نیم ہونا

پہلے تو یہ بتایا گیا ہے کہ مومن، کافر سب کے لیے قیامت قریب آچکی ہے اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ شق القمر کا معجزہ، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی صداقت کے بیان کے لیے عطا فرمایا۔ ہجرت سے پہلے مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی اگر وہ سچے ہیں تو یہ چاند دو ٹکڑے کرکے دکھائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ معجزہ دکھا دیا۔ چاند دو نیم ہوا مگر اتنا بڑا معجزہ دیکھنے کے باوجود وہ ایمان نہ لائے۔ چاند ایک کرہ ہے، نظام شمسی سے اس کا

تعلق ہے اس کا دو نیم ہونا اور پھر اصلی جگہ پر چلے جانا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نظام حرکت کو روک دیا اور کائنات تباہ نہ ہوئی کیونکہ جب ہر شئی کی حرکت رکے گی تو ہر چیز ٹوٹ جائے گی۔اشیاء کاآپس میں رابطہ کٹ جائے گاتو نظام درہم برہم ہو جائےاور قیامت آجائے گی لیکن ایسانہ ہوا یہ بہت بڑی نشانی ہے لیکن مشرکین مکہ ضدی اور ہٹ دھرم تھے اتنے بڑے معجزے کو دیکھنے کے بعد بھی اسے جادو کہہ کر انکار کر دیا اور اپنی بات سے مکر گئے اور ایمان نہ لائے۔

مشرکین مکہ کی کیفیت

مشرکین مکہ کی حالت یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جو بھی معجزہ دیکھتے تھے اس کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے تھے اور آپ کو جھٹلاتے تھے وہ اپنی دینوی خواہشات کی گرفت میں جکڑے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود تمام امور اپنی جگہ پر اور صحیح جگہ پر جاری وساری اور قائم ہیں۔ان میں کچھ فرق نہیں آنا کسی کے انکار کرنے سے اور حق و باطل عنقریب جدا ہوگا، کیا سابقہ امتوں کا انکار کی وجہ سے ہلاک ہونا، یا قیامت کے بارے جو انہیں خبریں دی گئی ہیں یہ سب ان کو جگانے کے لیے کافی نہیں؟! یہ قرآن ہی ہے جو اس طرف دعوت دیتا ہے جس میں حکمت کامل ہے اور اس میں مکمل بیان ہے جس میں کچھ بھی مخفی نہیں ہے لیکن مشرکین نے اس واضح بیان سے فائدہ نہ اٹھایا، کافروں کا دل ٹیڑھا ہے، وہ ضدی اور ہٹ دھرم ہیں۔الٰہی آیات اور تمام معجزات مؤمنوں کو فائدہ دیتے ہیں، کافروں کے دل منکر و معاند ہیں وہ ان سے بہرہ مند نہیں ہوتے ان آیات میں کافروں کو متنبہ کیا کہ وہ اپنے حالات کا جائزہ لیں اورخود کو ہلاکت سے بچائیں ورنہ قیامت قریب ہے وہاں پر سزا بھگتنے کے لیے تیار رہیں۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ۙ ﴿٦﴾

ترجمہ : ”لہٰذا آپ ان سے منہ پھیر لیں جس دن ایک بلانے والا (اسرافیل) انہیں ایک ناپسندیدہ امر کی طرف بلائے گا۔“

خُشَّعًا اَبۡصَارُهُمۡ یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ كَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ ۙ﴿۷﴾

ترجمہ : ”یہ نظریں جھکائے ہوئے قبروں سے اس طرح نکلیں گے جس طرح ٹڈیاں پھیلی ہوئی ہوں۔“

مُّهۡطِعِیۡنَ اِلَی الدَّاعِ ؕ یَقُوۡلُ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا یَوۡمٌ عَسِرٌ ﴿۸﴾

ترجمہ : ”سب کسی بلانے والے کی طرف سر اٹھائے بھاگے چلے جارہے ہوں گے اور کفار یہ کہہ رہے ہوں گے کہ آج کا دن بڑا سخت دن ہے۔“

رسول اللہؐ کے لیے پیغام

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے ان مشرکین کی کیفیت و حالت کو بیان کر دیا کہ تمام تر معجزات اور آیات ان پر اثر نہیں کر رہے ہیں یہ ہٹ دھرم ہیں۔ قرآن کے واضح بیانات بھی ان کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ ان کے دلوں پر مہر لگی ہے۔ آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ ان کی عاقبت خراب ہے اور دنیا میں بھی ہلاکت ہے۔ قیامت کے دن حق کی طرف دعوت دینے والا ان سب لوگوں کو ایک غیر معروف، سخت رسوائی اور غیر قابل تصور چیز کی طرف پکارے گا تاکہ ان کے درمیان عدالت قائم ہو۔ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا یہ سب قبروں سے نکلیں گے ان کی حالت یہ ہو گی کہ شرم کی وجہ سے، خوف کے عالم میں، ذلت کے ساتھ نظریں جھکائے ہوئے آگے بڑھ رہے ہوں گے۔ ٹڈی دل کی مانند پورے میدان میں بکھرے

ہوئے ہوں گے جس نے دعوت دی ہے اس کی طرف دوڑے دوڑے جائیں گے تاکہ اس کی پکار پر اپنی حاضری لگوائیں۔ کافر قیامت کے دن کہیں گے کہ آج کا دن تو بہت ہی سخت اور دشوار ہے، مشکل دن ہے۔ ان کی پریشانی دیکھنے والی ہو گی انہیں نجات کا کوئی راستہ نظر نہ آئے گا۔

داعی سے مراد

اس آیت میں حق کی طرف دعوت دینے والے سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ کی پکار پر سارے قبروں سے نکلیں گے اور جس طرف سے آواز آئی تھی ادھر دوڑ پڑیں گے، پریشانی کے عالم میں ہوں گے ہر ایک اپنی ذات میں گم ہوگا اپنے سوا اسے کسی کی کچھ خبر نہ ہو گی۔ سورہ اسرا کی آیت ۵۲ میں ہے "وہ دن جس میں اللہ تمہیں دعوت دے گا تم حمد و ثنا کے ساتھ اللہ کی دعوت پر حاضری پیش کرو"۔ اس میں دعوت دینے والا بتائے گا کہ اللہ نے اس دن کو بنایا ہے، اسرافیل فرشتہ جو اللہ کے حکم سے صُور پھونکے گا، تو سب مردے زندہ ہو جائیں گے اور اللہ کی دعوت پر ایک معلوم جگہ کی جانب دوڑے دوڑے جائیں گے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ۞ ۹

ترجمہ: "ان سے پہلے قوم نوح نے بھی تکذیب کی تھی کہ انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہہ دیا کہ یہ دیوانہ ہے بلکہ اسے جھڑکا بھی گیا۔"

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ۞ ۱۰

ترجمہ: "تو اس نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں مغلوب ہوگیا ہوں اے اللہ! میری مدد فرما۔"

فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ۞ ۱۱

ترجمہ: ''تو ہم نے ایک موسلا دھار بارش کے ساتھ آسمان کے دروازے کھول دیئے۔''

وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''اور زمین سے بھی چشمے جاری کر دیئے اور پھر دونوں پانی ایک خاص مقررہ مقصد کے لیے باہم مل گئے۔''

وَ حَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے نوح علیہ السّلام کو تختوں اور کیلوں والی کشتی میں سوار کرلیا۔''

تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''جو ہماری نگاہ کے سامنے چل رہی تھی اور یہ اس بندے کی جزا تھی جس کا انکار کیا گیا تھا۔''

وَ لَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے اسے ایک نشانی بنا کر چھوڑ دیا ہے تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔''

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''پھر ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا ثابت ہوا؟!''

قوم نوحؑ کی ہلاکت کا واقعہ

مشرکین مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ حضرت نوحؑ کی قوم نے ان کو جھٹلایا اور حضرت نوحؑ کی طرف جھوٹی نسبت دیتے ہوئے کہنے لگے کہ نوحؑ پر تو جن کا سایہ ہے یعنی وہ آسیب زدہ ہیں اور تکلیف میں ہیں۔ حضرت نوحؑ اس قوم میں تبلیغ کرتے رہے لیکن کچھ اثر نہ ہوا تو اللہ کے حضور دستِ دعا بلند کئے اور عرض کیا کہ اے میرے اللہ ! میں شکست کھا چکا ہوں، میں تبلیغ کے معاملے میں کامیاب نہیں ہوا اب تو ں ہی مدد فرما دے، ان لوگوں کے ظلم و زیادتی اور میری طرف ان کا جھوٹی نسبت دینا اور تہمتوں کے انبار لگا دینا تو اس سے میں مغلوب ہو گیا ہوں۔ اے اللہ ! ان سے انتقام لے۔ اے اللہ ! میری مدد فرما۔ اس دعاء میں حضرت نوحؑ نے اپنی قوم پر نفرین کی ہے۔

طوفان نوحؑ

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی دعا قبول کی۔ حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم دیا۔ جب آپ خشکی پر بہت بڑی کشتی تیار کرنے میں مصروف تھے جس میں خاص قسم کی لکڑی اور لوہے کی کیلوں کا استعمال کیا جا رہا تھا تو آپ کی نا عاقبت اندیش قوم اس کشتی کو دیکھ کر مذاق اڑاتے تھی ، آوازیں کستے تھے کہ یہ شخص بے عقل ہے، آسیب زدہ ہے، کیا خشکی پر کشتی چلے گی؟ بالآخر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ سے جو وعدہ کیا تھا اس کا وقت آن پہنچا، آسمان کے دروازے کھلے اور سیلاب کی مانند پانی آسمان سے آنا شروع ہوا اور زمین کے چشمے بھی جاری ہو گئے۔ حضرت نوحؑ نے اپنے اوپر ایمان لانے والوں کو پہلے ہی اس کشتی میں بٹھا دیا تھا اور ہر شئی کا جوڑا جوڑا اس کشتی میں سوار کر لیا تھا، پانی بڑھتا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے پانی کا سمندر بن گیا، کافروں کو ان کے انکار کی سزا مل گئی اور وہ سب غرق ہو گئے فقط وہی بچے جو کشتی میں سوار تھے۔ اللہ تعالیٰ کا

فرمان ہے کہ یہ کشتی ہماری نگرانی میں چل رہی تھی ہم نے اس کی حفاظت کا انتظام کیا۔ مومنین حضرت نوحؑ کے ہمراہ نجات پا گئے اور سب کفار ہلاک ہو گئے۔ حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا میں یہ کہا تھا کہ:

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (سورہ نوح، آیت ۲۶)

ترجمہ: "اے رب! کافروں سے کسی ایک کو بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ۔"

اللہ فرما رہا ہے کہ ہم نے کشتی کی حفاظت کی اور اسے باقی رکھا، تاکہ یہ نشانی رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشتی باقی ہے۔ چنانچہ آرارات پہاڑ (ترکی) میں حضرت نوحؑ کی کشتی کے تختے ملے ہیں۔ یہ اس لیے تاکہ آنے والی اقوام کے لیے اس میں عبرت ہو اور یہ جان سکیں کہ اللہ کی دعوت برحق ہے اور اس کا عذاب بڑا سخت ہے اور ہلاکت خیز ہے۔

البتہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ "ترکنا ھا" میں ضمیر "ھا" کا اشارہ نوحؑ کے واقعہ کی طرف کیا ہے کہ ہم نے نوحؑ کے واقعہ کو باقی رکھا کہ لوگ اسے یاد رکھیں اور نوحؑ کے طوفان کو نہ بھولیں۔

اللہ تعالیٰ کا طریقہ انداز

اللہ تعالیٰ اپنے منکریں کو خبر کرتا ہے، انہیں ڈراتا اور دھمکاتا ہے، انہیں ہلاکت کا خوف دلاتا ہے اسی لیے یہ سوال کیا ہے کہ ذرا بتاؤ تو سہی کہ اللہ کا عذاب کیسا تھا؟ اللہ کا انتقام کیسا تھا؟ اے اللہ کے پیغامات کو جھٹلانے والو عبرت پکڑو، عذاب الٰہی سے ڈرو کیونکہ قوم نوحؑ والے اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے حضرت نوحؑ کو جھٹلایا اور دعوت حق کو قبول نہ کیا۔ جیسا کہ فرمایا: "وہ اپنی غلطیوں کی وجہ سے غرق ہوئے اور اسی وجہ سے انہیں آتش جہنم میں داخل کیا گیا" (سورہ نوح، آیت ۲۵)۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔“

آسان قرآن

اللہ فرماتا ہے ہم نے قرآن کو آسان بنایا ہے ہم نے بلند مقاصد، عالی حقائق، اعلیٰ مطالب جو تمام عقول سے ماوراء ہیں ان سب کو قرآن میں ایسے انداز سے بیان کر دیا ہے اور انہیں آسان عبارات میں ڈھال دیا ہے کہ ان مطالب کو عام لوگ سمجھ سکیں اور اس سے عبرت پکڑیں۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے کاموں کو جان سکیں۔ اللہ کی قدرت کو سمجھ سکیں، قرآن کے وسیلہ سے اپنی اصلاح کریں، خدا پر ایمان لے آئیں، دین حق جس کی قرآن دعوت دے رہا ہے اسے قبول کریں۔ قرآن کے وسیلہ سے تذکر لینے کی عمومی دعوت ہے۔ ہر ایک کے لیے اس کا موقع میسر ہے کہ وہ قرآن سے اپنی ہدایت کا سامان حاصل کر لے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٨﴾

ترجمہ: ”اور قوم عاد نے بھی تکذیب کی تو ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا رہا؟“

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ”ہم نے ان کی اوپر تیز و تند آندھی بھیج دی ایک مسلسل نحوست والے منحوس دن میں۔“

تَنزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنقَعِرٍ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ”جو لوگوں کو جگہ سے یوں اُٹھالیتی تھی جیسے اکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہوں۔“

فَكَيۡفَ كَانَ عَذَابِىۡ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ”پھر دیکھو ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا ثابت ہوا۔“

وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟!“

قوم عاد کا انجام

ان آیات میں حضرت ھود کی قوم کا ذکر ہے جنہوں نے نے حضرت ھودؑ کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کو سزا دی اور ان پر سخت عذاب نازل کیا۔

عذاب کی کیفیت

قوم عاد پر آنے والا عذاب سخت اور شدید تند و تیز جھکڑ آور آندھی کی صورت میں نازل ہوا تھا جو پورا دن چلتی رہی اور وہ دن ان کے لیے منحوس ترین تھا۔ اس آندھی نے انہیں زمین پر پٹخ مارا اور انہیں سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ کھجور کے لمبے چوڑے درخت تیز آندھی نے انہیں بھی درختوں کی مانند زمین سے اکھاڑ کر اکے رکھ دیا۔ قوم عاد کے لوگ قوی ہیکل تھے لمبے کھجور کے درخت کی مانند، موٹے اور طاقتور، لیکن اس آندھی نے انہیں مار کر رکھ دیا، ہر طرف ان کی لاشیں پڑی تھیں۔ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد سننے والوں کو متوجہ کیا ہے کہ تم ذرا سوچو کہ ہمارا عذاب ان جھٹلانے والوں کے لیے ہی تھا۔ ہمارا انذار اور ڈرانا محض بیان نہ

تھا بلکہ اس کو عملی جامہ پہنا کر ان پر عذاب نازل کیا گیا۔ لہٰذا تم بھی اپنے بارے سوچ لو کہ تم بھی نبی کو جھٹلا رہے ہو اس کی سزا ہوتی ہے۔ آخر میں پھر یہ بتا دیا کہ ہم نے قرآن کو آسان عبارت میں قرار دیا تاکہ اس سے گذشتہ واقعات کی یادآوری ہو جائے اور موجودہ دور کے لوگ اس سے سبق حاصل کریں۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: ”اور ثمود نے بھی پیغمبروں علیہ السّلام کو جھٹلایا۔“

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾

ترجمہ: ”اور کہہ دیا کہ کیا ہم اپنے ہی میں سے ایک شخص کا اتباع کرلیں اس طرح تو ہم گمراہی اور دیوانگی کا شکار ہو جائیں گے۔“

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿٢٥﴾

ترجمہ: ”کیا ہم سب کے درمیان ذکر صرف اسی پر نازل ہوا ہے در حقیقت یہ جھوٹا ہے اور بڑائی کا طلبگار ہے۔“

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: ”تو عنقریب کل ہی انہیں معلوم ہو جائے گا جھوٹا اور متکبر کون ہے۔“

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: ”ہم ان کے امتحان کے لیے ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں لہٰذا تم اس کا انتظار کرو اور صبر سے کام لو۔“

وَ نَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَیْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''اور انہیں باخبر کردو کہ پانی ان کے درمیان تقسیم ہوگا اور ہر ایک کو اپنی باری پر حاضر ہونا چاہئے۔''

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''تو ان لوگوں نے اپنے ساتھی کو آواز دی اور اس نے اونٹنی کو پکڑ کر اس کی کونچیں کاٹ دیں۔''

فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَ نُذُرِ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''پھر سب نے دیکھا کہ ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا ثابت ہوا۔''

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِیْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ''ہم نے ان کے اوپر ایک چنگھاڑ کو بھیج دیا تو یہ سب کے سب باڑے کے بھوسے کی طرح ہوگئے۔''

وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کردیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔''

قوم ثمود کا انجام

قوم ثمود حضرت صالحؑ کی قوم تھی ان کے بارے پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ یہ لوگ ایسے تھے کہ انہوں نے سارے انبیا علیہم السّلام کو جھٹلا دیا کیونکہ ایک کو جھٹلانا سب

کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ یہ کہتے تھے کہ صالحؑ تو ہم جیسا ہے لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس وحی آجائے اور وہ غیب کی خبریں ہمیں سنائے۔ اگر انسانوں میں سے ایک پر وحی آسکتی ہے تو باقی سب پر کیوں نہیں آتی، صالح میں ایسی کیا بات ہے جبکہ نہ تو اس کی اہمیت ہے اور نہ ہی کچھ طاقت رکھتا ہے لہٰذا وہ جھوٹا ہے، وہ ہمارے اوپر اپنی بڑائی جتانا چاہتا ہے، وہ مفاد پرست ہے۔ اگر ہم اس کی بات کو مان لیں تو ہم بڑی گمراہی میں ہوں گے۔ ان کی باتوں کو ذکر کرنے کے بعد اللہ نے سزا کے طور پر جو عذاب ان پر نازل کیا اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

قوم ثمود پر آنے والا عذاب

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ تم ان کی اذیت ناک باتوں پر صبر کرو۔ قوم نے آپ سے درخواست کی ہے کہ ان کے لیے ایک اونٹنی ہو جس کے دودھ سے وہ استفادہ کریں تو ہم اونٹنی بھیج دیتے ہیں اور اس اونٹنی کے ذریعہ ان کا امتحان ہو گا۔ آپ تھوڑا صبر کریں اور سب معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹے اور مفاد پرست کون ہیں؟ اللہ نے اونٹنی بھیج دی اور ساتھ یہ دستور دیا کہ جو پانی آپ کے پاس موجود ہے تالاب کی شکل میں یا کسی اور صورت میں (گویا ایک جگہ تھی جہاں پانی موجود تھا) تو اس پانی سے استفادہ کے لیے حد بندی کر دی گئی ہے ایک وقت اونٹنی کے لیے ہے اس وقت کوئی اور پانی کے گھاٹ پر نہ آئے گا اور ایک وقت ان لوگوں کے لیے ہے وہ اس جگہ سے پانی لے سکتے ہیں؛ لیکن وہ لوگ ایسے نافرمان نکلے کہ انہوں نے اس حکم کی پرواہ نہ کی اور پروگرام بنالیا کہ ہم اس اونٹنی کو مار ڈالیں تاکہ سارا پانی ہمارے استعمال میں رہے چنانچہ اس آدمی کو بلایا گیا جس نے اس قبیح کام کے لیے آمادگی ظاہر کی تھی۔ اس نے ناقہ کو مار ڈالا، جیسے ہی انہوں نے اس بڑے جرم کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے

ایک خوفناک آواز ان پر مسلط کی کہ اس آواز کے سنتے ہی سب ہلاک ہو گئے اور ان کی حالت ایسی ہو گئی جیسے خشک لکڑیوں کا ڈھیر ہو، ایک بھی زندہ نہ بچا۔

درس عبرت

اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم نے دیکھ لیا کہ ہمارا عذاب کس طرح ان پر آیا جنہوں نے ہماری طرف سے ڈرانے والوں کو جھٹلایا۔ پھر فرمایا: کہ دیکھو ہم نے قرآن کو آسان زبان میں قرار دیا ہے تاکہ اس کے مطالب کو لوگ آسانی سے سمجھ سکیں اور اس میں بیان شدہ واقعات کو جان کر ان سے عبرت حاصل کریں اور اُن لوگوں جیسے کام نہ کریں جن کاموں کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔ یعنی یہ لوگ ان واقعات سے سبق سیکھیں اور ہمارے رسول کی تکذیب نہ کریں وگرنہ ان پر بھی عذاب آئے گا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: ”اور قوم لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا“

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: ”تو ہم نے ان کے اوپر پتھر برسائے صرف لوط کی آل کے علاوہ کہ ان کو سحر کے ہنگام ہی بچالیا“

نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: ”یہ ہماری ایک نعمت تھی اور اسی طرح ہم شکر گزار بندوں کو جزا دیتے ہیں“

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: ’’ اور لوط نے انہیں ہماری گرفت سے ڈرایا لیکن ان لوگوں نے ڈرانے ہی میں شک کیا‘‘

وَ لَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَاۤ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَ نُذُرِ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ’’اور ان سے مہمان کے بارے میں ناجائز مطالبات کرنے لگے تو ہم نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا کہ اب عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔‘‘

وَ لَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ’’اور ان کے اوپر صبح سویرے نہ ٹلنے والا عذاب نازل ہو گیا‘‘

فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَ نُذُرِ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ’’کہ اب ہمارے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو‘‘

وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ’’اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔‘‘

قوم لوط کا انجام

ان آیات میں حضرت لوطؑ کے ساتھ ان کی قوم کے رویے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس قوم نے قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح حضرت لوطؑ کو جھٹلایا۔ حضرت لوطؑ کی دعوت کو قبول نہ کیا، ہم جنس بازی کیا اور غیر فطری بُری عادت میں مشغول رہے۔ حضرت لوطؑ نے ان کو جتنا ڈرایا دھمکایا، اللہ کے عذاب کا خوف دلایا اس کا کچھ بھی نتیجہ نہ نکلا اور وہ حضرت لوط سے جھگڑتے ہی رہے۔ ان کے جرم کی انتہا اور ان کی بے شرمی کی آخری حد یہ تھی کہ جب فرشتے

حضرت لوطؑ کے پاس آئے اور جب ان کی قوم کو معلوم ہوا کہ خوبصورت لڑکے حضرت لوطؑ کے مہمان آئے ہیں تو انہوں نے حضرت لوطؑ پر چڑھائی کر دی کہ یہ مہمان ہمارے حوالے کر دو۔ حضرت لوط نے انہیں سمجھایا تو انہوں نے کوئی بات نہ مانی جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا کر دیا اور یہ عذاب کا آغاز تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے صبح کے وقت ان پر پتھروں کی آندھی بھیج دی اس شہر میں ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ بچا اور وہ سب ہلاک ہو گئے البتہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوطؑ کی نافرمان بیوی کے علاوہ ان کے گھرانے کے باقی افراد کو بچا لیا اور سحری کے وقت وہ اس علاقہ کو چھوڑ کر وہاں سے نکل آئے اور ان کو اس کی خبر تک نہ ہوئی آکر یہ احسان کیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے شاکر بندے تھے۔ اس سے یہ پیغام دیا کہ جو بھی اللہ کا شکر بجا لائے گا، اللہ کی اطاعت کرے گا تو اللہ اس کا نگہبان و محافظ ہوتا ہے۔

اس واقعہ کے بعد پھر فرمایا: ہم نے جو عذاب بھیجا اور ہمارے نمائندوں نے جو انذار کیا تھا تو اس کو تم نے دیکھ لیا ہے۔ ذرا سوچو! ہم نے کس طرح جھٹلانے والوں کو سزا دی۔

قرآن سے عبرت لینا

پھر فرمایا کہ ہم نے قرآن کو آسان عبارات میں قرار دیا ہے تاکہ لوگوں کو سابقہ حالات کے بارے یاددہانی ہوتی رہے اور لوگ ان واقعات کو یاد کرکے عبرت حاصل کریں اور انحراف سے خود کو بچائیں۔

پیغام: قرآن مجید میں سابقہ اقوام کے جو حالات بیان ہوئے ہیں ان کو پڑھا جائے اور ان پر غور کیا جائے اور ان اقوام کا اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے جو انجام ہوا تو اپنے بارے سوچا جائے اللہ کا قانون اپنے نافرمانوں کے لیے ایک جیسا ہے لہٰذا ہمیں اپنے بچاؤ کی فکر کرنی چاہیے۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۚ ﴿٤١﴾

ترجمہ: ”اور فرعون والوں کے پاس بھی پیغمبر آئے۔“

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾

ترجمہ: ”تو انہوں نے ہماری ساری نشانیوں کا انکار کردیا تو ہم نے بھی ایک زبردست صاحبِ اقتدار کی طرح انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔“

آلِ فرعون

اس جگہ آلِ فرعون سے مراد فرعون اور اس کے ہمنوا ہیں۔ان کے بارے بھی بتایا گیا کہ انہوں نے ہمارے پیغمبروں کو جھٹلایا، ان کے پاس بھی ڈرانے والا ہم نے بھیجا جو ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر گیا لیکن انہوں نے ہمارے نمائندے اور پیغمبر کی بات کو نہ مانا اور ان ساری، واضح آیات اور روشن نشانیوں کا انکار کردیا تو پھر ہم نے ان کو پکڑا، انہیں سخت سزا دی اور انہیں سمندر میں غرق کیا۔ ایسا پکڑا جس طرح ایک قدرت مند، طاقتور حاکم اپنے مخالف کو اپنی گرفت میں لیتا ہے اور اسے سخت سزا دیتا ہے۔لہٰذا کفار مکہ کو اس واقعہ سے عبرت لینی چاہیے۔

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾

ترجمہ: ”تو کیا تمہارے کفار ان سب سے بہتر ہیں یا ان کے لیے کتابوں میں کوئی معافی نامہ لکھ دیا گیا ہے“

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿٤٤﴾

ترجمہ : ''یا ان کا کہنا یہ ہے کہ ہمارے پاس بڑی جماعت ہے جو ایک دوسرے کی مدد کرنے والی ہے''

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾

ترجمہ : ''عنقریب یہ جماعت شکست کھاجائے گی اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔''

رسول اللہؐ کے ہم عصر کفار کا تذکرہ

ان آیات میں ان کافروں کو خطاب کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے ان سے پوچھا جارہا ہے کہ کیا تمہارے زمانے کے کافر طاقت میں ان گزشتہ کافروں سے بہتر پوزیشن میں ہیں ان کے پاس کوئی آسمانی کتابوں میں سے معافی نامہ موجود ہے کہ ان کو کچھ بھی نہیں ہوتا اور جو عذاب گذشتہ کافروں کو ہوا وہ عذاب ان پر نہیں آسکتا، اس لیے وہ کفر اختیار کر رہے ہیں یہ وہ سوچ رہے ہیں کہ وہ بہت بڑی جمعیت ہیں اور سارے کفر کے کلمہ پر متحد ہیں اور ان کو کچھ نہیں ہو گا کیونکہ ان کی جمعیت زیادہ ہے اور وہ سب متحد ہیں۔ وہ اپنی جمعیت پر نازاں ہیں جان لو کہ یہ بہت جلد شکست کھائیں گے ، میدان سے فرار کریں گے ، جس جنگ کا آغاز خود کریں گے اسی جنگ میں شکست کھائیں گے۔ اس آیت میں جنگ بدر کی پیش گوئی کی گئی ہے اور کفار کی شکست کو بیان کیا گیا ہے۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿٤٦﴾

ترجمہ : ''بلکہ ان کا موعد قیامت کا ہے اور قیامت انتہائی سخت اور تلخ حقیقت ہے''

اِنَّ الۡمُجۡرِمِیۡنَ فِیۡ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ''بیشک مجرمین گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہیں''

یَوۡمَ یُسۡحَبُوۡنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوۡہِہِمۡ ؕ ذُوۡقُوۡا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ''قیامت کے دن یہ آگ پر منہ کے بل کھینچے جائیں گے کہ اب جہنم کا مزہ چکھو۔''

آخرت کا عذاب

کفار کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے کہ بہت جلد آخرت کا عذاب ان پر مسلط ہو گا جو دنیاوی عذاب سے بڑا سخت ہے، ان پر بھڑکتی ہوئی آگ ڈالی جائے گی۔ اس عذاب کی سختی اس وجہ سے ہے کہ لوگ مجرم ہیں، گناہگار ہیں کھلی گمراہی میں ہیں لہٰذا بھڑکتی آگ ان پر چڑھائی جائے گی۔ اس طرح کا عذاب قیامت کے دن ان پر آئے گا۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا یہ وہ عذاب ہے جس کے بارے تمہیں ڈرایا جا رہا تھا اور تم اس کا انکار کرتے تھے اب تم اس کا مزہ چکھ لو۔

اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ''بیشک ہم نے ہر شے کو ایک اندازہ کے مطابق پیدا کیا ہے''

وَ مَاۤ اَمۡرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَۃٌ کَلَمۡحٍۭ بِالۡبَصَرِ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: ''اور ہمارا حکم پلک جھپکنے کی طرح کی ایک بات ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا مرتب نظام

اللہ کا سارا نظام مرتب ہے ہر شئی ایک اندازے پر ہے، ہر ایک کی حد بندی ہے بے ترتیب کچھ نہیں۔ سب کچھ حساب شدہ ہے۔ اس آیت میں پچھلی آیت کے مطلب کی وجہ کو بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے قیامت کے دن ان مجرموں کی سزا آتش کو قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ہر چیز کو ایک حساب سے خلق کیا ہے؛ اسی لحاظ سے ہم نے انسان کو اس طرح سے خلق کیا ہے اور ان کے لیے ایسے مقدر کیا ہے کہ ہمارے انبیاء ان کے پاس آئیں، انہیں ہماری طرف دعوت دیں کیونکہ ہماری اطاعت میں ان کی دنیاوی سعادت اور اُخروی پھر جو بھی اس دعوت کو رد کرے اور جرم کرے، صراط مستقیم پر نہ آئے اور ہمارے پیغمبروں کی بات کو نہ مانے تو اس کو آتش میں ڈالا جائے۔ الٰہی تدبیر کا کمال اس میں ہے کہ نیکوکار کو اچھا بدلہ دیا جائے اور بدکار کو سزا دی جائے اللہ کے افعال ہمارے افعال کی مانند نہیں ہیں کہ ہمارے افعال قواعد کلی اور عمومی ضابطوں کے تحت ہوتے ہیں اور خارجی وجود سے صادر ہوتے ہیں جبکہ اللہ کے افعال میں وجود خارجی ہے، اصول اور ضابطے اللہ کے فعل سے استخراج ہوتے ہیں۔ اللہ کے افعال عین وجود خارجی ہیں۔ اللہ کا فعل خود ہی وجود خارجی سے عبارت ہے۔

کلی عقلی ضابطے

اللہ کے فعل سے اصولی ضوابط اخذ ہوتے ہیں ،ایسا نہیں ہے کہ عقلی ضوابط اور قاعدے، قوانین اللہ کے فعل پر حاکم ہوں اور اللہ کے فعل سے پہلے موجود ہوں جیسا کہ انسانوں کے افعال میں ہوتا ہے کہ عقلی و کلی قواعد و ضابطے موجود ہوتے ہیں ان کے تحت ان کے افعال کا جائزہ لیا جاتا ہے لہٰذا جب اللہ کے افعال میں سے اس کے کسی فعل کی علت و حکمت کو جب بیان کیا جائے گا تو وہ علت مقام اثبات میں ہو گی نہ کہ مقام ثبوت میں یا اس فعل کی غرض اور نتیجہ کو دیکھیں گے جو لوگوں کو مل رہا ہے یا پھر اللہ کے اسماء میں سے ایک

اسم اور اللہ کی صفات سے ایک صفت یا اللہ کے افعال سے ایک فعل جو مورد نظر فعل سے عمومی تر اور کلی تر ہے اسے دیکھا جائے گا۔ باالفاظ دیگر قرآن اللہ کے افعال سے کسی فعل کی جب علت و حکمت بیان کرتا ہے تو یہ مقام اثبات میں ہوتا ہے نہ کہ مقامِ ثبوت میں۔ یعنی یہ بتایا جائے گا کہ اللہ نے جو کام بندے کے حوالے سے انجام دیا ہے اس کا فائدہ یہ ہے اور اس کام میں حکمت اور فلسفہ اس طرح سے ہے۔

اللہ کا امر

اللہ کا امر اور فیصلہ ایک ہی ہے اس میں تکرار نہیں ہوتا۔ اس کا معنی یہ ہے جب خداوند کسی چیز کے ہونے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے ہونے میں امر کے تکرار کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ کلمہ ''کُن'' کا بولا جانا تو وہ شئی وجود میں آجاتی ہے، درمیان میں کوئی زمان، مکان اور حرکت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ سب ضمیریں اللہ کے امر سے وجود میں آتی ہیں۔

یہ آیت اگرچہ فی نفسہ ایک عمومی حقیقت ہے لیکن اس جگہ کفار پر عذاب کے تحقق بارے بیان آیا ہے اس کا معنی اس طرح ہو گا کہ قیامت کے لیے اللہ کا ایک امر ہی کافی ہے جیسے ہی خدا تعالیٰ ارادہ کرے گا تو سب مخلوقات اٹھ کھڑی ہوں گی اور قیامت واقع ہو جائے گی اور یہ پلک جھپکنے سے کمتر مدت میں ہو گا۔

وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَاۤ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٥١﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے تمہارے ساتھیوں کو پہلے ہی ہلاک کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے''

وَ كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾

ترجمہ : "اور ان لوگوں نے جو کچھ بھی کیا ہے سب نامہ اعمال میں محفوظ ہے"

وَكُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾

ترجمہ : "اور ہر چھوٹا اور بڑا عمل اس میں درج کر دیا گیا ہے۔"

کفارِ مکہ پر عذاب کا نزول

سابقہ آیات میں گذشتہ زمانوں کے کافروں کا بتایا گیا کہ انہوں نے ہمارے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا تو ہم نے ان کو سزا دی اور عذاب ان پر اتار دیا اس دور کے جو کافر ہیں وہ پچھلے کافروں سے مختلف نہیں لہٰذا ان کی تکذیب کرنا اور ہمارے رسول کا مذاق اڑانا اور اس کی دعوت کو رد کرنا ان کے لیے بھی باعث عذاب ہے۔ ہم نے سابقہ کافروں کو دنیاوی عذاب دیا اور اُخروی عذاب تو اس سے زیادہ سخت ہے کیونکہ سب کافروں کے چھوٹے بڑے اعمال کو درج کیا گیا ہے کسی کا کوئی عمل نہیں چھوڑا نہیں ہے اور کافروں کو ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی ان آیات میں یہ بتا دیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے کافر بھی عذاب سے نہ بچ پائیں گے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾

ترجمہ : "بیشک صاحبان تقویٰ باغات اور نہروں کے درمیان ہوں گے"

فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

ترجمہ : "اس پاکیزہ مقام پر جو صاحبِ اقتدار بادشاہ کی بارگاہ میں ہے"

اہل تقویٰ کے لیے بشارت

کافروں کا انجام بتانے کے بعد مؤمنین کو بشارت دی جارہی ہے کہ جو مومن ہیں، جنہوں نے انبیا کی دعوت کو قبول کیا، جنہوں نے ہمارے رسول کی تصدیق کی، جو اہل تقویٰ ہیں ان کے لیے جنت الفردوس ہے جہاں سر سبز و شاداب باغات ہیں، چشمے ہیں، نہریں جاری ہیں بہت ہی آرام و سکون میں بہترین جگہ پر موجود ہوں گے انہیں ایسی جگہ ملے گی جو ان کے اعمال اور عمل کی صداقت کی ترجمان ہو گی۔ ایسی نعمت کہ جس میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو گی یہ سب اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے جس نے ہر صورت پورا ہونا ہے۔

سورۃ الرحمٰن

(مدنی۔ کل آیات: ۷۸)

سورہ کے مطالب

زمین و آسمان اور جن و انس کی خلقت کا بیان، اللہ کی نعمات کا تذکرہ، انسان اور جنات پر حاکم نظام کا بیان، دنیا اور آخرت میں عالَم کی تقسیم کا بیان، اللہ کی نعمات کا بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''وہ خدا بڑا مہربان ہے۔''

عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اس نے قرآن کی تعلیم دی ہے۔''

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ''انسان کو پیدا کیا ہے۔''

عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور اسے بیان سکھایا ہے۔''

رحمٰن کا معنی

یہ لفظ ''رحم'' سے مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنی بہت رحم کرنے والا، بہت زیادہ نعمت دینے والا اور بہت زیادہ مہربان کے ہیں۔

اللہ نے رحمٰن سے اپنے بیان کا آغاز کیا ہے کیونکہ اس سورہ میں اپنی تمام نعمات کا تذکرہ کیا ہے اور پھر انسان (جسے اشرف المخلوقات قرار دیا ہے) اور جنات کو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انعامات کئے ہیں ان کا تذکرہ ہے اور یہ سب اللہ کی رحمت کے مظاہر ہیں اس لیے اپنی اس صفت کو شروع میں ذکر کیا ہے اور اس کے بعد اپنی نعمت کا تذکرہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے انعامات

اللہ کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو قرآن کی تعلیم دی ہے اور یہ اللہ کی تمام نعمات میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ جسے ساری نعمات پر مقدم کیا ہے۔ قرآن کی تعلیم کو انسان اور جنات کی خلقت سے پہلے ذکر کیا ہے جن کی ہدایت کے لیے قرآن کو نازل فرمایا ہے۔

دوسری نعمت انسان کی خلقت ہے کیونکہ انسان کو باقی مخلوقات پر برتری حاصل ہے اللہ تعالیٰ نے کمال و سعادت کا راستہ اسی انسان کے لیے قرار دیا ہے۔ اس کے وجود کی ساخت

اور کیفیت تمام موجودات کی بناوٹ اور کیفیت سے عجیب تر اور جامع تر ہے (جیسا حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اے انسان! تو خیال کرتا ہے کہ توں ایک چھوٹا سا جسم ہے جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ تیرے اس جسم میں پوری کائنات کو سمو دیا گیا ہے، پوری کائنات میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ نے وہ سب اس مختصر سے جسم میں رکھ دیا ہے یہ اللہ کی خلقت کا شاہکار ہے اور یہ سب سے افضل واشرف ہے)

اللہ تعالیٰ کی تیسری نعمت: یہ ہے کہ اس نے انسان کو خلقت کے بعد قوتِ گویائی عطا کی ہے۔

لٰہذا جو کچھ اس کے ضمیر و باطن میں ہوتا ہے وہ اسے بیان کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ بیان کی تعلیم اللہ کی عظیم ترین عنایات میں سے ہے۔ انسان کا اپنا وجود پھر اس کے لیے بیان کی قدرت کا عطا کرنا یہ عجیب ترین ہے اور یہ اللہ کی عظیم ترین نعمات سے ہے۔ کلام کے بغیر بیان نہیں ہوتا، اللہ نے انسان کو بیان کی تعلیم دی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زبانوں کی تعلیم دی ہے، جو زبانیں انسانوں میں بولی جاتی ہیں یہ سب اللہ کی طرف سے اس کی استعداد اور صلاحیت سے عبارت ہیں۔ بیان بغیر الفاظ کے ممکن نہیں اور الفاظ مل کر کلام بناتے ہیں اور کلام کے ذریعہ ہی انسان اپنی بات کرتا ہے اور جو اس کے ضمیر میں ہے اسے بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاؑ کے توسط سے انسان کو لغات (زبانوں) کی تعلیم دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کو اس طرح قرار دیا کہ وہ اجتماعی زندگی بسر کرے۔ تنہائی سے گریز کرے اس طرح وہ لغات وضع کرنے پر مجبور ہوا پہلے اشاروں سے ایک دوسرے کو اپنی بات سمجھاتے تھے اور پھر یہی اشارے الفاظ بنے اور الفاظ سے کلام تشکیل پایا اور کلام سے بیان سامنے آیا۔ الفاظ معانی کو بیان کرتے ہیں اس طرح لوگوں کے درمیان الفاظ کی مدد سے سمجھنے اور سمجھانے کا عمل وجود میں آیا۔ خط اور لکھائی کو الفاظ کے اظہار کا ذریعہ بنایا لٰہذا خطوط، لکیریں

یہ کلام کی غرض کو پورا کرتی ہیں جس طرح کلام معنی کو پیش کرتا ہے اسی طرح خطوط بھی کلام کو پیش کرنے کا ذریعہ ہیں۔

بعض مفسرین کے نزدیک اقوال اس آیت کے بارے مختلف ہیں، بعض نے تعلیم بیان کا معنی کیا ہے کہ اللہ نے آدم کو اسما کی تعلیم دی کچھ اور مفسرین کے انسان سے مراد پیغمبر اکرم ﷺ ہیں اور بیان سے مراد قرآن ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو قرآن کی تعلیم دی۔[1]

اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ۪﴿۵﴾

ترجمہ: ”آفتاب و ماہتاب سب اسی کے مقرر کردہ حساب کے ساتھ چل رہے ہیں۔“

وَّ النَّجۡمُ وَ الشَّجَرُ یَسۡجُدٰنِ ﴿۶﴾

ترجمہ: ”اور بوٹیاں بیلیں اور درخت سب اسی کا سجدہ کر رہے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوقات

انسان کے بعد اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اپنی دیگر مخلوقات کا تذکرہ شروع کیا ہے۔ سورج اور چاند کی بات کی ہے کیونکہ پوری کائنات نظام شمسی کے تحت ہے اور ہر سورج کے گرد ستاروں کا ایک ہالہ قرار دیا ہے۔ سورج چاند حرکت میں ہیں ایک خاص نظم کے تحت۔

”نجم و شجر“ کا معنی بغیر تنے والے بیل بوٹے ہیں اور شجر سے مراد درخت ہے یعنی درخت اور تمام قسم کی نباتات پھلدار، غیر پھلدار گھاس اور سبزہ، سب کے سب اللہ کے حضور

1۔ تفسیر مجمع البیان اور تفسیر روح المعانی۔

سجدہ ریز ہیں، یہ سجدہ تکوینی سجدہ ہے یعنی اللہ کے دیئے ہوئے نظام کے تحت چل رہے ہیں، بیج زمین میں ڈالا جاتا ہے زمین سے پودا نکلتا ہے، اسی زمین سے نرم و نازک گھاس میں الگ باریک باریک بوٹیاں نکلتی ہیں، سبزہ کی بڑی بڑی بیلیں نکلتی ہیں بغیر سخت تنا کے نرم و نازک کونپلوں اور پتیوں والی نباتات ہوتی ہیں اور سخت قسم کے درخت جن میں پھلدار، خاردار، سایہ دار، قسم قسم کے درخت بھی تیار ہوتے ہیں۔ کچھ نباتات کی جڑیں نرم اور زیادہ ٹیڑھی ہوتیں ہیں اور کچھ کی جڑیں بہت ہی گہری ہوتی ہیں یہ انسان اور حیوان کی غذا کا انتظام ہے درخت انسان کے لیے سایہ فراہم کرتے ہیں، انسان کی رہائش کی ضروریات پوری کرتے ہیں ان کا اپنے خالق کے لیے سجدے کا مطلب ہے کہ۔ یہ سب اللہ کی اطاعت میں ہیں اور امر الٰہی سے اپنے اپنے کام کو انجام دے رہے ہیں یہ اللہ کا احسن نظام ہے۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ﴿۷﴾

ترجمہ: ''اس نے آسمان کو بلند کیا ہے اور انصاف کی ترازو قائم کی ہے۔''

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾

ترجمہ: ''تاکہ تم لوگ وزن میں حد سے تجاوز نہ کرو۔''

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿۹﴾

ترجمہ: ''اور انصاف کے ساتھ وزن کو قائم رکھو اور تولنے میں کم نہ تولو۔''

حق و باطل کی تشخیص کا معیار

اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کی خلقت کو بیان کیا ہے آسمان کو بلندی پر قرار دیا ہے، ہر چیز کو ایک حساب سے رکھا ہے اور اللہ ہی نے ان سب کا ضابطہ اور اصول بنایا ہے۔ ترازو سے مادی اشیا کا وزن کیا جاتا ہے میزان اس آلہ اور وسیلہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کسی چیز کی

حالت کے بارے معلوم کیا جائے کہ اس کی مقدار کتنی ہے اس کی حیثیت و کیفیت کو جاننے کے لیے بھی اسی لفظ سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطہ اور قانون دے دیا کہ جب تمہارے پاس یہ بات آئے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے، حق کیا ہے اور باطل کیا ہے اور حساب لگانا ہو تو صحیح صحیح حساب کیا کرو، برابر تولا کرو، ٹھیک وزن کیا کرو، کسی سے بھی کمی نہ کیا کرو اور عدالت و انصاف سے کام کیا کرو، خیانت نہ کیا کرو، مادی حوالے سے بھی اسی ضابطہ کا لحاظ رکھا جائے کہ ناپ تول میں خیانت نہ ہو، کسی سے زیادتی نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے حیات و زندگی کا جو معیار بنایا ہے اس میں توازن ہونا چاہیے، اوزان اور پیمانے کم نہ رکھے جائیں اور خیانت نہ کی جائے۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿١٠﴾

ترجمہ: ”اور اسی نے زمین کو انسانوں کے لیے وضع کیا ہے۔“

فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿١١﴾

ترجمہ: ”اس میں میوے ہیں اور وہ کھجوریں ہیں جن کے خوشوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔“

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾

ترجمہ: ”وہ دانے ہیں جن کے ساتھ بھس ہوتا ہے اور خوشبودار پھول بھی ہیں۔“

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٣﴾

ترجمہ: ”اب تم دونوں اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔“

اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے زمین کو قرار دیا ہے اپنی اس نعمت کا خصوصی ذکر فرمایا ہے۔ آسمان کی بہ نسبت زمین کو پست اور کمتر قرار دیا ہے۔ اس زمین میں مختلف انواع کے میوہ جات قرار دیئے جن میں درخت، سبزہ، پودے، کھجور کا خصوصی ذکر کیا ہے۔ شگوفہ اور غلاف میں لپٹی کھجور کا درخت ذکر کیا ہے۔ خوشبودار پودے بنائے جیسے پودینہ، ریحان، گلاب، چنبیلی وغیرہ۔ ان سب کا خالق اللہ ہے اور یہ سب انسانوں اور جنات کے استفادہ کے لیے ہیں، اس جگہ اللہ تعالیٰ جنات اور انسانوں سے مخاطب ہے کہ میری اتنی ساری نعمات ہیں تو تم کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے، تم کس کس نعمت کا انکار کر سکتے ہو؟ اصل بات یہ کہی جا رہی ہے کہ اللہ کی نعمات کو یاد رکھو اور اللہ کا شکر بجالاؤ، کفران نعمت نہ کرو۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔“

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ”اور جنات کو آگ کے شعلوں سے پیدا کیا ہے۔“

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ”تو تم دونوں اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔“

انسان کی خلقت

اس جگہ انسان سے اس کی نوع مراد ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے خود حضرت آدمؑ مراد ہوں جیسا تفسیر روح المعانی میں ہے کہ ہم نے انسان کو کھنکھنانے والی مٹی سے خلق کیا ہے جو ٹھیکری کی مانند ہے، پہلے مٹی کو گوندھا پھر اسے اتنا خشک کیا کہ جب اس پر کوئی چلے تو وہ پاؤں تلے کھن کھن کی آواز دے۔ انسان کی نوع کی پہلی خلقت کی کیفیت ایسی تھی، اس

مٹی سے اس کا ڈھانچہ تیار کیا گیا پھر اس میں جان ڈال دی گئی اور وہ پہلا انسان بن گیا اس کے بعد پھر نطفہ (پانی کا مخصوص قطرہ) سے اس کی خلقت کا نظام بنا دیا جیسا کہ دوسری آیات سے واضح ہوتا ہے۔

جنات کی خلقت

جنات کو بھڑکتی آگ کے خاص شعلہ سے خلق کیا جس میں دھواں شامل نہ ہو اس میں بھی جنات کی انواع کے بارے بتایا جا رہا ہے اور بعض نے کہا اس سے مراد وہ پہلا جن ہے جو تمام جنات کا باپ ہے۔

نعمات کا تذکرہ

ان آیات میں جن اور انسان کی حیثیت و اصلیت کو بیان کیا ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ یہ اللہ کا انعام ہے کہ، تم اس طرح سے وجود میں آئے ہو پس تم اللہ کی کس کس نعمت کو یاد کرو گے اور پھر کس طرح اللہ کی ان ساری نعمات کو جھٹلا سکتے ہو۔ اتنی ساری نعمات کو جھٹلانے کا کوئی جواز نہیں، کفران نعمت بلاجواز ہے لہٰذا نعمات کا تو شکر بجالاؤ۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾

ترجمہ: "وہ چاند اور سورج دونوں کے مشرق اور مغرب کا مالک ہے۔"

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٨﴾

ترجمہ: "پھر تم دونوں اپنی رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

مشارق اور مغارب سے مراد

دو مشارق سے مراد موسم سرما کا مشرق اور موسم گرما کا مشرق ہے کہ جس کی بنیاد پر چار موسم وجود میں آتے ہیں اور مخلوقات کی روزی کا انتظام ہوتا ہے اور بعض نے ایک سورج کا مشرق اور دوسرا چاند کا مشرق قرار دیا ہے۔ [1] بہر حال اس عبارت میں زمین کے کروی ہونے کی جانب بھی اشارہ ملتا ہے۔ ہر مشرق کا ایک مغرب ہے لہٰذا دو مشرق جاننے سے دو مغرب معلوم ہو جاتے ہیں۔ اس بیان سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دقیق نظام شمسی کو بیان کیا ہے اور یہ اللہ کا بہت بڑا انتظام ہے جس پر انس و جن بلکہ تمام مخلوقات، نباتات، جمادات ہر شئی کی زندگی کا دارومدار ہے اس بڑی نعمت کی وجہ سے زندگی رواں ہوتی ہے جیسے پانی کا انتظام جس سے ہر چیز کی حیات ہے اسی سے ہوا کا انتظام ہے، ان کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے بعد ہر جن وانس کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم کس طرح اللہ کی نعمات کو جھٹلا سکتے ہو جہاں قدم رکھو اللہ کی نعمت ہے پس تم اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اللہ کی صفت ربوبیت کو بار بار دھرایا جا رہا ہے یہ بتانے کے لیے کہ ربوبیت میں اللہ ہی یکتا ہے اس کے نظام و تدبیر میں کوئی اور شریک نہیں ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''اس نے دو دریا بہائے ہیں جو آپس میں مل جاتے ہیں۔''

بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ''ان کے درمیان حد فاصل ہے کہ ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کر سکتے۔''

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢١﴾

1۔ تفسیر مجمع البیان۔

ترجمہ: ''تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔''

دو سمندروں سے مراد

اس کا ظاہری معنی تو دو قسم کا سمندر ہے ایک میٹھا ہے اور دوسرا تلخ اور کڑوا پانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو سمندروں کو ساتھ ساتھ چلایا ہے لیکن ان کے درمیان فاصلہ بھی موجود ہے ان دو سمندروں سے مراد کوئی خاص دو سمندر نہیں بلکہ تلخ پانی کی نوع مراد ہے کہ کل زمین کا $\frac{1}{3}$ حصہ کڑوے پانی پر مشتمل ہے جو دریاؤں اور سمندروں کو شامل ہے زمین کے اوپر اور زیر زمین یہ پانی جاری و ساری ہے اور میٹھے اور خوشگوار پانی کے ذخیرہ کو اللہ تعالیٰ نے زیر زمین ذخیرہ کیا ہے جو چشمہ کی صورت میں زمین پر ابلتا ہے۔ زمین پر یہ دو انواع کا پانی روئے زمین پر باہم اتصال پیدا کرتا ہے لیکن ان کے درمیان حاجز اور رکاوٹ موجود ہے جو ان کو تبدیل نہیں ہونے دیتی۔ میٹھا پانی کڑوے پر اور کڑوا پانی میٹھے پر چڑھائی نہیں کرتا ہر ایک اپنے اپنے راستہ پر چل رہا ہے اگر شیریں و تلخ مخلوط ہو جائیں تو جانداروں کی زندگی کا نظام چلنا مشکل ہو جائے نہ میٹھا سمندر کڑوے سمندر کی حدود میں داخل ہوتا ہے اور نہ ہی برعکس ہے لیکن اس کے باوجود یہ دونوں پانی زندگی کی چرخے کو گھما رہے ہیں، ایک دوسرے کے مددگار ہیں ایک دوسرے کا سہارا ہیں، کیونکہ تلخ سمندر اپنا پانی بخارات کے ذریعہ اوپر بھیجتا ہے جو بادل تیار ہوتے ہیں اور وہ بادل زمین پر برستے ہیں اور زمین کے سوراخ اور دریچوں سے گزرتا ہوا وہ پانی زمین کے مخازن میں پہنچ جاتا ہے، وہی پانی زمین سے چشمہ کی صورت میں باہر نکلتا ہے پھر دریاؤں کی صورت میں زمین پر بہتا ہے اور پھر شور و تلخ سمندر میں جا گرتا ہے اور یہی امر نعمت الٰہی سے عبارت ہے۔ یہ حکمت الٰہی ہے یہ پانی آپس میں مخلوط ہونے اور مل جانے کے باوجود ایک دوسرے میں فنا نہیں ہوتا تاکہ جانداروں کا نظام درہم برہم نہ ہو جائے اس بڑی

نعمت کا ذکر کرنے کے بعد پھر جن وانس سے سوال کیا ہے اور انہیں جھنجھوڑا ہے کہ تم اللہ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: ''ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں۔''

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: ''تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔''

دونوں سمندروں سے استفادہ

پانی شیریں ہو یا تلخ، دونوں انسان کے لیے بے حساب منفعت کے لیے ہیں، موتی، مرجان، مروارید اسی سمندر سے نکلتے ہیں جو انسان کی زینت کے کام آتے ہیں اور بیماریوں سے علاج کے لیے کام آتے ہیں اور بھی بہت سارے منافع موجود ہیں جن کا تذکرہ متعدد آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر الدر المنثور میں ابن عباس سے روایت بیان ہوئی ہے کہ یہ دو سمندر حضرت علی بن ابی طالب علیہا السلام اور حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔ برزخ اور حجاب سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور لولوٴ اور مرجان سے مراد حسن اور حسین علیہما السلام ہیں۔ یہ ان آیات کی باطنی تفسیر ہے۔

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٢٤﴾

ترجمہ: ''اسی کے لیے وہ جہاز بھی ہیں جو دریا میں پہاڑوں کی طرح کھڑے رہتے ہیں۔''

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۲۵

ترجمہ: ”تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔“

سمندری بیڑے اور کشتیاں

اللہ تعالیٰ نے سمندری بیڑوں کو اپنی ذات کی طرف نسبت دی ہے کیونکہ ایک کشتی تیار کرنے میں، بحری بیڑا بنانے میں جو وسائل اور اسباب درکار ہیں ان سب کا خالق اللہ ہے اور انسان جو ان مواد کو استعمال کرکے کشتیاں اور بحری بیڑے تیار کرتا ہے اس کے لیے استطاعت اور اس قسم کی صنعت کے لیے استعداد اللہ تعالیٰ نے دی ہے، پس انسان کو اور کشتی کو خلق کرنے والا اللہ ہی ہے، اللہ نے انسان کو الہام کیا کہ وہ کس طرح کشتی بنائے تاکہ اسے سمندری سفر کے لیے استعمال میں لاسکے۔ پھر یہ کشتیاں، بحری بیڑے، دیوہیکل سمندر میں پانی کی سطح پر جب رواں دواں ہوتے ہیں تو ایسے لگتا ہے کہ پانی پر پہاڑ چلا آرہا ہے کون ہے جس نے ان کو پانی کے اوپر رکھا ہوا ہے کون ہے جس نے ان کو تیرنے کا ماحول دیا ہے۔ وہ اللہ ہی ہے۔ پس یہ بڑی نعمت ہے جو انسان کی معیشت اور اسکے سفر طے کرنے اور انسانوں کے باہمی روابط و تعلقات میں مفید و منفعت بخش ہے۔ یہ سب اللہ کا انسان کے لیے انعام ہے۔ پس اللہ نے اس نعمت کو یاد دلا کر پھر جھنجھوڑا کہ ذرا سوچو! اے انس و جن تم اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے، کوئی جواز موجود نہیں ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝۲۶

ترجمہ: ”جو بھی روئے زمین پر ہے سب فنا ہو جانے والے ہیں۔“

وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۝۲۷

ترجمہ: ”صرف تمہاری رب کی ذات جو صاحبِ جلال و اکرام ہے وہی باقی رہنے والی ہے۔“

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ”تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔“

ہر شئی کے لیے فنا

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ زمین پر جن و انس سمیت جو بھی جاندار ہیں ان سب نے فنا ہونا ہے۔ اگرچہ ماسوائے اللہ ہر شئی کو فنا ہونا ہے لیکن کلام میں جن و انس پر احسان و منت کو خصوصی طور پر بیان کیا ہے۔ یہ معلوم رہے کہ اس دنیا کا اختتام جن و انس کی فنا کے ساتھ ہو جائے گا اور آخرت کا آغاز ہو جائے گا یہ دونوں صورتیں اللہ کی نعمات میں سے ہیں کیونکہ دنیا کی زندگی آخرت کا مقدمہ ہے اور دنیا کی غرض ہی آخرت ہے مقدمہ سے نتیجہ کی طرف منتقل ہونا ہے اور یہ عین نعمت ہے۔

اللہ کی لا فانی ذات اور وجہ اللہ کا معنیٰ

رب ذوالجلال والاکرام کا وجود باقی رہے گا۔ اللہ صفات جلالیہ اور صفات کمالیہ کا مالک ہے اور وجہ ایک ذوالجلال والاکرام، تیرے رب کا چہرہ (وجہ) جو کہ جلالت اور کرامت والا ہے۔ (ہر شئی کا چہرہ) اس کے سامنے نظر آنے والی حالت کو کہا جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم و جسمانیات سے منزہ و پاک ہے لہٰذا حتمی طور پر چہرے سے مراد اللہ کی وہ صفات کریمہ ہیں جو اللہ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔ اللہ کی برکات اور فیضان اللہ کی ان صفات کے وسیلہ سے اترتے ہیں۔

"جلال" کا معنی رفعت و بلندی ہے بنابرایں صفات جلالیہ ایسی صفات ہیں کہ ان میں رفعت اور بلندی کا معنی موجود ہے اکرام: گراں قدر، قیمتی اور حسن و اچھائی کے معنی میں ہے۔ صفات جمالیہ کو شامل ہے یا حق تعالیٰ کی ذات کا ثبوت جن صفات سے ہے جیسے اللہ کا علم، قدرت، حیات، رحمت، جمال وغیرہ (ذوالجلال والاکرام) اللہ کے اسماء حسنی سے ایک اسم بھی ہے جو اپنے مفہوم میں اللہ کے تمام اسماء جلالیہ و جمالیہ کو شامل ہے۔اس کا مسمّٰی ذات پروردگار ہے اور اس سورہ کا اختتام بھی اسی مبارک نام پر ہوتا ہے۔ بہر حال اگر "وجہ" کا معنی اللہ کے اسماء و صفات ہوں تو پھر آیت کا معنی اس طرح ہو گا فقط تیرا پروردگار اپنی صفات اور اپنے اسماء کے ساتھ باقی رہے گا۔ موجودات کی بقاء اور معدومیت اس کی ذات یا اس کی صفات میں کوئی اثر نہیں رکھتی اور اگر "وجہ" سے مراد ہر وہ چیز مراد لی جائے جس کے ذریعہ اللہ کی طرف توجہ ہوتی ہے اور جن کے وسیلہ سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے تو اس صورت میں وجہ اللہ کے تمام انبیاء اور رسولوں کو اور اللہ کے دین کو شامل ہوگا۔

زیارت جامعۃ اور دوسری زیارات میں ہم آئمہ اہل البیت علیہم السّلام کو اسماء الٰہی اور وجہ اللہ کے عنوان سے یاد کرتے ہیں اور ان پر سلام بھیجتے ہیں۔ اس صورت میں اس آیت کا معنی اس طرح ہو گا زمین میں رہنے والے سب فنا ہو جائیں گے اور وہ باقی رہیں گے جو اللہ کی پہچان اور معرفت کرانے والے ہیں انہیں فناء نہیں وہ باقی رہیں گے۔

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۚ ؀٢٩

ترجمہ: "آسمان و زمین میں جو بھی ہے سب اسی سے سوال کرتے ہیں اور وہ ہر روز ایک نئی شان والا ہے۔"

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ؀٣٠

ترجمہ: "تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔"

مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی احتیاج

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ موجود ہے سب اپنے وجود اور تکوین کی زبان سے یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہم اللہ کے محتاج ہیں سب کی ہستی اور وجود اللہ کی ذات سے وابستہ ہے اپنے فقر واحتیاج کی وجہ سے اللہ کے غنا سے متمسک ہوتے ہیں۔ سورہ میں اللہ نے اس طرح جن وانس کو خطاب کیا ہے: "تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ غنی ہے اور سورہ ابراہیم آیت نمبر ۳۴ میں ارشاد ہوتا ہے "اللہ ہی نے تمہیں ہر اس چیز کو دیا جو تم نے مانگی" اللہ ہر دن ایک نئی شان کے ساتھ موجود ہے یعنی اللہ کا کوئی کام تکراری نہیں ہے، اللہ جو بھی انجام دیتا ہے تو اس سے قبل اس کا نمونہ ساتھ موجود نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر شئی کو اور ہر حالت کو نئے سرے سے ایجاد کرتا ہے اس کا مقام فضل اور مقام تدبیر تمام اشیا پر محیط ہے اس وجہ سے وہ ہر زمانے میں موجود ہے لیکن زمانے میں داخل نہیں ہر جگہ ہے لیکن کسی جگہ میں داخل نہیں یعنی کسی جگہ پر وہ سما نہیں سکتا وہ زمان و مکان سے بے نیاز ہے لیکن کوئی زمان اور کوئی مکان اس کی عنایت کے بغیر موجود نہیں، کوئی چیز نہیں مگر اللہ اس کے ساتھ ہے۔

سَنَفۡرُغُ لَكُمۡ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۚ﴿۳۱﴾

ترجمہ: "اے دونوں گروہو! ہم عنقریب ہی تمہاری طرف متوجہ ہوں گے۔"

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: "تو تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔"

قیامت میں سب کا احتساب

اللہ نے فرمایا ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ ہے سب نے ختم ہو جانا ہے فقط اللہ کا نام باقی رہے گا۔ اللہ کے اسماء و صفات کی سرداری ہوگی اس کے حساب کا آغاز کر دیا جائے گا۔ سب

کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اور میدان محشر میں احتساب ہوگا۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا ملے گی، اچھے عمل کا اچھا بدلہ اور برے عمل کا برا نتیجہ۔ جن وانس کے لیے فارغ ہونے یا متوجہ ہونے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیاوی زندگی میں تبدیل ہو جائے گی۔ یہ بھی اللہ کی نعمت سے ہے اسی لیے اس کا ذکر کرنے کے بعد پھر یاد دلایا کہ اے جن وانس! تم اپنے رب کی کون کون سے نعمات کو جھٹلاؤ گے؟

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''اے گروہ جن وانس اگر تم میں قدرت ہو کہ آسمان وزمین کے اطرف سے باہر نکل جاؤ تو نکل جاؤ مگر یاد رکھو کہ تم قوت اور غلبہ کے بغیر نہیں نکل سکتے۔''

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''تو تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔''

عذابِ الٰہی سے گریز ناممکن ہے

اللہ فرمارہا ہے کہ جن وانس سب کا حساب ہونا ہے، کوئی بھی خود کو حساب سے بچا نہیں سکتا۔

نکتہ: ہمیشہ لفظ جن کو وانس سے پہلے بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اعمال و حرکات میں جنات انسانوں سے بہت آگے ہیں یا اس لیے ہے کہ جنات کو انسان سے پہلے خلق کیا گیا۔

جن وانس کو خطاب کیا جارہا ہے کہ اللہ کے ہاں حساب دینا پڑے گا اگر قیامت میں حساب وکتاب سے فرار کر سکو تو کرلو، آسمان اور زمین کے وسیع وعریض راستے تمہارے سامنے

ہیں، لیکن تم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ جس جانب فرار کریں گے تو اللہ کو موجود پاؤگے، کچھ بھی اللہ کی ملکیت سے باہر نہیں ہے لہٰذا اللہ کے سامنے جوابدہی سے تم بچ نہیں سکتے۔ تم اس احتساب کے عمل میں کسی قسم کی دخالت نہیں کر سکتے تمہارے پاس ایسی کوئی قدرت، طاقت و سلطنت نہیں ہے۔ یہاں سلطان سے مراد ایسی قدرت کا وجود ہے جو خطرہ سے بچانے کا ذریعہ بنے۔ یہ دلیل، برہان، حجت، ملکیت کو شامل ہے۔

بعض مفسرین نے اسے ایک طرح کی پیش گوئی قرار دیا ہے کہ انسان ایک زمانہ میں سائنسی قدرت پیدا کرلے گا، آسمان کے راستوں سے آگاہ ہو جائے گا لیکن جس مطلب کے بیان میں یہ آیت آئی ہے اس کے ساتھ یہ معنی مناسب نہیں لگتا۔[1]

اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمات کا حوالہ دیا ہے کیونکہ نشأۃ دنیا سے نشأۃ آخرت کا شروع ہونا اور جن وانس کا احتساب اور ان کے اعمال کی جزاملنا یہ سب بھی اللہ کی نعمات سے ہے۔ اس لیے پھر جن وانس سے کہا گیا کہ بتاؤ تم اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ اللہ کی ظاہری اور باطنی نعمات اتنی زیادہ ہیں کہ تم انہیں جھٹلا نہیں سکتے۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ''تمہارے اوپر آگ کے سبز شعلے اور چنگاریاں چھوڑی جائیں گی تو تم دونوں کسی طرح نہیں روک سکتے ہو۔''

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ''پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔''

1۔ تفسیر روح المعانی۔

مجرموں پر آگ کا عذاب

اللہ تعالیٰ مجرموں کے بارے میں فرمارہا ہے کہ تمہارے اوپر سبز رنگ کی آگ مسلط کر دی جائے گی جس میں دھواں نہیں ہوگا تم اس وقت ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکو گے اس مصیبت کو خود سے دور نہ کر سکو گے کیونکہ قیامت کے دن تمام دنیاوی اسباب اپنی تاثیر کو کھو بیٹھیں گے اللہ کے امر سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا پس تم اے جن وانس اللہ کی کون کون سی نعمات کو جھٹلاؤ گے کیونکہ اللہ کی نعمات جھٹلانے کی سزا قیامت کے دن آگ کے انگاروں سے دی جائے گی۔ ایسی آگ کہ جس سے خود کو بچا نہ سکو گے۔

فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: ”پھر جب آسمان پھٹ کر تیل کی طرح سرخ ہو جائے گا۔“

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٨﴾

ترجمہ: ”تو تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔“

قیامت کے دن آسمان کی حالت

قیامت کے دن آسمان اس حالت میں نہ رہے گا، آسمان پھٹ جائے گا اور سرخی مائل ہو جائے گا جس طرح تیل کو گرم کیا جائے تو اس کا رنگ ہو جاتا ہے گویا کہ آسمان پگھل جائے گا جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے کہ پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہوگا۔ (سورہ معارج آیت: ۸) اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن کا حساب دنیاوی ایام سے مختلف ہوگا نہ آسمان اپنی اصلی حالت میں ہوگا نہ ہی زمین اس طرح ہوگی جو ابھی ہے۔ قیامت کا دن حساب کا دن ہے اور وہاں کے سارے رنگ نرالے ہوں گے مجرموں کے لیے فرار کی جگہ نہ ہوگی۔ انہیں ہر

طرف سے آگ ہی آگ نظر آئے گی پس اس منظر کو یاد کرو، اے جن وانس! اور اپنے رب کی نعمات کو مت جھٹلاؤ کیونکہ اللہ کی نعمات کو جھٹلانے کی سزا بہت ہی سخت ہے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿٣٩﴾

ترجمہ: ''پھر اس دن کسی انسان یا جن سے اس کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔''

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٠﴾

ترجمہ: ''تو پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔''

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾

ترجمہ: ''مجرم افراد تو اپنی نشانی ہی سے پہچان لیے جائیں گے پھر پیشانی اور پیروں (قدموں) سے پکڑ لیے جائیں گے۔''

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٢﴾

ترجمہ: ''تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔''

هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٣﴾

ترجمہ: ''یہی وہ جہنّم ہے جس کا مجرمین انکار کر رہے تھے۔''

يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: ''اب وہ اس کے اور اس کے کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگاتے پھریں گے۔''

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ''پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔''

قیامت کے دن مجرموں کی سزا

مجرموں کو قیامت کے دن سخت ترین سزا دی جائے گی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہاں پر بہت ہی تیز حساب ہوگا کہ وہاں پر جن وانس میں سے کسی سے اس کے گناہوں کا سوال نہ ہوگا کہ تم نے کون کون سے گناہ کئے ہیں بلکہ بعض مواقف پر تو مجرموں کے منہ پر تالا لگا ہوگا، ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے کچھ مواقف میں ان کے چہرے بتا رہے ہوں گے کہ انہوں نے کیا جرم کیا ہے۔ چہرے پر کھلے نشانات ہوں گے جو گناہوں کے بارے بتا رہے ہوں گے بلکہ ہر مجرم کی پیشانی پر اس کے اعمال کی تصویر موجود ہوگی ہر دیکھنے والے کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے کون کون سے اعمال بجالائے ہیں مجرمین ان علامات اور نشانیوں سے پہچانے جائیں گے۔ مجرموں کو ان کے سر کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر آتش جہنم میں پھینکا جائے گا۔

فرشتے مجرموں کو جہنم میں پھینک کر ان سے یہ سوال کریں گے کہ اے مجرمو! یہ وہی جہنم ہے جس کا تم دنیا میں انکار کرتے تھے اور اگر آیت میں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کا کافر مجرم دُنیا میں انکار کر رہے تھے، اب یہ سب اسی دوزخ میں بہت جلدی ڈالے جائیں گے یہی ان کا انجام ہے۔ یہ ان کا انجام ہے۔ آتش جہنم میں جب انہیں پھینکا جائے گا تو وہاں پر کھولتا ہوا پانی ہوگا جس میں مجرم گھومتے رہیں گے۔ ان آیات میں کافروں، مشرکوں اور مجرموں کو قیامت کے دن جس قسم کی سزا دی جائے گی اسے بیان کیا گیا ہے اور پھر ہر کیفیت کو بیان کرنے کے بعد مجرموں کو متوجہ کیا ہے کہ تم اللہ کی نعمات کو مت جھٹلاؤ ورنہ قیامت کے دن اس جرم کی تمہیں سخت سزا بھگتنا ہوگی

اور جہنم تمہارا انجام ہوگا اب ذرا سوچو! تم اللہ کی کس کس نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ان نعمات کو جھٹلانے کا نتیجہ آتش جہنم ہے لہٰذا ان نعمات کو مت جھٹلاؤ بلکہ ان نعمات پر اللہ کا شکر بجالاؤ۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ''اور جو شخص بھی اپنے رب کی بارگاہ میں حاضری سے ڈرتا ہے اس کے لیے دو دو باغات ہیں۔''

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ''پھر تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔''

ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ''اور دونوں باغات درختوں کی ٹہنیوں سے ہرے بھرے میووں سے لدے ہوں گے۔''

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ''پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''

فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: ''ان دونوں میں دو چشمے بھی جاری ہوں گے۔''

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: ''پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کروگے۔''

فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ''ان دونوں میں ہر میوے کے جوڑے جوڑے ہوں گے۔''

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۵۳

ترجمہ: ''پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟''

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰي فُرُشٍۢ بَطَاۗىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۭ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۝۵۴

ترجمہ: ''یہ لوگ ان فرشوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے جن کے استر اطلس کے ہوں گے اور دونوں باغات کے میوے انتہائی قریب سے حاصل کرلیں گے۔''

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝۵۵

ترجمہ: '' پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟''

سعادت مند جن وانس کا تذکرہ

ان آیات میں ان کے بارے بیان ہے جو سعادت مند ہوں گے اور یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مقام سے آگہی کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا احاطہ رکھتا ہے اور تمام اشیاء پر حاوی ہے لہٰذا تمام امور کی تدبیر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

مقامِ رب کا خوف

اللہ سے خوف کے مراتب ہیں کچھ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اللہ کی نافرمانی اور اللہ کا کفر اختیار نہیں کرتے۔ اس قسم کی عبادت غلاموں کی ہے کہ وہ اپنے

مولا کی تادیب اور سزا سے ڈرتے ہیں اس لیے اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ کچھ وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کا خوف رکھتے ہیں ہے اور اللہ کی عبادت کرتے ہیں لیکن اخلاص سے نہیں بلکہ فوائد حاصل کرنے کے لیے، ثواب لینے کے لیے اور جنت کے لالچ میں اس قسم کا خوف اور عبادت تاجروں کی عبادت ہے لیکن تیسرا گروہ ایسا ہے کہ ان کے ہاں بھی اللہ کے مقام کا خوف ہے اور وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں مگر عذاب کے ڈر سے نہیں اور نہ ہی ثواب اور فوائد حاصل کرنے کے لیے یا جنت کے لالچ میں بلکہ وہ اللہ کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ کو ہی لائق عبادت سمجھتے ہیں۔ اللہ کے سامنے خشوع و خضوع سے ان میں یہ خوف پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کی عظمت و کبریائی کا تقاضا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اس کا مقام بلند ہے اور بندوں کو چاہیے کہ اس کے سامنے خضوع و خشوع کی حالت میں ہیں اس قسم کی اطاعت اور عبادت خالص اللہ کے لیے ہے۔ اسی حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کی تعریف فرمائی ہے جبکہ وہ گناہوں سے معصوم ہیں کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں تو ان کا اللہ سے خوف تیسری قسم کا ہے۔

”وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں جو ان پر بالا دست ہے اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہ وہی کرتے ہیں“ (سورہ النحل، آیت: ۵۰)

البتہ یہ خوف کی تینوں قسمیں مطلوب ہیں، تیسری قسم اعلیٰ درجہ کی ہے جو عبادت جہنم کے ڈر سے کی جائے یا جنت کے لالچ میں، وہ قبول ہے اور یہ غیر اللہ کو اللہ کا شریک نہیں بناتیں کیونکہ عبادت کے لیے ان دو اسباب کو خود اللہ تعالیٰ نے قرار دیا ہے اس میں غیر اللہ کا تصور ہے لیکن یہ ایسا تصور ہے جس میں اللہ ہی کا خوف ہے اور اللہ ہی سے ثواب کی امید ہے تو یہ توحید کے منافی نہیں ہے۔

اللہ کے مقام سے خوف کا نتیجہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص اپنے رب کے مقام کا لحاظ رکھے، اس سے خوف کھائے تو اس کے لیے دو جنتیں ہیں، احتمال ہے کہ ایک بہشت وہ ہے جو اس کا حق ہے اور اس کے عمل کی جزا ہے اور دوسری بہشت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے عطا کرے گا۔ یہ دونوں بہشتیں ان کے لیے ہیں جو اخلاص والے ہیں کہ سوہ واقعہ میں ان کی توصیف اس طرح کی ہے:

"آگے بڑھنے والے، آگے بڑھنے والے وہی تو مقربان رب تعالیٰ ہیں" (سورہ واقعہ، آیت: ۱۰،۱۱)

بہشت کی توصیف

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان دو بہشتوں اور سرسبز باغات کی توصیف اس طرح بیان کی ہے:۔

۱۔ان میں ہر قسم کے میوہ جات ہوں۔

۲۔ ایسی جگہ ہے جس میں نرم و نازک، دل کو موہ لینے والے درخت موجود ہوں گے۔

۳۔ دو چشمے ایسے موجود ہیں جن کی توصیف دنیادی معیاروں سے نہیں کی جا سکتی۔

۴۔ ہر میوہ دو طرح کا ہے ایک قسم دنیاوی ہے اور ایک قسم اخروی ہے۔ شاید یہ اسلیے ہو کہ میوہ کا رنگ و شکل تو ایک جیسی ہو گی ایک میوہ میں دنیا والا ذائقہ اور لذت ہو گی اور دوسرا ذائقہ اور مزہ اخروی ہو گا جس کی مثال دنیا میں موجود نہیں ہے جس سے بہشت میں جانے والا پہلے سے آگاہ نہ ہو گا۔

۵۔ بہشتی ابریشم کے خوبصورت بچھونوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے جیسا ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ خوبصورت پلنگوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور ان تکیوں میں ابریشم ہو گا،

جنتی نرم و نازک آرام دہ مسہریوں پر سکون سے بیٹھے ہوں گے جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

۶۔ بہشتی میوے اہل بہشت کی دسترس میں ہوں گے، پھلدار درخت ان کے اتنے قریب ہوں گے کہ وہ خود میوہ درخت سے توڑ لیں گے۔ ان نعمات کا تذکرہ کرنے کے بعد جن و انس سے پوچھا جائے گا کہ تم خود یہ بتاؤ کہ تم اپنے رب کی کون کون سی نعمات کو جھٹلاؤ گے؟۔ اس طرح جن و انس کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی نعمات کے شکر گذار بنیں اور کفرانِ نعمت نہ کریں۔

فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: ''ان جنتوں میں محدود نگاہ والی حوریں ہوں گی جن کو انسان اور جنات میں سے کسی نے پہلے چھوا بھی نہ ہوگا۔''

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: ''پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟''

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: ''وہ حوریں اس طرح کی ہوں گی جیسے سرخ یاقوت اور بھڑکیلے مونگے موتی۔''

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: ''پھر تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟''

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: ''کیا احسان کا بدلہ احسان کے علاوہ کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟!''

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٦١

ترجمہ: ''تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟''

اہل بہشت کو ملنے والے انعامات

بہشتیوں کے لیے جو نعمات ہیں ان میں سے کچھ کا تذکرہ ان آیات میں کیا گیا ہے:۔

ا۔ اوپر جو بیان ہوا ہے کہ ناقابل توصیف سبز بچھونوں پر جنتی براجمان ہوں گے تو ان کے پہلوؤں میں نازک اندام اور انتہائی حسین و جمیل، نرم و نازک جسم والی بیویاں موجود ہوں گی جو سب کی سب باکرہ ہوں گی۔ اِن سے پہلے اُن کو کسی نے نہ دیکھا ہوگا نہ چھوا ہوگا، حتی کہ اہل بہشت جن و انس نے بھی ان کو نہ چھوا ہوگا۔ ہر ایک کے لیے خالص ہوگی، جو ان کی لذت و خوشی کا سبب بنیں گی ان سے ہر قسم کا غم و اندوہ دور کریں گی۔ ان کا وصف دنیاوی پیمانوں سے نہیں بیان ہو سکتا بس اتنا جان لو کہ وہ یاقوت و مرجان کی مانند چمکتی دمکتی ہوں گی

۔

نعمتیں عطا کرنے کی وجہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم جو اتنی ساری نعمات عطا کریں گی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہوتا ہے جن لوگوں نے دنیا میں رہ کر ہماری اطاعت کی، ہماری عبادت کی، ہماری دعوت کو قبول کیا اور اس راستے میں طرح طرح کے مصائب اٹھائے تو ظاہر ہے ان سب نیکیوں کا بدلہ انہیں نیکی ہی سے ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے حدیث مروی ہے کہ دنیا میں نیک اعمال بجالانے کا بدلہ جنت کے سوا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

بہشتیوں کو جو نعمات اللہ نے عطا کرنی ہے ان کو بیان کرنے کے بعد پھر جن و انس کو رغبت دلائی ہے کہ ذرا سوچو! ایسی نعمات جو اہل اطاعت کو ملنی ہیں۔ تم کس طرح اللہ کی ان نعمات کو جھٹلاؤ گے؟ جھٹلانے کا جواز نہیں ہے اللہ کی نعمات کا شکر بجا لاؤ اور دنیا میں شکر نعمت یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۚ﴿٦٢﴾

ترجمہ: ''اور ان دونوں کے علاوہ دو باغات اور ہوں گے۔''

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۙ﴿٦٣﴾

ترجمہ: ''پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟''

مُدْهَاۗمَّتٰنِ ۚ﴿٦٤﴾

ترجمہ: ''وہ دونوں نہایت درجہ سرسبز و شاداب ہوں گے۔''

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ﴿٦٥﴾

ترجمہ: ''پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟''

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۚ﴿٦٦﴾

ترجمہ: ''ان دونوں باغات میں بھی دو جوش مارتے ہوئے چشمے ہوں گے۔''

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾

ترجمہ: ''پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟''

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۚ﴿٦٨﴾

ترجمہ: ''ان دونوں باغات میں میوے، کھجوریں اور انار ہوں گے۔''

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾

ترجمہ: ''پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟''

فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾

ترجمہ: ''ان جنتوں میں نیک سیرت اور خوب صورت عورتیں ہوں گی۔''

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾

ترجمہ: ''پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟''

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾

ترجمہ: ''وہ حوریں ہیں جو خیموں کے اندر چھپی بیٹھی ہوں گی۔''

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٣﴾

ترجمہ: ''تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟''

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٧٤﴾

ترجمہ: ''انہیں ان سے پہلے کسی انسان یا جن نے ہاتھ تک نہ لگایا ہوگا۔''

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٧٥﴾

ترجمہ: ''پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے؟''

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾

ترجمہ: ''وہ لوگ سبز قالینوں اور بہترین مسندوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔''

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: ''پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کروگے؟''

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: ''بڑا بابرکت ہے آپ کے پروردگار کا نام جو صاحب جلال بھی ہے اور صاحبِ اکرام بھی ہے۔''

اللہ کی نعمات کا تذکرہ

اس سورہ میں فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ اکتیس مرتبہ آیا ہے۔ ہر مرتبہ کسی خاص نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یا اللہ کی عظمت و قدرت میں سے کسی خاص شان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس قسم کی تکرار عرب و عجم کے کلاموں میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ (اٰلَآءِ) کا ترجمہ نعمت سے کیا جاتا ہے۔ بعض نے اس کا معنی قدرت بھی بیان کیا ہے۔ پوری سورہ میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے تو اس کا مقصد یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی بندہ بھی جہنم میں جائے اس لیے اس نے اس سورہ میں بار بار تفصیل کے ساتھ اپنے احسانات اور اپنی قدرت کی نشانیوں کو بیان کیا ہے اس نے نافرمانوں کو جو سزا دینی ہے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے یہ سب اس لیے ہے کہ جن و انس کو ترغیب دی جائے کہ وہ اللہ کی نعمات اور اس کی قدرت کی نشانیوں کا انکار نہ کریں اور انکار کرنے کا کوئی سبب بھی نہیں ہے اور پھر اتنی زیادہ نعمات ہیں کہ جن کو شمار بھی نہیں کیا جا سکتا تو پھر وہ کون سے نعمت کا انکار کریں گے۔ اس کثرتِ نعمات کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان نعمات کا شکر بجالایا جائے اور اللہ کی اطاعت کی جائے وہ ذات رحمٰن ہے ذوالجلال والاکرام ہے۔

بہشتیوں کا تذکرہ

پہلے مذکورہ دو جنتوں کے علاوہ دو اور بہشت اور باغ ان نیک بندوں کے لیے موجود ہیں۔ اگرچہ ان میں دو بہشتوں میں ملنے والی نعمات پہلی دو بہشتیوں میں ملنے والی نعمات کے مشابہ ہیں لیکن فضیلت اور شرف کے مرتبہ میں پہلی والی دو بہشتوں سے کم درجہ پر ہیں پہلی دو بہشتوں بارے میں ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ ان کے لیے ہیں جو اہل اخلاص ہیں اور ایمان کا بلند ترین مرتبہ ان کے لیے ہے۔ اللہ کی عبادت عتاب کے خوف سے نہیں اور نہ ہی جنت کے لالچ میں کرتے ہیں بلکہ اللہ کو لائق عبادت جان کر اللہ کی اطاعت و عبادت کرتے ہیں اور یہ وہی سابقون اور مقرّبون ہیں جن کا ذکر سورہ واقعہ میں ہوا ہے لیکن وہ دو بہشتیں جس کا تذکرہ ان آیات میں ہے تو یہ دو بہشت اصحاب مبین کے لیے ہیں ان دو بہشتوں کے وصف کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ان میں دو چشمے ابل رہے ہیں جس طرح فوارہ پوری شدت سے جوش مار رہا ہو۔ ان سے نکلنے والے پانی کے دھارے آسمان کو چھو رہے ہیں جو ان کی خوبصورتی کو بڑھا رہے ہیں۔

ان میں باغات ہیں، انواع و اقسام کے میوہ جات ہیں پھلدار درخت ہیں، کھجوریں ہیں، انار اور قسم قسم کے پھلدار درخت موجود ہیں۔ ان میں بہشتی بیویاں اور زوجات ہیں جو اعلیٰ اخلاق والی، خوش سیرت، بہت ہی خوبصورت، سیاہ چشم والی ہیں، کسی اجنبی نے ان کو دیکھا تک نہیں وہ آوارہ عورتیں نہیں ہیں۔ اس سے پہلے کسی جن وانس نے ان سے ملاپ نہیں کیا۔

سبز رنگ کے گاؤ تکیوں سے پشت لگائے بڑے ناز و نخرہ سے بیٹھی ہیں، ایسا لباس زیب تن ہے کہ جو خالص ابریشم کے مخصوص نرم و نازک دھاگہ سے بنا ہوا ہے۔ گویا کہ وہ اپنے شوہروں کو اپنی طرف مائل کر رہی ہیں۔

ان بہشتی انعامات کو بیان کرنے کے بعد اللہ کے احسان کا تذکرہ بار بار کیا گیا ہے پھر جن وانس کو متوجہ کیا ہے کہ اپنے رب کی نعمات کو مت جھٹلاؤ۔ اللہ کی نعمات ایسی نہیں کہ ان کا انکار کیا جائے، نعمات کا شکر بجالاؤ۔

اللہ کے اسماء و صفات کا تذکرہ

سورہ کا آغا اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام رحمٰن سے کیا اور پھر صفت رحمٰن کی برکات کو پورے سورہ میں بیان کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا کہ تمام صفات جمالیہ اور جلالیہ اللہ ہی کے لیے ہیں اور ساری نعمات اللہ کی ان صفات کا مظہر ہیں۔ سورہ کا اختتام اللہ کے بابرکت دو ناموں سے کیا ہے کہ وہ ذوالجلال ہے اور ذوالاکرام ہے۔ اللہ کے نام خیر و برکت سے عبارت ہیں۔ دنیا و آخرت دونوں میں اللہ کی نعمات اور برکات سے مالامال ہیں جو اللہ نے عطا کی ہیں۔ اللہ کی رحمت نے پورے عالم کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ اللہ مبارک ہے کہ اس کا نام رحمٰن ہے اس سے پوری سورہ کا نام "الرحمٰن" ہے اور اللہ تعالیٰ صفات جمال اور صفات جلال کا مالک ہے۔ وہی ہے جس نے پورے عالم کو بغیر کسی نمونے کے خلق کیا ہے، وہی خالق ہے اور وہی خلقت کا آغاز کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات اور ان پر حاکم نظام کو خود ایجاد کیا ہے یہ نظامِ کائنات مضبوط، کسی کمزوری اور نقص سے مبّرا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ حکیم ہے اگر وہ اہل طاعت کو جزائے خیر دیتا ہے تو اس کے اوپر ہے کہ وہ وُدود ہے، مہربان ہے، کریم ہے، شکور ہے، غفور ہے، رحمٰن ہے اور اگر اہل فسق اور گناہگاروں کو سزا دیتا ہے تو اس لیے کہ وہ ذوالجلال ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی تمام صفات جمالیہ اور صفات جلالیہ، اللہ کی جانب سے خیرات و برکات کے نزول کا سبب ہیں۔ اللہ کی ساری نعمات اللہ کے اسماء الحسنیٰ اور صفات عُلیا سے مہر زدہ ہیں اور اسی نشان و عنوان سے منصۂ شہود پر ہیں۔

سورہ رحمٰن کی خصوصیت

پاکستان کے بہت سے ڈاکٹروں کا تجربہ ہے کہ جو افراد دل کے مریض ہیں وہ سورہ رحمٰن کو توجہ سے سنیں تو اس بیماری سے نجات پاتے ہیں۔ اس لیے دل کے آپریشن روم میں مریضوں کے لیے سورہ رحمٰن لگائی جاتی ہے جس سے اس کے بہت زیادہ اثرات سامنے آئے ہیں۔

نوٹ: مجھے اللہ نے توفیق دی کہ میں نے اپنے دل کے آپریشن کے دوران (6 اگست 2020ء) سورہ رحمٰن کو مسلسل چوبیس گھنٹے لگائے رکھا اور اسے سنتا رہا اس سے بہت ہی سکونِ قلب محسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کی برکات سے اور والدہ امام زمانہ جناب سیدہ طاہرہ نرجس خاتون سلام اللہ علیہا کے توسل کی برکت سے مجھے نئی زندگی ملی۔

بعض ہومیوپیتھک کے ڈاکٹروں نے بتایا کہ "لفظ الرحمٰن" کو مسلسل زور زور سے پڑھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے سر میں جتنے بھی اعضاء ہیں، بالخصوص کان کی لاحق بیماریاں دور ہوتیں ہیں۔ بہر حال اس سورہ کی افادیت بہت زیادہ ہے جسے شمار نہیں کیا جاسکتا۔ ہر شخص کو اس کا ورد کرنا چاہیے اور اسے گھر میں بلند آواز سے پڑھنا چاہیے۔

سورۃ الواقعہ

(مکی۔ کل آیات: ۹۶)

سورہ کے مطالب

قیامت کبریٰ کی توصیف، ربوبیت حق تعالیٰ کا انکار کرنے والوں پر احتجاج، بعثت اور قبروں سے اٹھائے جانے کا مسئلہ، اللہ کے اپنے بندوں پر احسانات، موت کی کیفیت، موت و حیات کا نظام۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: "جب ہونے والا واقعہ ہو چکے گا۔"

لَیۡسَ لِوَقۡعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ۘ﴿۲﴾

ترجمہ: "تو اس کے وقوع کو جھٹلانے والا کوئی نہ ہوگا۔"

خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: "وہ تہ و بالا کرنے والا (واقعہ) ہوگا۔"

قیامت کا وقوع

اس آیت میں واقعہ سے مراد قیامت کا حادثہ ہے۔ اس جملہ کے شروع میں شرط کی جزا کی شرط حذف ہے، یہ نہیں کہا گیا کہ جب قیامت بپا ہو گی تو اس وقت کیا ہوگا؟ اس کی وجہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ حادثہ اتنا عظیم اور مہم ہے جس کو بیان میں نہیں سمویا جا سکتا لیکن ظاہر میں کلام اس طرح ہے کہ جس وقت قیامت واقع ہو جائے گی مومنین کامیاب ہوں گے جبکہ کفار ناکام و نامراد ہوں گے۔

قیامت کے وقوع پذیر ہونے میں جھوٹ نہیں ہے، قیامت ہر چیز کو اوپر نیچے کر دے گی، دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، معیارات تبدیل ہو جائیں گے، دنیا کا بڑا معزز ذلیل اور دنیا کا کمزور عزت دار ہوگا، سب پوشیدہ راز کھل جائیں گے، دنیا کے سارے اسباب دھڑام سے گر جائیں گے، دنیا میں جو صاحب اقتدار ہیں جو اہل کفر تھے ظاہری طور پر بڑی شان رکھتے تھے ذلیل و خوار ہوں گے اور جو دنیا میں کمزور تھے، زیر دست تھے وہ بالادست ہوں گے اور ان کا وقار بلند ہوگا۔

اِذَا رُجَّتِ الۡاَرۡضُ رَجًّا ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''جب زمین پوری طرح ہلادی جائے گی،''

وَّ بُسَّتِ الۡجِبَالُ بَسًّا ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: ''اور پہاڑ ریزہ ریزہ کردیئے جائیں گے،''

فَکَانَتۡ ہَبَآءً مُّنۡۢبَثًّا ۙ﴿۶﴾

ترجمہ: ''تو یہ منتشر غبار بن کر رہ جائیں گے،''

وَّ کُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَۃً ؕ﴿۷﴾

ترجمہ: ''اور تم تین گروہوں میں بٹ جاؤ گے۔''

فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ؕ﴿۸﴾

ترجمہ: ''رہے داہنے ہاتھ والے تو داہنے ہاتھ والوں کا کیا ہی کہنا۔''

وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ؕ﴿۹﴾

ترجمہ: ''اور رہے بائیں ہاتھ والے تو بائیں ہاتھ والوں کا کیا پوچھتے ہو۔''

وَ السّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ﴿ۚۙ۱۰﴾

ترجمہ: ''اور سبقت لے جانے والے تو وہ آگے بڑھنے والے ہی ہیں۔''

قیامت کے وقوع سے پہلے کے حالات

زمین میں زلزلہ آئے گا، ہر چیز زیر و زبر ہو جائے گی، زلزلہ اتنا شدید ہو گا جس کی کیفیت کو بیان نہیں کیا جا سکتا، پہاڑ پسے آٹے کی مانند ہو جائیں گے اور غبار کی مانند فضا میں

اڑتے نظر آئیں گے ایسی خوفناک حالت ہو گی کہ ہر ذی روح دہل جائے گا، کچھ بھی اپنی اصل شکل میں باقی نہ رہے گا، یہ قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی نشانی وعلامت ہو گی اور اس کیفیت سے قیامت بپا ہو گی۔

تین گروہ

قیامت کے بپا ہونے کے بعد انسانوں اور جنات کے تین گروہ ہوں گے:۔

گروہ اول: دائیں بازو والے جو کہ سعادت مند ہوں گے، ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں ہو گا یہ بہت ہی عظمت والے ہوں گے۔

گروہ دوم: بائیں بازو والے، یہ بدبخت، پریشان حال ہوں گے، ان کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا یہ بے وقار ہوں گے، ان کے لیے کوئی عزت واکرام نہ ہو گا ذلت و رسوائی ان کے لیے ہو گی۔

گروہ سوئم: سبقت لینے والے بعض مفسرین نے اس کا معنی اس طرح کیا ہے:۔

اللہ تعالیٰ نے جن امور کی طرف دعوت دی ہے اس دعوت کو قبول کرنے میں سب سے سبقت لینے والے مراد ہیں۔[1]

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کی اطاعت کرنے میں سب پر سبقت لے گئے۔

قرآن میں دوسری آیات میں جو "سبق" کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے "سابقون" سے مراد خیرات میں سبقت لینے والے ہیں اور دوسرے سابقون میں ان خیرات کے اثرات کو پانے والے مراد ہیں یعنی انہیں مغفرت

1۔ تفسیر روح المعانی۔

رحمت دوسروں سے پہلے پہنچے گی۔ اس لحاظ سے معنی اس طرح ہو گا دنیا میں نیک اعمال میں سبقت لینے والے ہی آخرت میں مغفرت اور رحمت وصول کرنے میں بھی سب پر سبقت حاصل کریں گے۔

بعض مفسرین نے سابقون اول اور سابقون دوم، دونوں کو ایک ہی معنی میں لیا ہے اور ان کی خبر ''اولئك المقربون'' ہے۔

بعض نے اس سے مراد مومن آلِ فرعون اور حضرت علی علیہ السّلام کو قرار دیا ہے کہ ان میں بھی ہر ایک ایسا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے میں سبقت لی ہے یہ لوگ باقی تمام لوگوں سے افضل واشرف ہیں۔

بہر حال بعد والی آیات میں ان کی توصیف کو بیان کیا جاتا ہے۔

نکتہ: جیسا کہ سورہ الرحمٰن میں بیان ہوا ہے کہ مقربین کے لیے دو جنتیں ہیں اور اس سے مراد سابقین ہیں اور پھر ان سے کم درجہ والی دو جنتیں ہیں جو ان کے لیے ہیں جو مقربین سے کمتر درجہ والے ہیں اگرچہ پہلا گروہ بھی جنتی ہے اور تیسرا گروہ بھی جنتی ہے لیکن تیسرے گروہ کا مقام پہلے گروہ سے زیادہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی اطاعت، اللہ پر ایمان اور اللہ کی عبادت کرنے میں سب پر سبقت حاصل کی ہے۔ بعد والے اوصاف اسی تیسرے گروہ کے لیے بیان کئے جارہے ہیں۔

أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ﴿١١﴾

ترجمہ: ''وہی اللہ کی بارگاہ کے مقرب ہیں۔''

فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿١٢﴾

ترجمہ: ''نعمتوں بھری جنتوں میں ہوں گے۔''

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''بہت سے لوگ اگلے لوگوں میں سے ہوں گے۔''

وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اور کچھ آخری دور کے ہوں گے۔''

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''موتی اور یاقوت سے جڑے ہوئے تختوں پر۔''

مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔''

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''ان کے گرد ہمیشہ نوجوان رہنے والے لڑکے گردش کر رہے ہوں گے۔''

بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ ۙ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''پیالے اور ٹونٹی وار کنٹر اور شراب کے جام لیے ہوئے ہوں گے۔''

لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''جس سے نہ درد سر پیدا ہوگا اور نہ ہوش و حواس گم ہوں گے۔''

وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''اور ان کی پسند کے میوے لیے ہوں گے۔''

وَ لَحۡمِ طَیۡرٍ مِّمَّا یَشۡتَہُوۡنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: "اور ان پرندوں کا گوشت جس کی انہیں خواہش ہوگی۔"

وَ حُوۡرٌ عِیۡنٌ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: "اور کشادہ چشم حوریں ہوں گی۔"

کَاَمۡثَالِ اللُّؤۡلُؤِ الۡمَکۡنُوۡنِ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: "جیسے سربستہ موتی"

جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: "یہ سب درحقیقت ان کے اعمال کی جزا اور اس کا انعام ہوگا۔"

لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡہَا لَغۡوًا وَّ لَا تَاۡثِیۡمًا ﴿۲۵﴾

ترجمہ: "وہاں نہ کوئی لغویات سنیں گے اور نہ گناہ کی باتیں۔"

سابقون کا اعزاز

ان آیات میں سابقون کو ملنے والے انعامات و اعزازات کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کے مقربین ہیں، اعمال خیر میں سبقت لینے والے ہیں، اس لیے سب سے پہلے اللہ کی مغفرت و رحمت کو پائیں گے۔ یہ لوگ اہل سعادت کے بلند ترین مقام پر ہوں گے۔ اللہ کے اکرام، اللہ کی رحمت و مغفرت کو سب سے پہلے پائیں گے۔

یہ مرتبہ فقط اسے ملے گا جو اپنے مولا کا تابع محض ہو، اس کا ارادہ اور عمل اپنے مولا کے ارادے کے تابع ہو۔ یہ ولایت خدا کے تحت آجائے گا۔ ایسے لوگ ہی اولیاء اللہ ہیں جو بندگی اور عبودیت کے مقام پر فائز ہیں۔ اپنے نفس کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہی اپنے نفس کے آثار

کے مالک ہیں بلکہ انکے نفوس اور ان کے اعمال سب خالص ہیں۔ وہ بس اللہ سے ڈرتے ہیں۔ یہ اپنا کچھ بھی نہیں سمجھتے، اس قرب اور مقام کو اپنے اختیار اور ارادے سے حاصل کرنا ممکن ہے۔ جب بندہ کا عمل صالح صرف اللہ کے لیے ہو وہ اس عمل کے وسیلہ سے اللہ کا قرب حاصل کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی منزلت کو بلند کرنے کے لیے اپنے قریب جگہ دیتا ہے اور اس بندہ کو اپنی ولایت میں لے آتا ہے۔ ایسا بندہ اللہ کی آنکھ، اللہ کے کان، اللہ کے ہاتھ، اللہ کا مددگار بن جاتا ہے۔ حدیث قدسی میں ایسے بندے کے لیے ہے کہ اے بندے تو میرا ہو جا میں تیرا ہو جاؤں گا۔ پھر کیا ہو گا تو کہے گا اور کسی شئی کا قصد کرے گا کہ ہو جاؤ تو وہ ہو جائے گی۔ یہی مقربین ہی سابقون ہیں۔

سبقت لینے والے کون؟

آیت میں بیان ہوا ہے کہ سبقت لینے والے سابقہ امتوں میں سے تعداد کے اعتبار سے زیادہ ہیں اور کمتر تعداد میں امت اسلامیہ میں سے ہیں۔ البتہ یہ بات واضح رہے کہ سابقہ سارے انبیاء رسول اللہ ﷺ کی امت ہی تھے اور ان کی امتیں بھی رسول اللہ ﷺ کی امت تھیں کیونکہ کسی نبی کو نبوت اور کسی رسول کو رسالت نہیں ملی جب تک آخری پیغمبر کی نبوت ورسالت وامامت کا اقرار نہ کیا اور ہر پیغمبر اپنی امت سے بھی آخری پیغمبر ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کا اقرار کرواتے تھے۔ یہ کسی کے ذہن میں نہ آئے یہ کیسے ہو گیا کہ اُمت مسلمہ تو اشرف امت ہے پھر اس میں سابقوں کی تعداد کیسے کم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے والے بھی رسول اللہ ﷺ کی اُمت ہیں البتہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں اور حضور پاک ﷺ کے دور میں السابقون عددی لحاظ سے ان سے تعداد میں کمتر ہیں۔

سابقون کے لیے نعمات

یہ سب خوبصورت پلنگوں اور تختوں پر بیٹھے ہوں گے کہ اس طرح سے بیٹھیں گے کہ کسی کی دوسرے کی طرف پشت نہ ہو گی ایک دوسرے کی طرف منہ کرکے بیٹھے ہوں گے۔ باہمی پیار و محبت، مانوسیت کا اعلیٰ نمونہ نظر آئے گا ان کا باطن صاف و شفاف ہے، کسی کی غیبت نہ کریں گے کسی پر تہمت نہ لگائیں گے، کسی کو برا نہ کہیں گے، گھٹیا بول نہ بولیں گے، عیب جوئی نہ کریں گے، ایک دوسرے سے میٹھی میٹھی، پیاری پیاری باتیں کریں گے، گول مٹول خوبصورت دل موہ لینے والے لڑکے خدمت کے لیے آمادہ باش کھڑے ہوں گے جو ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہیں گے جو ہمیشہ ہاتھ میں شراب طہور کے جام لیے ان کے ارد گرد گھوم رہے ہوں گے یہ لڑکے حلقہ بگوش بہشتیوں کی خدمت میں مصروف ہوں گے، ان کے ہاتھ میں صراحیاں اور آفتابے ہوں گے جو شراب کی بہتی نہروں سے بھریں گے اور بہشتیوں کو پلانے کے لیے آمادہ ہوں گے۔ ایسی شراب جو مست نہ کرے گی، سر درد نہ کرے گی، عقل زائل نہ کرے گی، خوشبودار ہو گی، ہر نوع کا میوہ حاضر ہوگا، ہر قسم کا گوشت موجود ہوگا، جس پرندے کا گوشت چاہیں گے ان کو ملے گا۔ ان کے لیے بہشتی حوریں ہوں گی، بڑی آنکھوں والی، سیاہ چشم والی جو چمک اور شفافیت میں مروارید اور چمکتے ہوئے موتیوں کی مانند ہوں گی، لذت آفرین ہوں گے، پاک و پاکیزہ ہوں گی نئی نویلی دلہنوں کی طرح آمادہ و حاضر ہوں گی۔

نیک اعمال کا بدلہ

یہ سب انعامات جن کا تذکرہ کیا گیا ہے یہ ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہے یہ لوگ دنیا میں مسلسل اچھے اعمال کرتے تھے بہشت میں ان کو سکون ملے گا جس میں کوئی بے ہودہ بات نہ کہہ سکیں گے اخلاق سے گری ہوئی گفتگو نہ ہو گی، گناہ نہ ہوگا، بے فائدہ بات نہ ہو گی کسی کی طرف گناہ کی نسبت نہ دی جائے گی، جنت میں سلامتی، امن، پیار و محبت اور سکون و آرام سے بھرپور لذت بخش ماحول ہوگا۔

لوگوں کی اعمال کے حوالے سے تقسیم

یہ کہا گیا ہے کہ عمل بجالانے کے حوالے سے انسان تین طرح کے ہیں:۔

پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جو

ا۔جوانی میں نیک اعمال کو شروع کرتے ہیں اور آخر عمر تک اسی حالت کو جاری رکھتے ہیں، خیر واچھائی میں تسلسل ہے۔ ذرا بھی انحراف نہیں آتا۔ کوئی اچھا کام ترک نہیں کیا اور کوئی برا کام انجام نہیں دیا، یہی مقربین ہیں۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن سے

۲۔جوانی میں گناہ سرزد ہوئے، غلطیاں کیں، غافل رہے بعد میں نیک بن گئے توبہ کرلی اور اعمال صالح انجام دیئے۔ یہ لوگ اصحاب یمین ہیں۔

۳۔ تیسرا گروہ وہ ہے جو جوانی سے لے کر آخر عمر تک گناہوں کے دریا میں غرق رہے، پوری زندگی غفلت میں گزار دی، اللہ کے نافرمان رہے یہ لوگ اصحابِ شمال یعنی بائیں بازو والے ہیں۔

إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ﴿٢٦﴾

ترجمہ: ''صرف ہر طرف سلام ہی سلام ہوگا۔''

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ۙ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: ''اور داہنی طرف والے اصحاب... کیا کہنا ان اصحاب یمین کا۔''

فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ﴿٢٨﴾

ترجمہ: ''بے کانٹے کی بیر۔''

وَّ طَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿ۙ۲۹﴾

ترجمہ: ''لدے گتھے ہوئے کیلے۔''

وَّ ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ﴿ۙ۳۰﴾

ترجمہ: ''پھیلے ہوئے سائے۔''

وَّ مَآءٍ مَّسۡکُوۡبٍ ﴿ۙ۳۱﴾

ترجمہ: ''جھرنے سے گرتے ہوئے پانی۔''

وَّ فَاکِہَۃٍ کَثِیۡرَۃٍ ﴿ۙ۳۲﴾

ترجمہ: ''کثیر تعداد کے میوؤں کے درمیان ہوں گے۔''

لَّا مَقۡطُوۡعَۃٍ وَّ لَا مَمۡنُوۡعَۃٍ ﴿ۙ۳۳﴾

ترجمہ: ''جن کا سلسلہ نہ ختم ہوگا اور نہ ان پر کوئی روک ٹوک ہوگی۔''

وَّ فُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَۃٍ ﴿ؕ۳۴﴾

ترجمہ: ''اور اونچے قسم کے گدے ہوں گے۔''

اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰہُنَّ اِنۡشَآءً ﴿ۙ۳۵﴾

ترجمہ: ''بیشک ان حوروں کو ہم نے ایجاد کیا ہے۔''

فَجَعَلۡنٰہُنَّ اَبۡکَارًا ﴿ۙ۳۶﴾

ترجمہ: ''تو انہیں نت نئی بنایا ہے۔''

عُرُبًا اَتۡرَابًا ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ''یہ کنواریاں اور آپس میں ہمجولیاں ہوں گی۔''

لِّاَصۡحٰبِ الۡیَمِیۡنِ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''یہ سب اصحاب یمین کے لیے ہیں۔''

ثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ''جن کا ایک گروہ پہلے لوگوں کا ہے۔''

وَ ثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ''اور ایک گروہ آخری لوگوں کا ہے۔''

حورالعین

بہشتیوں کو جنت میں جو عورتیں ملیں گی ان میں حوریں اور دنیا والی عورتیں بھی شامل ہیں۔ دنیاوی عورتوں کو دوبارہ اٹھانا، ان کی پیدائش، خدائی قدرت سے ایسی ہو گی کہ وہ ہمیشہ خوبصورت اور جوان رہیں گی جن کی باتوں اور طرز و انداز پر بے ساختہ پیار آئے گا اور سب کو آپس میں ہم عمر رکھا جائے گا اور ان کے ازواج کے ساتھ عمر کا تناسب برابر قائم رہے گا وہ سدابہار کنواری ہوں گے۔ نرم و نازک اندام ہوں گی، دلکش ہوں گی اپنے شوہر کو خوشی اور لذت کے تمام اسباب فراہم کریں گی۔

اصحاب یمین کے لیے انعامات

اصحاب یمین سعادت مند ہوں گے جو دنیا میں نیک اعمال کرتے رہے۔ ان کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ہو گا اوران سے دنیا میں جو غلطیاں ہوئی ہوں گی ان کو معافی

مل چکی ہوگی ان کے مقام و منزلت کو واضح کرنے کے لیے تعجب و حیرت کے اظہار۔ میں پوچھا گیا کہ کیا ہے کہ تم کیا جانو کہ اصحاب یمین کون ہیں؟ ان کے لیے جو انعامات ہیں:۔

۱۔وہ بیری یا کنارے کے بے خار (بغیر کانٹا دار) درختوں کے نیچے براجمان ہوں گے۔

۲۔وہ کیلے کے قطار در قطار خوبصورت کیلوں سے لدے پودوں کے سایہ میں ہوں گے۔

۳۔اور سایہ ہمیشہ ہوگا، تپش موجود نہیں ہوگی، ایسا سایہ ہوگا جس میں نہ گرمی ہوگی نہ ہی سردی گویا پرسکون اور آرام بخش سایہ ہوگا۔

۴۔ ان کے لیے ایسی آبشار ہوگی جس کی دھار ٹوٹے گی نہیں یعنی اس کا بلندی سے گرنے والا پانی ہمیشہ جاری و ساری رہے گا۔ ان کے پہلو میں موجود ہوں گے اور آبشار آنکھوں کو سکون دے گی اور ٹھنڈک پہنچائے گی۔

۵۔ ان کے لیے بہت عمدہ میوہ جات ہوں گے جو دنیا کی طرح موسمی نہ ہوں گے بلکہ ہر موسم میں ہر قسم کا میوہ و پھل موجود ہوگا ایسا پھل کہ جس کے تناول کرنے سے خستگی نہ ہو گی نہ تو وہ پھل اس سے دور ہوں گے اور نہ ہی اس کے حصول میں کوئی رکاوٹ ہوگی۔

۶۔ اصحابِ یمین کو بلند مرتبہ اور عالیشان بیویاں ملیں گی، خوبصورت بڑی سیاہ آنکھوں والی، عقل اور خوبصورتی میں کامل، ان عورتوں کو خاص حساب سے ایجاد کیا گیا ہوگا کہ وہ سدابہار ایک ہی حالت میں ہوں گی اور اپنے شوہر سے ان کا تناسب ہوگا یعنی قد کے اعتبار سے، جسمانی ساخت کے اعتبار سے، جوانی و خوبصورتی کے اعتبار سے ایک جیسے ہوں گے۔ یہ سب انعامات اصحاب یمین کے لیے ہیں یہ اولین و آخرین تمام امتوں میں بڑی جمعیت ہو گی برخلاف مقربین و سابقین کے کہ سابقہ امتوں میں سے وہ تعداد میں زیادہ ہیں اور آخرین میں

سے تھوڑے لوگ ہوں گے کیونکہ اولین اور انبیاؑء اور ان کی دعوتوں پر لبیک کہنے میں سبقت لے جانے والے تعداد میں زیادہ ہیں۔

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ''اور بائیں ہاتھ والے تو ان کا کیا حال پوچھنا ہے؟!''

فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ''(وہ تو ایسی جگہ پر ہوں گے جہاں) گرم گرم ہوا کھولتا ہوا پانی۔''

وَّ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ''کالے سیاہ دھوئیں کا سایہ۔''

لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''جو نہ ٹھنڈا ہو اور نہ اچھا لگے۔''

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ''یہ وہی لوگ ہیں جو پہلے بہت آرام کی زندگی گزار رہے تھے۔''

وَ كَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ''اور بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کر رہے تھے۔''

وَ كَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ۬ اَىِٕذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ''اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈی ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔''

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ”کیا ہمارے باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے۔“

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ”آپ کہہ دیجئے کہ اولین و آخرین سب کے سب۔“

لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰی مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: ”ایک مقرر دن کی وعدہ گاہ پر جمع کئے جائیں گے۔“

اصحابِ شمال کے بارے

ان آیات میں بائیں بازو والوں کے انجام اور ان کو جو سزا ملنی ہے اس بارے آگاہ کیا ہے۔ یہ لوگ بدبخت ہیں، ان کا نامہ عمل ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا۔ دوسرا جملہ کہ تم کیا جانو کہ اصحاب شمال کون ہیں، اس منظر کی ہولناکی اور بے انتہا دردناک ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ تم کو کیا معلوم کہ ان کا انجام کتنا ہی خوفناک و دردناک ہے؟!

اصحابِ شمال کا انجام

۱۔ وہ سخت گرمی میں ہوں گے۔ گرم ہوا کے تھپیڑے ان کو اذیت پہنچائیں گے اور اتنا کھولتا ہوا پانی انہیں دیا جائے گا جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ وہ سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے جو جہنم سے اٹھے گا ہے جس میں نہ ٹھنڈک ہوگی نہ ہی اس میں آرام۔ بلکہ تکلیف ہی تکلیف ہوگی۔

سزا ملنے کی وجوہات

بائیں بازو والوں کو یہ سزا اس لیے ملے گی کہ:۔

۱۔ دنیا میں خوشحالی میں غرق تھے، مست تھے، ہوا و ہوس کے پوجاری، نفسانی خواہشات میں غرق ہو کر سرکش بن گئے تھے، دنیاوی لذتوں میں اس طرح غرق ہو گئے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے نافرمان ہو گئے۔

۲۔ دنیا میں عہد و پیماں اور قسمیں توڑنے والے تھے، بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا، عالَم ارواح میں اللہ تعالیٰ سے جو عہد باندھا تھا انہوں نے اسے بھی توڑ دیا۔ انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا اور اللہ کے غیر کی اطاعت کی۔

۳۔ وہ قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے اور متکبرانہ سوال کرتے تھے کہ ہم جب ہڈیوں اور خاک میں تبدیل ہو جائیں گے تو پھر ہم کس طرح دوبارہ زندہ ہوں گے؟ اور ہمارے گذشتہ آباؤاجداد کیسے واپس آئیں گے؟

منکرین قیامت کا جواب

رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ ان کو کہہ دیں کہ قیامت کے روز سارے انسان دوبارہ زندہ کیے جائیں گے سب کو قبروں سے اٹھایا جائے گا اور سب کے سب معین شدہ جگہ پر حاضر ہوں گے جس کا وقت اللہ کو معلوم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے، یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور اس کا فرمان ہے۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔

چنانچہ ایک اور مقام میں قرآن میں ان کو جواب دیا گیا کہ جس طرح اللہ نے تمہیں پہلی بار وجود میں لایا ہے تو وہی خدا تمہیں مارنے کے بعد دوبارہ اسی پہلی شکل میں اٹھائے گا کیونکہ پہلی خلقت سے دوسری خلقت تو زیادہ آسان ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾

ترجمہ: ''اس کے بعد تم اے گمراہو اور جھٹلانے والو!''

لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿٥٢﴾

ترجمہ: ’’تھوہڑکے درخت کے کھانے والے ہوگے۔‘‘

فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾

ترجمہ: ’’پھراس سے اپنے پیٹ بھروگے۔‘‘

فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾

ترجمہ: ’’پھراس پر کھولتا ہوا پانی پیوگے۔‘‘

فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾

ترجمہ: ’’پھراس طرح پیوگے جس طرح پیاسے اونٹ پیتے ہیں۔‘‘

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾

ترجمہ: ’’یہ قیامت کے دن ان کی مہمانداری کا سامان ہوگا۔‘‘

منکرینِ قیامت کا انجام

دنیا میں جو قیامت کا انکار کرتے تھے۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم تو قیامت کے وجود کا انکار کرتے تھے تو اب وہ دن آچکا ہے لہٰذا اب یہاں پر اپنے اس رویہ کی سزا بھگتو! ان منکرینِ قیامت کے لیے جو سزا ہو گی وہ کچھ اس طرح ہے:۔

ا۔ زرقوم کے درخت سے کھائیں گے یہ انتہائی کڑوااور بے مزہ درخت ہے۔ انہیں ندا دی جائے گی کہ بھوک کی شدت سے اسی سے اپنے شکم کو بھرو۔ ان کے پاس بھوک مٹانے کے لیے زرقوم (تھوہر) کھانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوگا۔

زرقوم کی خوراک کے بعد انہیں پیاس کی شدت ہو گی تو پیاس بجھانے کے لیے انہیں کھولتا ہوا بدبودار پانی پیش کیا جائے گا یہ شدت پیاس کی وجہ سے اس طرح اس پانی کی جانب دوڑیں گے جس طرح پیاس کی بیماری میں مبتلا اونٹ پانی کی جانب دوڑتا ہے مگر اسے پیاس کی بیماری (استسقاء) ہوتی ہے جس وجہ سے وہ جتنا پانی پیتا ہے اس کی پیاس نہیں بجھتی۔ یہی حالت جہنمیوں کی ہو گی کہ یہ بدبودار اور کھولتا ہوا پانی جتنا پیتے جائیں گے سیراب نہ ہوں گے۔

آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات بتائی جا رہی ہے کہ جو لوگ تیری دعوت کا انکار کرتے ہیں، قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہیں تو ان کے لیے قیامت کے دن اسی طرح کی پذیرائی ہو گی۔ ان منکرین کو جو سزا ملنی ہے اسے پذیرائی کا عنوان دیا ہے گویا ایک طرح سے کافروں کا استہزاء کیا ہے اور انھیں طعنہ دیا جا رہا ہے اور ان پر طنز کیا جا رہی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر کرتے تھے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: ”ہم نے تم کو پیدا کیا ہے تو دوبارہ پیدا کرنے کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟“

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: ”کیا تم نے اس نطفہ کو دیکھا ہے جو رحم میں ڈالتے ہو؟“

ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: ”اسے تم پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟“

معاد کی تصدیق کے لیے تشویق

معاد کی تصدیق کے لیے ان لوگوں سے سوال کیا کہ تم ذرا یہ بتاؤ کہ تم خود اپنے خالق ہو یا ہم نے تمہیں خلق کیا ہے؟ (اس کا جواب سب کے ہاں یہی ہے کہ اللہ ہی خالق ہے) تو پھر تم معاد کے بارے تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ اس دلیل کی وضاحت اس طرح ہے:۔

پہلی دلیل

جب اللہ تعالیٰ نے ہی تمام انسانوں کو خلق کیا ہے اور وہی عدم سے وجود میں لانے والا ہے تو پھر وہ دوبارہ بھی ان کو زندہ کر سکتا ہے۔ جب تم خلق اول کو مانتے ہو تو اس خلق کے اعادہ کا کیوں کفر کرتے ہو؟

دوسری دلیل

جب خلق کرنے والا اور انسانوں کے تمام معاملات کی تدبیر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی ہے جو ان کے حوادث واحوال کو ان کے لیے فراہم کرتا ہے اور وہ زیادہ آگاہ بھی ہے تو جب اس نے یہ خبر دے دی ہے کہ وہ عنقریب مرنے والوں کو زندہ کرے گا اور ان کے اعمال کا جائزہ لے گا تو پھر تمہارے پاس اس کی تصدیق کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، جھٹلانے والوں کے پاس اس کے انکار کی وجہ باقی نہیں رہتی۔

اس کے بعد پھر ایک سوال کیا ہے:

”اے منکرینِ معاذ نطفہ! ذرا مجھے یہ تو بتاؤ کیا اس نطفہ کے موجد تم خود ہو اور وہ تم ہو جو اس نطفہ سے اپنے جیسا انسان بنا لیتے ہو؟ ایسا ہرگز نہیں! بلکہ ہم اس نطفہ کے خالق ہیں اور ہم ہی اس قطرہ کو ایک انسان کی شکل میں تبدیل کرتے ہیں۔ تم تو اس نطفہ کی حقیقت کے

بارے میں آگاہ نہیں ہو اور نہیں جانتے کہ اس نطفہ سے کس طرح ایک نیا ذی روح موجود وجود میں آ جاتا ہے۔ جب ایسا ہے تو پھر تم دنیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کس بنیاد پر کرتے ہو؟

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٦٠﴾

ترجمہ: ''ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں۔''

عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾

ترجمہ: ''کہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تمہیں اس عالم میں دوبارہ ایجاد کر دیں جسے تم جانتے بھی نہیں ہو۔''

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: ''اور تم پہلی خلقت کو تو جانتے ہو تو پھر اس میں غور کیوں نہیں کرتے ہو (کہ تم دوبارہ بھی مرنے کے بعد خلق کیے جا سکتے ہو)''

مرنے کے بعد دوبارہ خلقت

ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے ہستی ہونے کو مقدر کیا ہے۔ ہم نے تمہیں وجود عطا کیا ہے اور اسے موت کی حد تک قرار دیا ہے یعنی ایک عرصہ یہ ہستی تمہارے لیے قرار دی ہے پھر موت کا مرحلہ آجاتا ہے۔ موت تو برحق ہے ہر موجود نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علل و اسباب کے تحت یہ قرار دیا ہے کہ ایک مدت کے بعد انسان کی زندگی کا دورانیہ ختم ہو جائے گا لہٰذا ہم مخلوق کو موت کی آغوش میں لے جانے پر

قادر ہیں اور ہمارے اس نظام کو کوئی طاقت چیلنج نہیں کر سکتی۔ ایسا نہیں ہے کہ ہمارا ارادہ تو ایسا تھا کہ تمہاری دنیا کی حیات و زندگی دائمی ہو لیکن پھر بعض اسباب بنے کہ یہ ارادہ تبدیل ہو گیا ایسا نہیں ہے بلکہ پہلے دن سے ہی ہمارے نظام اور تدبیر میں ایسا ہی تھا ہم نے موت کو پہلے دن سے مقدر کیا اور موت کو اس انداز سے قرار دیا کہ ایک گروہ کو موت آتی ہے اور پھر اس کی جگہ دوسرا گروہ آجاتا ہے اور پھر آخرت میں تمہیں ایک نئی خلقت میں لے آئیں گے جس سے تم بے خبر ہو۔

تفسیر رُوح المعانی میں ہے کہ قیامت کے دن تمہیں ایسی شکل میں دوبارہ خلق کریں گے کہ جس سے تم بے خبر تھے۔ بعض بندر کی شکل میں، بعض کتے کی شکل میں کچھ خنزیر کی شکل میں۔

موت کے بعد ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ہے۔ دنیا کی زندگی ناپائیداری تھی اس کو گزارنے کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہو جاتا ہے۔ موت فنا یا بالکل خاتمہ نہیں ہے، آپ کا علم تو دنیا کی پیدائشِ خلقت کے بارے ہے اس پیدائش کی خصوصیات سے آگہی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اگلی پیدائش کے بارے بھی جان سکو۔ اس عالَم دنیا میں جو حیرت انگیز نظام ہے اس سے انسان نصیحتیں حاصل کرلیتا ہے کہ عالَمِ ہستی میں باطل و لغو اور بے مقصدیت کی گنجائش نہیں ہے۔ یقینی بات ہے کہ اس فانی حیات کا بھی کوئی ھدف و مقصد ہے اس عالَم کے اندر جو نظام حاکم ہے اس کی ضروریات میں سے یہ امر بھی ہے کہ ہر موجود اپنی ہیئت اور نوعیت کے تحت اپنی سعادت اور کمال کی جانب ہدایت شدہ ہے۔ انسانوں کے لیے یہ ہدایت رسولوں کے وسیلہ سے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور روزِ جزا احتساب کے بعد اپنے مطلوب کمال کو پانے کی راہنمائی دی ہے۔ اصولی بات یہ ہے عالم دنیا جو عدل سے ایجاد ہوا ہے اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ عالَم بقاء کا وجود بھی ہے اور یہ کہ کیسے ہو گا؟ اس قسم کے سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ جب عدم سے وجود کا لباس لے لیا جاتا ہے تو جو چیز موجود

ہے اسے فنا کے بعد دوبارہ وجود کا لباس کیوں نہیں پہنایا جا سکتا! اخروی بدن دنیاوی بدن کی مانند ہوتا ہے ایک موجود جو پہلے سے خلق شدہ ہے اس کے مر جانے کے بعد دوبارہ وہی زندہ ہوتا ہے۔ اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ: "اس دانہ کو بھی دیکھا ہے جو تم زمین میں بوتے ہو؟"

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: "اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں؟"

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾

ترجمہ: "اگر ہم چاہیں تو اسے چور چور بنا دیں تو تم باتیں ہی بناتے رہ جاؤ۔"

اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: "کہ ہم تو بڑے گھاٹے میں رہے"

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: "بلکہ ہم تو محروم ہی رہ گئے۔"

انسانی زندگی کی بنیادی ضروریات کا بیان

معاد کے مسئلہ کو بیان کرنے کے بعد انسان کی زندگی میں بنیادی ضروریات کو بیان کیا ہے:۔

(۱) زراعت (۲) پانی (۳) آگ

آغاز کی ان تین آیات میں زراعت اور کھیتی باڑی کا تذکرہ کیا گیا ہے اور منکرین سے سوال کیا ہے تم زمین میں جو اجناس کی کاشت کرتے ہو، زمین میں جو بیج ڈالتے ہو تو یہ بتاؤ ان کو اگانے والے ہم ہیں یا تم خود ہو؟ یقینی بات ہے کہ ہم نے طبیعی اسباب کے تحت ماحول بنایا ہے کہ زمین میں جو ڈالا گیا وہ اُگے اور اس سے مطلوبہ فصل تیار ہو اور زمین سے بیج کے اگنے اور اس کے پودا بننے اور تیار ہونے تک کے تمام اسباب بنانے والے ہم ہیں۔ اگر ہم نہ چاہتے تو زراعت پروان نہ چڑھتی۔ ہم تمہارے تیار کھیت خس و خاشاک میں بدل دیں، یہ ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔ جب ایسا ہو جائے اور تمہارے کھیت ویرانی کی داستان پیش کرنے لگیں تو تم اس وقت چیخ اٹھو گے کہ ہم برباد ہو گئے ہماری محنت رائیگاں چلی گئی، ہمارا روزگار تباہ ہو گیا ہم بڑے خسارے میں آ گئے۔ یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ زراعت و کھیتی باڑی کا حوالہ دے کر سمجھا رہا ہے کہ زمین میں بیج ڈالنا اگرچہ تمہارا کام ہے مگر تمہاری زراعت اور کھیتی باڑی سے فصلوں کو ہم تیار کرتے ہیں لہٰذا جب تمہارے تیار کھیت تباہ ہو جاتے ہیں اور تم بے بس ہوتے ہو، اس کھیت کو بچا نہیں سکتے، تو اس وقت نقصان اور گھاٹے کا شکوہ کرنے میں غرق ہوتے ہیں۔ خود یہی امر اس پر دلیل ہے کہ سب کچھ ہمارے ہاتھ میں ہے، لہٰذا ہمارے نظام اور ہماری تدبیر کا انکار نہ کرو۔ جب تم تیار کھیت کو برباد ہونے سے نہیں بچا سکتے اور تمہاری تمام چارہ جوئیاں اور مساعی و کوششیں رائیگاں جاتی ہیں تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کھیتوں کو تیار کرنے والے ہم ہیں نہ کہ تم! پس معاد کا انکار نہ کرو اور اللہ پر کامل ایمان لے آؤ۔

اَفَرَءَيۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِىۡ تَشۡرَبُوۡنَ ؕ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: ''کیا تم نے اس پانی کو دیکھا ہے جس کو تم پیتے ہو؟''

ءَاَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡهُ مِنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡزِلُوۡنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: ''اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں؟''

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ ۝۷۰

ترجمہ: ''اگر ہم چاہتے تو اسے کھارا بنادیتے تو پھر تم ہمارا شکریہ ادا کیوں نہیں کرتے ہو۔''

پانی اللہ کی عطاء

ان آیات میں انسانی زندگی کے دوسرے اہم عنصر کو بیان کیا ہے جس طرح زراعت کا انتظام اللہ کی جانب سے ہے اسی طرح زراعت کے لیے پانی بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ پانی سے حیات ہے۔ آیات میں پوچھا جارہا ہے کہ کبھی تم نے یہ سوچا کہ تم جو پانی پیتے ہو یہ پانی کہاں سے آیا ہے؟ یہ بادل کس کے اختیار میں ہیں؟ پھر فرمایا: ہم ہی تو ہیں کہ پانی کو بادلوں سے اتارتے ہیں، خوشبودار اور میٹھا پانی جو تمہارے استعمال کے لیے مناسب ہے ہم نے اسے تلخ و شور نہیں بنایا۔ یہ پانی اللہ نے ایجاد کیا ہے اگر ہمارا ارادہ ہوتا تو تمہیں ہلاک کر دیتے اسی پانی کو شور اور تلخ بنادیتے اور یہی پانی تمہاری ہلاکت کا باعث بن جاتا پس تم ان تمام نعمات کا شکریہ ادا کیوں نہیں کرتے؟ زراعت کا انتظام ہم نے کیا جس سے تمہاری غذائی اجناس تیار ہوتی ہیں اور پانی کا انتظام بھی ہمارا ہے پس تمہیں شگر گذار رہنا چاہیے اور ہمارے احکام کی اطاعت کرنی چاہئے۔

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝۷۱

ترجمہ: ''کیا تم نے اس آگ کو دیکھا ہے جسے لکڑی سے نکالتے ہو؟''

ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝۷۲

ترجمہ: ''اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہیں؟''

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: ”ہم نے اسے یاد دہانی کا ذریعہ اور مسافروں کے لیے منفعت کا سامان قرار دیا ہے۔“

آگ کی نعمت کا تذکرہ

اس جگہ انسانی زندگی کی تیسری ضرورت کو بیان کیا جارہا ہے۔ کھیت، زراعت، پانی کے بعد انسان کے لیے آگ کی ضرورت ہے۔ آگ کے لیے لکڑی کی ضرورت ہےاور لکڑی کے لیے درخت، گھاس پھوس اللہ تعالیٰ نے بنائے اور پتھروں کی باہمی رگڑ سے آگ نکلنے کی صلاحیت بھی تو اللہ نے ان پتھروں میں رکھی ہے۔ اللہ نے اس آگ کو تمہارے لیے سمجھ، یاددہانی اور عبرت کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ تمہاری زندگی کا گزارہ اسی سے ہے یہ تمہاری حاجات پوری کرنے کا وسیلہ ہے۔ اگر ہماری دستگیری نہ ہوتی تم بیچارے ہوتے۔ الغرض آگ سے استفادہ اور انرجی کے فوائد کسی پر مخفی نہیں۔ یہ سب اللہ کی عطاء و نعمت ہے۔اس میں درختوں کے فوائد کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ آگ جلانے کے کام بھی آتے ہیں اور مسافروں کے لیے منفعت کا وسیلہ بھی ہیں۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: ”اب آپ اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح کریں۔“

نعمات الٰہی کا تقاضا

اللہ تعالیٰ نے انسان کی زندگی کی ضروریات کو فراہم کر دیا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمات ہیں، ان نعمات کا ذکر کرنے کے بعد یہ سوال منکرین سے کیا کہ تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ تم ان سب کا انکار کرتے ہو؟ اس آیت میں مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں لیکن آپ کے

وسیلہ سے تمام انسانوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ اس جگہ یہ مطلب بھی سمجھا یا ہے کہ یہ عوام اس قابل نہیں کہ اللہ انہیں براہ راست خطاب کرے۔ ان کی حالت تو یہ ہے کہ یہ لوگ حق بات اور واضح امر کو بھی قبول نہیں کرتے لہذا رسول اللہ ﷺ کو دستور دیا ہے کہ اللہ کی سبحانیت کو بیان کریں کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ ہر حاجت سے پاک ہے وہ کسی کا محتاج نہیں وہ سب کا داتا ہے۔ اللہ ان باتوں سے منزہ ہے جو یہ منکرین بعث (دوبارہ اٹھائے جانے کا) اور قیامت کے بارے کہہ رہے ہیں۔ اب جب ایسا ہے اور یہ منکرین حقائق کا انکار کر رہے ہیں تو اے رسول ﷺ! تم اپنے رب کی عظمت کو بیان کرو اس کے نام کی تسبیح کرو اور اللہ کو منزہ قرار دو ہر نقص سے، اور ان باتوں سے جس کی منکرین تکذیب کر رہے ہیں۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: ”اور میں تو ستاروں کے منازل کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔“

وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِيۡمٌ ﴿۷۶﴾

ترجمہ: ”اور تم جانتے ہو کہ یہ قسم بہت بڑی قسم ہے۔“

قسم کی عظمت

اس جگہ ''لا'' کا لفظ نفی کے معنی میں نہیں لیا گیا بلکہ قسم کی تاکید اور شدت کے لیے لایا گیا ہے۔ ستاروں کے محل وقوع کی قسم اٹھائی گئی اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہ قسم بہت بڑی قسم ہے تمہیں معلوم نہیں ستاروں کا حوالہ دیا ہے ساری کائنات ستاروں کے کہکشاؤں سے عبارت ہے اور جو ستارہ جس جگہ موجود ہے اور اس کا جو محل ہے وہ دوسروں سے بھی مربوط ہے یہ آپس میں ٹکراتے ہیں اور نہ ہی اپنے کام کو چھوڑتے ہیں ہر ایک اپنے مدار پر ہے جو اس کائنات کے عظیم نظام کو بیان کر رہا ہے اور یہ خبر دیتا ہے کہ اللہ نے نظام دیا ہے اور اللہ ہی اس

کی تدبیر کرنے والا بڑا ہی عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ان ستارون کا حوالہ دے کر قسم کھانا اس سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جو بات اب کہی جا رہی ہے اس کی صداقت پر یہ ستاروں کا نظام گواہ ہے۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: "یہ بڑا محترم قرآن ہے۔"

فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: "جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے۔"

لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: "اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا۔"

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: "یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔"

قرآن کا تعارف

قسم کے بعد قسم کے متعلق اور اس کی جزا کو بیان کیا جا رہا ہے۔ یعنی ستاروں کے محل وقوع کی قسم ہے کہ یہ کتاب قرآن کریم ہے یہ کتاب اللہ کے ہاں عزیز و کریم ہے اس کی صفات پسندیدہ اور عمدہ ہیں، یہ کتاب ایسے معارف کی تعلیم دیتی ہے کہ جن کے ذریعہ انسان کی دنیا و آخرت کی سعادت کو پورا کرنے کی ضمانت ملتی ہے یہ قرآن ہر قسم کی تبدیلی اور تحریف سے محفوظ ہے کیونکہ ایسی کتاب میں موجود ہے جو انسانوں کی دسترس سے دور ہے جس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اسے کتاب مکنون کا عنوان دیا ہے کہ قرآن جس کتاب میں موجود ہے وہ کتاب لوح محفوظ میں ہے جو ناپاک اور اغیار لوگوں کی خرد برد سے محفوظ ہے اس تک ہر ایک

کی رسائی نہیں ہے فقط وہی اس تک رسائی رکھتے ہیں جن کے نفوس پاکیزہ ہیں جن کے علاوہ نہ تو اسے کوئی چھو سکتا ہے اور نہ ہی اس کے دقیق حقائق کو پا سکتا۔ ''مطہرون'' سے مراد اللہ کے فرشتے ہیں اور انسانوں سے وہ منتخب افراد ہیں جن کے بارے آیہ تطہیر میں کہا گیا ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ (سورہ احزاب)۔

ترجمہ ''سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ اہل البیت علیہم السّلام کو طاہر و پاک قرار دیا ہے ہر قسم کی نجاست و پلیدی سے پاک بنا دیا جیسا پاک بنانے کا حق ہے۔''

لہٰذا چہاردہ معصومین علیہم السلام اور فرشتوں کے علاوہ کوئی اس کتاب کی حقیقت تک رسائی نہیں رکھتا۔ بعض مفسرین نے اس آیت کو فقط فرشتوں تک محدود کر دیا ہے۔ البتہ ہم نے جو معنی بیان کیا ہے یہ اس صورت میں ہے کہ جب ''لایمسہ'' میں لا کو نافیہ قرار دیں لیکن اسے اگر لا ناھیہ قرار دیں تو پھر فقہی اور ظاہری طہارت کے بغیر قرآن کے الفاظ کو چھونے سے منع کیا گیا ہے اور ''مَسّی'' سے مراد ظاہری طور پر چھونا ہے جس طرح یہ ممکن ہے کہ ''یَمَسُّہ'' سے قرآن کی حقیقت و علم تک رسائی مراد ہو کہ اس کی حقیقت کو سوائے مطہرین کے کوئی نہیں پا سکتا۔

پیغام: اسی آیت سے فقہاء نے اس کا استنباط کیا ہے کہ قرآن کے حروف و شدات ومدات والفاظ وکلمات کو بغیر طہارت کے نہیں چھو سکتے۔

قرآن اللہ کی طرف سے

اس کے بعد بیان کیا کہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لوح محفوظ سے زمین پر اپنے حبیبؐ کے قلب مطہر پر اتارا ہے یہ لوح محفوظ میں پوشیدہ تھا اس جگہ سوائے خاصان کے کسی کی دسترس میں نہیں ہے۔ اس نے خود یاد کیا ہے اس سے یہ اشارہ ہے کہ اللہ ہی پوری کائنات کے نظام کو بنانے والا اور چلانے والا ہے اللہ ان منکروں کا بھی رب

ہے اور ان پر واجب ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس قرآن کی تصدیق کریں اور اس کا انکار نہ کریں قرآن کا نزول نور ہے، رحمت ہے، ہدایت ہے، نعمت ہے سب انسانوں کے لیے۔ قرآن سے ہر شخص بہرہ مند ہو سکتا ہے اور اس کے دستورات کے مطابق زندگی سنوار سکتا ہے۔ اس طرح ترقی اور سعادت کے مراحل کو طے کر سکتا ہے جو قرآن سے دور ہوں اور قرآن کو مہجور دیں اور اس کے دستورات پر عمل نہ کریں تو پھر وہ ہلاک ہو جائیں گے اور انسانی مدارج سے نیچے آجائیں گے اور ترقی و کمال کو نہ پا سکیں گے۔

أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿٨١﴾

ترجمہ: ”تو کیا تم لوگ اس کلام سے انکار کرتے ہو۔“

وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾

ترجمہ: ”اور تم نے اپنی روزی یہی قرار دے رکھی ہے کہ اس کا انکار کرتے رہو؟“

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ﴿٨٣﴾

ترجمہ: ”پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جب جان گلے تک پہنچ جائے۔“

وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ﴿٨٤﴾

ترجمہ: ”اور تم اس وقت دیکھتے ہی رہ جاؤ۔“

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ ﴿٨٥﴾

ترجمہ: ”اور ہم تمہاری نسبت مرنے والے سے قریب ہیں مگر تم دیکھ نہیں سکتے ہو۔“

فَلَوْلَا إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ﴿٨٦﴾

ترجمہ: ''پس اگر تم کسی کے دباؤ میں نہیں ہو اور بالکل آزاد ہو۔''

تَرۡجِعُوۡنَهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: ''تو اس روح کو کیوں نہیں پلٹا دیتے ہو اگر اپنی بات میں سچے ہو۔''

مشرکین اور کافروں کو تنبیہ

اتنے سارے دلائل دینے کے بعد اور یہ بیان کرنے کے بعد کہ قرآن کریم کتابِ برحق ہے اور اللہ کی طرف سے ہے پھر بھی حقائق کو قبول کرنے میں سہل انگیزی اور ٹال مٹول سے کام لیتے ہو اس سے لاپرواہی برتتے ہو۔ تم نے قرآن سے اپنے لیے اتنا ہی فائدہ اٹھایا ہے کہ تم یہ کہتے رہو کہ قرآن جھوٹ ہے۔ تم اللہ کی اس نعمت پر شکر بجا لانے اور اس کی تصدیق کرنے کی بجائے اس کا انکار کرتے ہو اب ذرا یہ سوچ کر بتاؤ کہ تم قرآن کی نفی کرتے ہو اور قرآن نے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی بات کہی ہے اس سے بھی انکاری ہو تو جب تمہاری جان بدن سے نکل جائے گی یا جس وقت جانکنی کی حالت ہو گی اور روح تمہارے حلقوم تک آجائے گی تو پھر اس جانے والی روح کو واپس لے آؤ، اسے بدن سے نکلنے نہ دو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو تم فقط اس کا نظارہ کرتے ہو جس کی جان نکل رہی ہوتی ہے لیکن تم اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے جبکہ ہم تم سے زیادہ اس سے نزدیک ہوتے ہیں کیونکہ ہمارا اس کے پورے وجود پر احاطہ ہے اور ہمارے فرشتے جو اس کی روح کو قبض کرنے پر مامور ہیں وہ بھی تم سے زیادہ اس مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں لیکن افسوس تم پر کہ تم نہ تو ہمیں دیکھ سکتے ہو اور نہ ہی ہمارے فرشتوں کو جو اس کی جان نکالنے کے لیے آئے ہوئے ہیں اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ جزا و سزا نہیں ہے اور تمہیں تمہارے اعمال کی جزا نہیں ملے گی جزاء و عذاب کچھ نہیں تو پھر تم اس شخص کو جو اپنی جان دے رہا ہے اور تمہارے درمیان سے جا رہا ہے تو اسے واپس کیوں نہیں لے آتے؟ اس کی موت کو کیوں

نہیں روک لیتے ؟ جبکہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ موت سے کوئی فرار نہیں اور موت سے بچنے کا تمہارے پاس کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے۔ تمہیں یہ بات یقین کر لینی چاہئے کہ موت کا معاملہ حساب شدہ ہے اور ایک نظام کے تحت طے شدہ ہے اور ہماری طرف سے مقدر ہے تاکہ اس مرحلہ سے گزار کر تمہیں یوم جزا کی طرف لے جایا جائے۔

پیغام: آیات میں قیامت کے دن بارے اچھوتے انداز سے استدلال کیا گیا ہے اور ہر شخص کو سمجھایا گیا ہے کہ موت کا وقت طے شدہ ہے اور موت اپنے مقررہ وقت پر آجاتی ہے تم اسے روک نہیں سکتے۔ موت ایک نظم کے تحت آجاتی ہے اور تم اسے روک بھی نہیں سکتے اس پر تمہارا اختیار بھی نہیں ہے اور اسی نظام کا حصہ ہے کہ اس موت کے مرحلہ سے گزرنے کے بعد ایک دفعہ پھر تمہیں زندہ کیا جائے اور حساب کے لیے میدانِ محشر میں حاضر کیا جائے پس اس موت کی حالت سے قیامت کے وجود کا یقین کر لو۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾

ترجمہ: ''پھر اگر مرنے والا مقربین میں سے ہے۔''

فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾

ترجمہ: ''تو اس کے لیے آسائش، خوشبودار پھول اور نعمتوں کے باغات ہیں۔''

وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾

ترجمہ: ''اور اگر اصحاب یمین میں سے ہے۔''

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾

ترجمہ: ''تو اصحاب یمین کی طرف سے تمہارے لیے سلام ہے۔''

قیامت کا دن اور تین گروہ

سورہ کے آغاز میں بیان کیا کہ انسانوں کے مرنے کے بعد تین گروہ ہوں گے اسی طرح دوبارہ اس کا تکرار کیا گیا ہے۔ کہ مرنے والے تین گروہوں میں سے ایک ایسا ہوگا:۔

ا۔ اگر تو وہ مقربین اور سابقین سے ہے تو اس کی جزا یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے غم، درد او ر تکلیف سے راحت و سکون اور آرام میں ہے اس کے لیے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ بہشتی روزی اس کے لیے آمادہ ہے اور جنت کی نعمت اس کا ٹھکانہ ہے اور وہ بڑی لمبی آرام دہ اور پُر سکون و غیبی عیش و عشرت میں اللہ کی نعمات سے بھرپور فائدہ اٹھانے والا بڑے مقام پر فائز ہے۔ مرنے کے ساتھ ہی اس کے لیے یہ سب کچھ حاصل و موجود ہوگا۔

۲۔ اور جو مرنے والا اصحاب یمین سے ہو گا تو رسول اللہ ﷺ کے وہ ہم نشین و قرین اور اسی محفل میں ہو گی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے خیر و سلامتی ہوں گے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہاں پر اصحاب یمین آپ پر سلام کریں گے۔ اصحاب یمین بھی جنت میں ہوں گے، حضور پاک ﷺ تو سب کے سید و سردار ہیں، مقربین اور سابقین اعلیٰ درجہ پر ہوں گے۔ اصحاب یمین کا مقام ان سے کمتر جگہ پر ہو گا لیکن اصحاب یمین کے لیے یہ سعادت ہو گی کہ وہ حضور پاک ﷺ کو سلام کریں گے یعنی ان کا حضور پاک ﷺ سے رابطہ ہو سکے گا۔

وَ اَمَّآ اِنۡ کَانَ مِنَ الۡمُکَذِّبِیۡنَ الضَّآلِّیۡنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: ''اور اگر جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہے۔''

فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: ''تو کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی ہے۔''

وَّ تَصۡلِیَۃُ جَحِیۡمٍ ﴿۹۴﴾

ترجمہ: ''اور جہنّم میں جھونک دینے کی سزا ہے۔''

تیسرا گروہ

جو شخص جانکنی کی حالت میں ہے اگر وہ تیسرے گروہ یعنی اصحابِ شمال میں سے ہو گا ، دنیا میں قرآن کو جھٹلانے والا، قیامت کا انکار کرنے والا تو اس کے لیے مرنے کے ساتھ ہی پذیرائی کے لیے کھولتا ہوا گرم پانی موجود ہو گا۔ ایسا پانی جس میں آتش جہنم کی گرمی ہو گی۔ یہ عذاب اس وجہ سے ہو گا کہ انہوں نے حقائق کا انکار کیا، قرآن کی تصدیق نہ کی بلکہ تکذیب کی حق سے دشمنی رکھتے تھے اگر یہ فقط گناہگار ہوتے اور حق کی تکذیب نہ کرتے تو ان کا شمار مستضعفین میں سے ہوتا، فکری طور پر گمراہ ہوتے تو پھر ان پر ایسا عذاب مسلط نہ کیا جاتا کیونکہ وہ لوگ جو فکری طور پر کمزور ہیں، حق سے عناد و دشمنی نہیں رکھتے اور نہ ہی حقائق کے انکاری ہیں لیکن فکری کمزوری کی وجہ سے گمراہ ہیں تو ان کے لیے دوزخ نہیں ہے۔ ان کے ساتھ معاملہ اور طرح کا ہو گا۔ لیکن جان بوجھ کر حقائق سے روگردانی کرنے والوں کے لیے سخت عذاب ہے۔ جن کو مرنے کے ساتھ ہی جہنم کی آگ پر گرم کیا ہوا کھولتا ہوا پانی پیش کیا جائے گا کیونکہ جب کوئی مہمان آتا ہے تو اس کے سامنے پانی پیش کیا جاتا ہے یہ دنیا کی رسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی روایت کو برقرار رکھا ہے کہ قرآن کی تکذیب کرنے والے اور حقائق کا مذاق اڑانے والے جیسے ہی مرنے کے مرحلہ سے گزر کر دوزخ میں جائیں گے تو فوراً ان کے لیے جہنم کی آگ پر گرم کیا ہوا پانی پذیرائی کے لیے پیش کیا جائے گا۔ آیت ۴۷ میں ان کے بارے بیان ہو چکا ہے یہ لوگ اس طرح کہتے تھے کہ جب دنیا سے چلے جائیں گے تو کیا ہم کو دوبارہ اٹھایا جائے گا جبکہ ہم تو ہڈیاں بن چکے ہوں گے وہ بار بار کہتے کہ کیا ہم کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اب فرق نہیں کہ دل سے ان کا عقیدہ ایسا ہی ہے جو زبان سے کہتے ہیں اور عملاً غیر اللہ

کی عبادت کرتے ہوں یا غیر خدا کی اطاعت کے پابند نہ ہوں کیونکہ اس قسم کا نافرمان بھی تکذیب کرنے والوں میں سے شمار ہوتا ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾

ترجمہ: ''یہی وہ بات ہے جو بالکل برحق اور یقینی ہے۔''

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾

ترجمہ: ''لہٰذا اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح کرتے رہو۔''

حق اور یقین

اس جگہ '' حق ''علم کے معنی میں آیا ہے اس لحاظ سے کہ جب خارجی حقیقت و واقعیت کے مطابق علم حاصل ہو تو وہ حق ہے ''یقین'' اس حالت کو کہتے ہیں جس میں کسی شےء کا ابہام تک موجود نہ ہو۔ اس سورہ کے تمام تر مطالب کو بیان کرنے کے بعد اور انسانوں کے تین گروہ کے انجام کو بتانے کے بعد، قیامت کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے بعد، قرآن کی حقانیت میں دلائل دینے کے بعد، اللہ فرمارہا ہے کہ جو کچھ بیان ہوا ہے وہی واقعیت ہے اور حقیقت اسی طرح ہے اور پھر اتنے سارے دلائل دینے کے بعد اس بات میں کسی قسم کا ابہام اور شک نہیں رہ جاتا کہ قیامت نے ہر حال میں آنا ہے اور حساب ہونا ہے یومِ جزاء برحق ہے۔ اب جبکہ قرآن ایسے اوصاف و بیانات پر مشتمل کتاب ہے جس سے علم ملتا ہے ، حقائق سے آگہی ہوتی ہے ہر قسم کا ابہام و شک دور ہوتا ہے تو اے رسول ﷺ تم اللہ کی تسبیح کرو کہ اس نے اس کتاب کو تیرے قلب مبارک پر اتارا ہے کہ اللہ کی ذات بے عیب ہے، اس میں کوئی نقص نہیں، وہ غنی بالذات ہے اس کے نام سے مدد طلب کرو۔ آپ ہی ہیں کہ اللہ کے نام کا اظہار کرتے ہیں اور جو کچھ مشرکین اور یہ جھٹلانے والے کہتے ہیں ان سے اعراض کرو اور

انہیں نظر انداز کرتے رہو ان سے بے پرواہ رہو۔ پس اللہ کے نام کی (جو عظمت والا نام ہے) تسبیح کرو۔

سورۃ الحدید

(مدنی۔ کل آیات: ۲۹)

سورہ کے مطالب

مومنوں کو اللہ کی راہ میں انفاق کرنے پر آمادہ کرنا، عدل و انصاف کی حکومت کا قیام، ابتلاء (آزمائش) اور معاد سے متعلق بعض مطالب کا بیان۔ اللہ کی صفات کا تذکرہ، اللہ تعالیٰ کے لیے مومنین و صالحین کے لیے انعامات کا تذکرہ، تقوی و زہد کی دعوت اور اس کے فوائد۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١

ترجمہ: ”محوِ تسبیح پروردگار ہے ہر وہ چیز جو زمین و آسمان میں ہے اور وہ پروردگار صاحبِ عزت بھی ہے اور صاحبِ حکمت بھی ہے۔“

اللہ کی تسبیح

اللہ کی تسبیح کا معنی اللہ تعالیٰ کو ہر اُس صفت و کیفیت و حالت سے منزہ جاننا جو نقص کا سبب ہو۔ اور اس سے یہ تاثر ملے کہ اللہ کسی کا محتاج ہے۔ ایسے اوصاف اللہ کی ذات مقدس سے دور ہیں وہ ہر نقص و عیب اور حاجت سے پاک ہے، سب اسی کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ (ھو الغنی و انتم الفقراء) تمام موجوداتِ آسمان و زمین اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے ہر موجود اپنے خالق کے وجود اور اپنے موجد کی موجودگی کو اس کی تمام صفات کمالیہ کے آثار کو آشکار اور واضح کر رہا ہے ہر موجود اپنی موجودگی سے یہ بات ثابت کر رہا ہے کہ اس کا موجود اور خالق ہر نقص سے پاک ہے اور کامل ہے اس میں سب کمالات موجود ہیں تمام موجودات زبان سے بھی سبحان اللہ کہتے ہیں۔ ہر موجود کا تسبیح کرنے کا اپنا طریقہ ہے۔ ہر موجود کی زبان ہے ہم جسے نہیں سمجھتے قرآن مجید نے اس مطلب کو ایک اور آیت میں بیان کیا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (سورۃ الاسراء ۔ ۴۴)

ترجمہ: ''کوئی بھی موجود نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اللہ کی حمد بجالاتے ہوئے اللہ کی تسبیح کر رہا ہے لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔''

اللہ عزیز و حکیم ہے

اس آیت کے آخر میں اللہ کے دو اوصاف کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ عزیز ہے اللہ اپنی عزت کی وجہ سے بلند و اعلیٰ مقام رکھتا ہے کہ جس کے سامنے تمام طاقتیں، ہیچ اور مغلوب ہیں۔ اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنے سے اوپر کسی اور طاقت کے مجبور کرنے پر موجودات کو خلق نہیں فرمایا بلکہ اپنے ارادہ اور اختیارِ مطلق سے ہر شئی کو وجود عطا کیا ہے۔

اس کا ہر فعل، ہر کام اس کی حکمت و دانائی کی بناپر متقن و مستحکم ہے اس میں کوئی فساد و تباہی کا عنصر نہیں ہے اس نے آسمانوں اور زمین کے درمیان ارتباط و تعلق کو انتہائی منظم اور

مضبوط بنیادوں پر قرار دیا ہے اس میں کوئی خلل موجود نہیں ہے اس پر کسی قسم کا اعتراض موجود نہیں پس اس کی ہی تسبیح کرنی چاہیے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲

ترجمہ: ''آسمان و زمین کا کل اختیار اسی کے پاس ہے اور وہی حیات و موت کا دینے والا ہے اور ہر شے پر اختیار رکھنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی ملکیت و مالکیت

آسمانوں اور زمین کی ملکیت سب اللہ ہی کے لیے ہے وہی اس کا حقیقی مالک ہے لہٰذا تنہا اسی کا حکم اس کائنات پر چلے گا کیونکہ سب کو پیدا کرنے والا وہی ہے اور سب کو مارنے والا بھی وہی ہے۔ آسمانوں اور زمین کا وجود، ان کے سارے آثار و تاثیرات اور اثرات سب ہی اللہ کی طرف سے ہیں اسی بات کو بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آسمانوں اور زمین میں سب کچھ اللہ کا ملک ہے کیونکہ وہ حیات دیتا ہے وہی موت دیتا ہے یُمیت کا معنی ''مارنے'' کا ہے چاہے مارنا حیات کے بعد ہو جیسے انسانوں کے لیے حیات کے بعد موت ہے یا جمادات کہ وہ پہلے بھی حیات نہ رکھتے تھے ان کے وجود کو ختم کرنا مراد ہوگا یعنی ان سے استفادہ ختم ہو جائے اور وہ اپنی ہیئت و شکل میں نہ رہیں۔

دو متضاد الفاظ ''یحی و یمیت'' کا استعمال کیا گیا ہے، جس میں استمرار اور عمل کے مسلسل انجام پانے کی طرف اشارہ ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ مسلسل بلا وقفہ مارنے اور حیات دینے اور موت دینے کے عمل کو جاری رکھے ہوئے ہے موت و حیات کا سلسلہ جاری و ساری ہے اس کی علت

اور وجہ بھی بتادی یہ سب اس وجہ سے ہے کہ قادر مطلق اللہ کی ذات ہے اس کی قدرت مطلقہ ہے جس کے سبب ہے وہ موجود کو زندگی دیتا ہے تو وہ اس کو مارنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ اسی طرح وہ تمام اشیا جن پر اثر و نشانی بھی باقی نہ رہے تو وہ سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ یہ سب اس کی قدرت کا اظہار ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: ''وہی اوّل ہے وہی آخر وہی ظاہر ہے وہی باطن اور وہی ہر شے کا جاننے والا ہے''

الکافی میں جلد ا حضرت امام علی بن الحسین علیہما السلام سے ایک حدیث نقل ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ آخری دور کے لوگ اہل تحقیق ہوں، گہری سوچ رکھتے ہوں، عملی میدانوں میں بہت زیادہ گہرائی میں جائیں گے، ان کے فہم و ادراک کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ توحید اور سورہ حدید کی ابتدائی آیات کو اتارا۔

اللہ کی مالکیت اور قدرت مطلقہ کا نتیجہ

پہلے بیان کیا کہ پوری کائنات کا اللہ مالک ہے اور قدرت مطلقہ اللہ کے لیے ہے وہی غالب و حکیم اور وعلیم ہے۔ اب اس سے نتیجہ لیا ہے کہ پس جب ہر ایک شئی کا خالق اللہ ہے تو پھر اسے ہی اول ہونا چاہیے۔ یعنی وہ اپنے سوا ہر شئی کا اول ہے اس سے پہلے کوئی اول نہیں ہے۔ اسی طرح ہر چیز جسے ہم آخری تصور کریں تو اللہ اس کے بعد بھی موجود ہوگا کیونکہ ہم نے بیان کیا ہے کہ اللہ کا ہر چیز پر احاطہ ہے ہر شئی سے پہلے بھی اور ہر شئی کے بعد بھی اللہ ہی کا دائرہ اختیار ہے اور وہی محیط ہے اسی طرح ہم جس چیز کو ظاہر فرض کریں تو اللہ اس سے زیادہ ظاہر ہے۔ اس احاطہ کی وجہ سے جو اس کی قدرت کا اس شئی پر ہے جب وہ اس شئی پر محیط ہے تو اس شئی کا جو بھی ظہور ہے وہ اللہ کے ظہور کے بعد ہے لہٰذا ظہور کے لحاظ سے بھی سب سے

مافوق ہے پس خود خدا ظاہر ہے ہم نے اسے ظاہر نہیں کرنا۔ اسی طرح ہر چیز جس کا باطن فرض کیا جائے اللہ اپنی قدرت کے احاطہ کی وجہ سے اس کے ماوراء بھی موجود ہے کیونکہ وہی ہے کہ اس نے اس چیز کو مخفی کیا ہے لہٰذا باطن بھی اللہ سے ہے، نہ کہ وہ جسے ہم باطن فرض کریں گے ہر چیز کے احاطہ کے نتیجہ میں کوئی چیز بھی اللہ سے پہلے نہیں، اللہ کے بعد نہیں اور کوئی چیز بھی اللہ سے زیادہ ظاہر نہیں بلکہ ہر شئی کا ظہور اللہ سے ہے اور کسی کا باطن نہیں بلکہ ہر شئی کا باطن بھی اللہ ہے۔ اللہ کے مافوق کوئی نہیں صفات اول وآخر و باطن بطور مطلق اللہ کے لیے ہیں اگر غیر خدا میں یہ صفات موجود ہیں تو نسبی ہیں اللہ کی عنایت سے ہیں۔ یہ چاروں اسماء اللہ کی قدرت سے نکلتے ہیں اسی طرح ان میں سے ہر ایک اللہ کے علم مطلق سے مربوط ہوتا ہے۔ اللہ ہر چیز کی ایجاد سے پہلے اور اس کے خاتمہ کے بعد اس پر عملی احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اسی لیے آخر میں اللہ کی صفت علم کو بیان کیا ہے کہ اللہ ہر چیز کے بارے آگاہ ہے۔ اس کے پاس ہر چیز کا علم ہے اس پر کچھ مخفی نہیں ہے اس کے سامنے کسی کا باطن نہیں کہ جو اس کے سامنے نہ ہو ہر شئی کا ظاہر بھی اللہ کے سامنے ہے اور ہر شئی کا باطن بھی اللہ کے سامنے ہے ہر چیز کا ظہور اللہ ہی سے ہے اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ انسانی عقلیں اللہ کے وجود اور اس کے باطن کے ادراک سے ناتواں بھی ہیں، وہی اول وآخر اور ظاہر و باطن ہے۔

ظاہر اسے کہتے ہیں جو سامنے نظر آئے اور باطن اسے کہتے ہیں جو پوشیدہ ہے انسانوں کا باطن ہے تو وہ اللہ کے لیے ظاہر ہے حقیقت میں وہ باطن نہیں بلکہ جدید ترقی یافتہ دور میں انسان کے باطن کو بھی جانا جا سکتا ہے جو اس کے جلد کے پیچھے ہے لہٰذا اللہ ہی ہے جو حقیقی طور پر ظاہر ہے کہ ہر موجود اللہ کے وجود پر دلیل ہے اور اللہ ہی باطن ہے کہ وہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی حقیقت ناقابل تردید ہے جس سے آگہی انسان کے لیے ممکن نہیں لہٰذا ظاہر بھی اللہ ہے اور باطن بھی اللہ ہی ہے۔

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡهَا وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡهَا ؕ وَ هُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۴﴾

ترجمہ: ''وہی وہ ہے جس نے زمین وآسمان کو چھ دن میں پیدا کیا ہے اور پھر عرش پر اپنا اقتدار قائم کیا ہے وہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتی ہے یا زمین سے خارج ہوتی ہے اور جو چیز آسمان سے نازل ہوتی ہے اور آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی رہو اور وہ تمہارے اعمال کا دیکھنے والا ہے۔''

چھ ایام

چھ ایام کے بارے سورہ اعراف، سورہ یونس اور سورہ ہود میں گفتگو ہو چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور پورا عالَم جو مشہود ہے اسے چھ مراحل میں خلق فرمایا ہے ان مراحل کی تشکیل کے چھ دورانیے تھے جس میں یہ پورا عالَم مکمل ہوا۔

عرش الٰہی

عوالَم مشہود کی خلقت کے بعد پورے عوالَم کی تدبیر اور اس کے متعلق اوامر جاری کرنے پر تسلط کو عملی شکل دی گئی ان سب کی تدبیر کا سلسلہ شروع ہوا اور تدبیر کے لوازم سے تمام اشیا کی جزئیات سے آگہی ہوئی۔ یہ لفظ اللہ کی ربوبیت اور اقتدارِ اعلیٰ کا بیان ہے

اللہ کا علم مطلق

اللہ کا علم مطلق ہے وہ تمام عوالَم کی جزئیات سے آگاہ ہے اسی مطلب کو ان آیات میں خلقت عوالَم اور ان کے نظم و تدبیر کو بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے وہ جانتا ہے کہ زمین میں کونسی چیز نفوذ کرتی ہے جیسے بارش کا پانی اور نباتات کے بیج وغیرہ اور کیا چیز زمین سے باہر نکل رہی ہے جیسے نباتات، حیوانات، چشموں کا ابلتا پانی اور وہ جانتا ہے کہ زمین پر کیا اثر کر رہا ہے جیسے بارش، برف، اجسام کی نورانی شعاعیں اور فرشتوں کا عمل اور وہ کچھ جو زمین سے اوپر جاتا ہے جیسے بخارات، فرشتوں کا اوپر جانا، انسانوں کے اعمال کا اوپر جانا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں پر بھی ہو جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام سے بیان نقل کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیا کے ساتھ ہے لیکن وہ حلول و اختلاط و ملاوٹ کے طور پر ساتھ نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وہ کسی سے جدا بھی نہیں جس طرح ایک چیز دوسرے سے جدا ہوتی ہے کیونکہ اللہ کا سب اشیا پر احاطہ ہے لہٰذا کوئی جگہ یا کسی چیز کی کوئی حالت اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے اللہ کا احاطہ علمی، احاطہ وجودی اور احاطہ قدرتی ہے یعنی خدا ہر اعتبار سے اپنے بندوں پر محیط ہے۔ ساری اشیا اپنی ذوات اور اپنی ذوات کی تاثیرات میں اللہ سے وابستہ ہیں۔ آخر میں فرمایا جو کچھ تم انجام دیتے ہو وہ سب سے آگاہ ہے۔ اللہ کا علم مُطلق جو اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے تمام اعمال سے آگاہ ہو وہ ان کے اعمال کے ظاہر سے آگاہ ہو اور ان کی اندرونی کیفیات اور ان کے باطن تک سے بھی آگاہ ہو۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۵﴾

ترجمہ: "آسمان و زمین کا ملک اسی کے لیے ہے اور تمام امور کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔"

اللہ کی مالکیت

سابقہ بات کی مزید تاکید کی ہے کہ آسمانوں اور زمین کی مالکیت اللہ کی ذات میں منحصر ہے اسی وجہ سے تمام امور کی بازگشت اللہ کی طرف ہے ہر چیز کا مالک اللہ ہے تو ان کے بارے فرمان دینا، ان پر حکمرانی کرنا، ان کے بارے احکام صادر کرنا فقط اللہ ہی کے لیے ہے لہٰذا جس طرح ہر چیز کا آغاز اللہ سے ہے، ہر چیز کا اختتام اور انجام بھی اللہ کی طرف ہے کوئی بھی سبب اللہ کی طرف پلٹ جانے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا کیونکہ ملک و سلطنت، حکومت و اختیار، امر و فرمان فقط اللہ ہی کا چلتا ہے کسی اور کا نہیں۔

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٦﴾

ترجمہ: ”وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کے رازوں سے بھی باخبر ہے۔“

شب و روز کا انتظام

دن اور رات کا آنا جانا، دونوں سے ہفتہ اور ہفتوں سے ماہ اور ماہ سے سال بننا، سال کو چار موسم میں تقسیم کرنا یہ سب ایک متعین نظام ہے جو نظام شمسی کے تحت چل رہا ہے لہٰذا دن رات کا کم یا زیادہ ہونا، شمال اور جنوب، رات دن کا اختلاف باقی جگہوں سے مختلف ہونا، ایک دوسرے کے برعکس وجود میں آنا یہ سب اللہ کی قدرت سے ہے۔

ذات الصدور سے مراد

یعنی سینہ رکھنے والے، اس سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ پوشیدہ ہے مخفی تصورات، انسان کے خیالات ،انسان جو کچھ اپنے سینوں میں راز بنا کر رکھتے ہیں اللہ ان سب سے آگاہ ہے کہ علمِ مُطلق اللہ کے لیے ہے یہی علم ہے کہ اللہ سب کچھ سے آگاہ ہے، اللہ سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

ترجمہ: ”تم لوگ اللہ و رسول پر ایمان لے آؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب قرار دیا ہے - تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے راہِ خدا میں اموال کو خرچ کیا تو ان کے لیے اجر عظیم ہے۔“

مومنین کے لیے انفاق کی ہدایت

اس جگہ مومنوں سے خطاب ہے کہ جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لا چکے ہیں وہ اپنے اموال سے انفاق کریں۔ اللہ کی راہ میں انفاق کرنے سے ایمان کا درجہ اور بلند ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سابقہ افراد کا جانشین بنایا ہے یہ مال پہلے کسی اور کے پاس تھا اب آپ کے پاس ہے اس بات سے اشارہ دیا گیا ہے کہ مال تو اللہ کا ہے اللہ ہی ہے جو اس مال کو گھماتا رہتا ہے کبھی کسی کے پاس اور کبھی کسی کے پاس ہوتا ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں اس مال کا مالک بنایا ہے مومنوں کو مال کا خلیفہ بنایا ہے یا تو تم اللہ کے مال کے خلیفہ ہو یا پھر گزرے ہوئے لوگوں کے اموال کے خلیفہ ہو۔ یہ اس لیے بیان کیا ہے کہ مومنین متوجہ ہوں یہ مال ان کے پاس امانت ہے مال بے وفا ہے بہت جلد یہ مال کسی اور کے پاس چلا جائے گا۔

اس سے بہتر اور کیا ہو گا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اس طرح اپنے لیے آخرت کا ذخیرہ کرو۔
اس کے بعد یہ بتا دیا ہے کہ تم جو خرچ کروگے تو اس کا تمھیں بڑا اجر ملے گا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾

ترجمہ: ''اور تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خدا پر ایمان نہیں لاتے ہو جب کہ رسول تمھیں دعوت دے رہا ہے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ اور خدا تم سے اس بات کا عہد بھی لے چکا ہے اگر تم اعتبار کرنے والے ہو۔''

ایمان سے مراد

ایمان سے مراد وہ ایمان ہے جس کی تاثیر ہو۔ ایمان کا ایک اثر اپنے مال سے انفاق کرنا ہے۔ گویا متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے ایمان کی تاثیر نہیں اگر تم اللہ کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے جبکہ اللہ کا رسول تمھیں دعوت دے رہا ہے کہ اللہ پر ایمان لے آؤ، اللہ تمہارا رب ہے اور تم نے جو روزِ الست اللہ پر ایمان لانے کا پیمان باندھا تھا اسے پورا کرو۔ یہ میثاق وہی ہے جس کا اظہار کلمہ شہادتین سے ہر مسلمان کرتا ہے جو ایمان نہیں لاتے تو گویا وہ اس عہد کی مخالفت کرتے ہیں جو انہوں نے روز الست کیا تھا اس لحاظ سے ایسے افراد کی مذمت کی گئی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩﴾

ترجمہ: ''وہی وہ ہے جو اپنے بندے پر کھلی ہوئی نشانیاں نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکال کرلے آئے اور اللہ تمہارے حال پر یقیناً مہربان و رحم کرنے والا ہے۔''

آیات الٰہی، روشن دلیلیں

اس سے مراد قرآن کریم کی وہ آیات ہیں جن میں دینی فرائض کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ نے قرآن اپنے عبد (بندے) پر نازل فرمایا ہے۔ یہ قرآن اس لیے بھیجا تاکہ اللہ کا رسول تمہیں کفر و جہالت کی تاریکیوں سے نکالے اور نور ہدایت و ایمان کی وادی میں لا کھڑا کرے۔ اللہ کے رسول پر ایمان لانا بھی اللہ پر ایمان لانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب ایمان لانے کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد اللہ پر ایمان لانا ہوتا ہے کیونکہ جو بھی انہیں رسول کے عنوان سے قبول کرے گا تو گویا اس نے اللہ کو قبول کر لیا ہے اور اللہ پر ایمان لے آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کی خیر و صلاح اور اچھائی چاہتے ہیں، ان کی بھلائی کی بات کرتے ہیں اللہ رؤف و رحیم ہے اپنے بندوں پر مہربان ہے اسے اپنے بندوں بہت ہی پیارے ہیں اس سے لوگوں کو ترغیب دلائی ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئیں اور قرآنی احکام پر عمل کریں۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۰

ترجمہ : ''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے ہو جب کہ آسمان و زمین کی وراثت اسی کے لیے ہے اور تم میں سے فتح سے پہلے انفاق کرنے والا اور جہاد کرنے والا اس کے جیسا نہیں ہو سکتا ہے جو فتح کے بعد انفاق اور جہاد کرے۔ پہلے جہاد کرنے والے کا درجہ بہت بلند ہے اگرچہ خدا نے سب سے نیکی کا وعدہ کیا ہے اور وہ تمہارے جملہ اعمال سے باخبر ہے۔''

اللہ کی میراث اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

اس جگہ یہ بات لوگوں کے ذہن نشین کرائی جارہی ہے کہ سب کچھ اللہ کا ہے، آسمان وزمین اللہ کے ہیں اس میں جو رزق و روزی ہے یہ سب اللہ کی طرف سے ہے، دوسروں کے پاس جو اموال ہیں ان کی مالکیت اعتباری ہے حقیقی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس لیے لوگوں کو حق دے دیا ہے کہ تاکہ یہ لوگ دنیاوی معاملات کو منظّم کر سکیں۔ تمام انسان ایک مدت گزارنے کے بعد مر جائیں گے اور ان کی مالکیت دوسروں کو منتقل ہو جائے گی۔ اموال دست بدست گھومتے ہیں یہ سب کچھ فانی ہے اللہ ہی باقی ہے۔ آسمان و زمین کی وراثت اللہ کی ہے جو کچھ زمین وآسمان میں ہے اللہ ہی کا ہے۔ جب ایسا ہے کہ تمہارا اپنا کچھ بھی نہیں ہے جو کچھ آپ کے پاس ہے سب عارضی ہے تو پھر تم اللہ کی راہ میں کیوں خرچ نہیں کرتے ہو اس کلام میں بخیل اور کنجوسوں کو ڈانٹا جارہا ہے اور ان کی مذمت کی جارہی ہے پھر دو گروہوں کا تذکرہ کیا کہ:

۱۔ وہ لوگ جو جنگ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے اور پھر جنگ میں بھی شرکت کی۔

۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو جنگ میں شریک ہے اور فتح کے بعد انفاق کرتے ہیں یہ دوسرا گروہ برابر نہیں ہیں۔ اس جگہ فتح سے مراد فتح مکہ ہے یا فتح حدیبیہ ہے۔

ظاہر یہ ہے کہ اس جگہ انفاق سے مراد جہاد کی راہ میں خرچ کرنا ہے نیز یہ بھی اشارہ دے دیا کہ انفاق میں جتنی جلدی کی جائے تو یہ بہتر ہے۔ یہ عمل اللہ کے ہاں محبوب تر اور جلدی کرنے والوں کے لیے بڑا اجر ہے۔ آخر میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ دونوں کو اجر دے گا دونوں ہی قابل تعریف ہیں۔ اس بیان سے دوسرے گروہ کو تسلی دی ہے کہ وہ بھی مطمئن رہیں کہ ان کے لیے بھی اجر و ثواب ہے اور جو ڈانٹ پلائی ہے وہ ان کے لیے ہے جو ہر حال میں کنجوس ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ پھر فرمایا کہ تم جو بھی اعمال کرتے ہو اللہ اس سے آگاہ ہے۔ اللہ ہی ہے کہ جس نے تمہیں اپنے مال کا جانشین بنایا ہے اور تمہیں اللہ ہی نے روزی دی ہے ان اموال کو اللہ نے بطور امانت تمہارے درمیان میں رکھا ہے، تمہاری بازگشت اللہ کے پاس ہے جب ایسا ہے تو پھر اللہ کے اموال سے خرچ کرنے میں کنجوسی کا جواز نہیں ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا انتہائی پستی، گھٹیا پن اور کنجوسی کے سوا کچھ نہیں۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَ لَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کو دوگنا کردے اور اس کے لیے باعزّت اجر بھی ہو۔''

اللہ کے لیے قرض دینا

اللہ کی کریمی کے لیے سب کچھ اس کا ہے مال بھی اس کا ہے اور بندے بھی اسی کے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے کہ تم اللہ کے دیئے ہوئے مال سے اللہ کو قرض دو، اللہ کی راہ میں خرچ ہونے والے مال کو اللہ نے قرض کا عنوان دیا ہے کہ قرض جو دیتا ہے وہ اس قرض کی واپسی چاہتا ہے۔ اللہ فرما رہا ہے: یہ اللہ کی جانب سے اپنے بندے پر فضل و کرم ہے اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنے بندے کو قانونی اور شرعی لحاظ سے اسے اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرایا ہے اور انفاق کو بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لیے قرض دیا ہے۔ اس آیت میں انفاق کے بارے بہت

زیادہ تشویق ہے ایسی تشویق جو ناقابل تصور ہے۔ سوال کیا کہ کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ گویا کہ باقاعدہ ندا دی جارہی ہے کہ اللہ کو قرض دو اور پھر اس قرض کی واپسی چنداں برابر لے لو جب بندے کے انفاق کو اللہ کے لیے قرض قرار دیا تو وہ قرض خدا کو واپس کرنا ہوگا پھر اللہ نے بھی یہ وعدہ دیا ہے کہ اللہ اسی قرض کو واپس نہ کرے گا بلکہ اس سے زیادہ واپس کرے گا اور زیادہ واپسی کے ساتھ اجر و کرم بھی عطا کرے گا۔ مال تو واپس ملے گا اور جو دیا ہے اس سے زیادہ ملے گا لیکن اس عمل کا اجرِ کریم بھی ہے۔ اجر کریم ایسا اجر ہے جو اپنی نوع کے لحاظ سے پسندیدہ ترین ہو اور اُخروی اجر اسی طرح ہی ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۚ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”اس دن تم باایمان مرد اور باایمان عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور داہنی طرف چل رہا ہے اور ان سے کہا جارہا ہے کہ آج تمہاری بشارت کا سامان وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور تم ہمیشہ ان ہی میں رہنے والے ہو اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔“

قیامت کے دن مومنین کی کیفیت

اس جگہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور ہر اس شخص کے لیے بھی جس میں اس منظر کو دیکھنے کی صلاحیت موجود ہے کہ وہ قیامت کے دن مومنوں کو اس کیفیت میں نظارہ کریں گے کہ ایک نور ہوگا جو ان کے آگے آگے اور دائیں جانب چل رہا ہوگا اور اس سعادت کی طرف دوڑا جارہا ہوگا جس میں اس مومن مرد یا مومنہ عورت کو پہنچنا ہے ایسے لوگوں

کے لیے اللہ کی طرف سے بہشت کے درجات و مقامات طے شدہ اور آمادہ ہیں۔ وہ جگہیں ان کی انتظار میں ہیں ہر لحظہ ان کے لیے ایک کے بعد دوسرا درجہ اور مرتبہ روشن اور واضح ہوتا چلا جائے گا۔ ان کے لیے قرب کے تمام مقامات روشن ہوں گے اس وقت فرشتے انہیں بشارت دیں گے آج تمہارے لیے بشارت ہے ایسی جنت کی کہ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں کہ تم ہمیشہ ان مقامات میں رہو گے آخر میں اللہ نے فرمایا کہ اے مومنو! تمہارے آگے اور دائیں نور کا چلنا اور تمہارے مقامِ قرب کو پانا اور جنت میں ہمیشہ کی سکونت یہ تمہارے واسطے بڑی کامیابی ہے۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں صاحبانِ ایمان سے کہیں گے کہ ذرا ہماری طرف بھی نظر مرحمت کرو کہ ہم تمہارے نور سے استفادہ کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے کی طرف پلٹ جاؤ اور اپنے شیاطین سے نور کی التماس کرو اس کے بعد ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس کے اندر کی طرف رحمت ہو گی اور باہر کی طرف عذاب ہو گا۔“

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَ تَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اور منافقین ایمان والوں سے پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے تو وہ کہیں گے بیشک مگر تم نے اپنے کو بلاؤں میں مبتلا کر دیا اور ہمارے لیے مصائب کے منتظر رہے اور تم نے رسالت میں شک کیا اور تمہیں تمناؤں نے دھوکہ میں ڈالے رکھا یہاں تک کہ حکم خدا آگیا اور تمہیں دھوکہ باز شیطان نے دھوکہ دیا ہے۔''

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّ لَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۵

ترجمہ: ''تو آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ کفار سے تم سب کا ٹھکانا جہنّم ہے وہی تم سب کا صاحب باختیار ہے اور تمہارا بدترین انجام ہے۔''

قیامت کے دن منافقوں کی خواہش

قیامت کے دن منافقوں کے ہر جانب تاریکی ہو گی اور اس تاریکی نے ان کا محاصرہ کر رکھا ہو گا۔ اس دن سارے مجبور ہیں کہ اس طرف جائیں جو جگہ ان کے لیے طے شدہ ہے۔ منافقین اپنے ٹھکانے کی طرف جا رہے ہوں گے اسی اثنا وہ مومنین کو دیکھیں گے کہ ان کے آگے نور ہے ان کے دائیں جانب نور ہے وہ اس نور کے سائے میں آگے بڑھ رہے ہیں جبکہ کافروں کا تاریکی نے گھیراؤ کر رکھا ہے انہیں نہیں معلوم کہ وہ کدھر جائیں لہٰذا وہ پیچھے رہ جائیں گے یہی حالت منافقین کی ہو گی۔ اس حالت میں منافقین مومنوں سے درخواست کریں گے کہ تم تھوڑی دیر کے لیے ہمارے واسطے رک جاؤ، ہمارا انتظار کر لو تاکہ ہم بھی آپ کے ساتھ ملحق ہو جائیں اور تھوڑا سا نور تم سے ہم بھی لے لیں۔ یعنی اس روشنی سے فائدہ اٹھا لیں لیکن وہاں پر موجود فرشتے یا مومنوں کے بڑے جو مقام اعراف پر موجود ہیں وہ ان منافقوں

اور کافروں کو ڈانٹ دیں گے اور انہیں طعنہ دیں گے کہ تم دنیا میں واپس پلٹ جاؤ وہاں سے اپنے لیے نور لے آؤ کیونکہ یہ نور جو ہمیں اس جگہ ملا ہے یہ دنیا میں ایمان لانے اور نیک عمل کرنے کا اثر ہے جبکہ تمہارا تو دنیا میں ایمان بھی نہیں تھا اور عملِ صالح بھی نہ تھا۔

اس حالت میں مومنوں اور ان منافقوں و کافروں کے درمیان ایک دیوار حائل ہو جائے گی اس میں ایک دروازہ ہو گا جس سے منافق مومنوں کو دیکھ رہے ہوں گے اور منافقوں کو مومنین دیکھ رہے ہونگے۔ منافقین مومنین کی کیفیت کو دیکھ کر حسرت کا شکار ہوں گے۔ اس دیوار کے اندر مومنین ہیں ان پر رحمت و مغفرت کا سایہ ہے اور اس کے باہر جو ہیں وہاں گرمی ہے آگ ہے عذاب ہے اور بدبختی ہے۔

جس طرح مومنین دنیا میں ایمان سے آراستہ اور نیک عمل کی وجہ سے اللہ کی رحمت و مغفرت سے بہرہ ور ہیں جبکہ منافقین ایمان نہ لائے گویا دیوار جو ہے یہ دنیا میں ایمان کا جسم ہے ایمان مضبوط قلعہ ہے مومنین کے لیے اور جو ایمان سے خارج رہے ان کے لیے عذاب ہے، تکلیف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا: كَلِمَةُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حِصْنِیْ فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِیْ اٰمَنَ مِنْ عَذَابِیْ۔ (''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا کلمہ میرا مضبوط حصار ہے۔ مضبوط قلعہ و دیوار ہے جو اس میں آگیا وہ میرے عذاب سے بچ گیا)۔ قیامت کے دن یہی ایمان اور کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دیوار اور حصار ہو گی۔ مومنوں کی اچھی منزلت اور ان کے آرام اور سکون کو دیکھ کر چیخ و پکار کریں گے اور اس وقت وہ مومنوں سے کہیں گے کہ کیا ایسا نہیں کہ ہم دنیا میں دین کے ظاہری معاملات میں تمہارے ساتھ نہ تھے یعنی ہم نے بھی تو دین کو قبول کر رکھا تھا۔ کلمہ پڑھتے تھے مومنین جواب میں کہیں گے کہ ٹھیک ہے لیکن امتحان میں تم نے خود کو ہلاکت میں ڈال دیا تم ہمیشہ انتظار میں رہتے تھے کہ دین پر کوئی مصیبت آئے اور اہل دین جو ہیں وہ کمزور ہوں اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں یا ہمیشہ دین اور دین والوں کو کمزور کرنے کی سازشیں کرتے رہتے تھے۔ تمہاری جو لمبی چوڑی آرزوئیں تھیں کہ دین ختم ہو جائے، دین والے تباہ ہو

جائیں، ان خواہشات نے تمہیں ہلاکت میں ڈال دیا۔ شیطان نے تمہیں ورغلاء رکھا تھا وہ کہتا تھا کہ تم مت ڈرو، گناہ و معصیت سے خوف مت کھاؤ کیونکہ اللہ تمہیں معاف کر دے گا اسے جھوٹے وعدے نے تمہیں گناہوں پر پابند کر دیا تھا اور اس کے نتیجہ کو آج تم سامنے پا رہے ہو۔

آج تم منافقوں سے اور تمہارے ہم مسلک اور ہم نشین کافروں سے کسی قسم کا معاوضہ اور بدلہ قبول نہ کیا جائے گا کہ تم عذاب سے نجات پاؤ۔ آج ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے:

''كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ'' (سورہ مدثر آیت ۳۸)

آج تمہارا ٹھکانہ آگ ہے، آج یہی آگ ہی ہے جو تمہارے لیے مددگار و یاور ہے تمہارے تمام معاملات اس کے سپرد ہیں جس طرح دنیا میں تمہارے سرپرست کافر تھے ان کو اپنا سرپرست بنا لیا۔ آج بھی وہی تمہارے سرپرست ہیں اور آگ تمہارا ٹھکانہ ہے اور کتنا ہی برا ٹھکانہ ہے جو تم نے خود اپنے لیے قرار دیا ہے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ لَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''کیا صاحبانِ ایمان کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ان کے دل ذکر خدا اور اس کی طرف سے نازل ہونے والے حق کے لیے نرم ہو جائیں اور وہ ان اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں کتاب دی گئی تو ایک عرصہ گزرنے کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے اور ان کی اکثریت بدکار ہو گئی۔''

مومنین کے لیے خصوصی ہدایت

خشوعِ قلب، ایسی حالت ہے جو اللہ کی عظمت و کبریائی کا مشاہدہ کرنے کے بعد دل پر طاری ہوتی ہے اس آیت میں مومنوں سے کہا گیا ہے کہ جب تم ایمان لے آئے ہو تو پھر ایسا ہونا چاہئے کہ جب اللہ کی یاد آئے، جب قرآن سے معارفِ حقہ کو سنیں تو بلا توقف مومنین اللہ کی عظمت و کبریائی سے متاثر ہوں اور حالت خشوع دلوں پر طاری ہو جائے۔ اس آیت کا ظاہر تو یہ ہے کہ مومنوں کو تنبیہ کی جارہی ہے، اس آیت میں ان کی سرزنش ہے کہ ایمان کے بعد ہونا تو یہ چاہئیے کہ تمہارا دل خاشع ہو، تمہارے اندر عاجری ہو جبکہ تمہارا دل سخت ہے، دلوں سے خشوع و خضوع کی کیفیت غائب ہے۔ پھر فرمایا کہ تم سابقہ اُمتوں کی مانند نہ ہو جاؤ کہ وہ اہل کتاب تھے لیکن پھر اس پر عمل نہ کیا۔ انہیں لمبی مہلت دی گئی انہوں نے اسے فضولیات میں گزار دیا اور ان کے دل سنگ ہو گئے، خشوعِ قلب ان سے جاتا رہا اور ان میں سے زیادہ اللہ کی بندگی سے نکل گئے۔

اس آیت میں ایک مہربان باپ کی طرح اللہ اپنے مومن بندوں کو متوجہ کر رہا ہے اور ان پر شفقت فرماتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ تم پچھلی امتوں کی طرح نہ ہو جانا۔ اس طرح تمہارا ایمان جاتا رہے گا۔ اپنے دلوں میں اللہ کے مقام کا خوف رکھو، اللہ کا ڈر دل میں ہو، اللہ کی عظمت و کبریائی کے سامنے خشوع و خضوع ہو، اللہ کی نافرمانی نہ کرو اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرو۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''یاد رکھو کہ خدا مردہ زمینوں کا زندہ کرنے والا ہے اور ہم نے تمام نشانیوں کو واضح کرکے بیان کر دیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لے سکو۔''

مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا

اس آیت میں مردوں کے زندہ ہونے کو ایک مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ زمین جو ویران ہو جاتی ہے اس پر فصل موجود نہیں ہوتی، غیر آباد کہلاتی ہے۔ زمین کی موت یہی ہے کہ اس پر سبزہ موجود نہ ہو پھر اللہ کی طرف سے انتظام ہوتا ہے، موسم بدلتا ہے بارش کا پانی برستا ہے اور زمین پھر سے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ سنگدلوں کو ایمان کی روشنی سے تازگی دیتا ہے، ان میں نورانیت آجاتی ہے یہ قرآن مردہ دلوں کو زندہ کرنے کے لیے ہے۔ جس طرح بارش کا پانی مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ اس طرح قرآن کی آیات جب پڑھی جائیں تو دل خوف کھا جاتے ہیں، ان میں ڈر پیدا ہو جاتا ہے اور خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ اپنے دین کو ایسے نہیں چھوڑتا اگر تم مومنین خاشع نہ ہوگے اور تمہارے اوپر اللہ کی آیات کا اثر نہ ہوگا تو پھر تمہاری جگہ ایک اور قوم آجائے گی وہ اللہ کی یاد پر خاشع ہوں گے، ان کے دلوں میں خوف ہوگا اور اللہ کے دین کی مدد کریں گے۔

ایک اور جگہ اللہ نے فرمایا ہے:

وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ۙ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ (سورہ محمد، آیت نمبر 38)

ترجمہ: ''اگر تم اللہ کے ذکر سے اعراض کرو گے، منہ موڑ لو گے، بے توجہی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ ایک اور قوم کو لے آئے گا''۔ اس آیت میں متوجہ کیا گیا ہے کہ اللہ کی واضح آیات اس لیے ہیں تاکہ تم سمجھو اور اپنی اصلاح کرو ایمان کے بعد خاشع و خاضع بنو، اللہ کی یاد پر بے پرواہ نہ ہو۔ اللہ کی آیات کا تمہارے دلوں پر اثر ہونا چاہئے، ایمان کی نشانی دلوں کا خاشع ہونا ہے۔

اِنَّ الۡمُصَّدِّقِیۡنَ وَ الۡمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقۡرَضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَہُمۡ وَ لَہُمۡ اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ”بیشک خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور جنہوں نے راہ خدا میں اخلاص کے ساتھ مال خرچ کیا ہے ان کا اجر دوگنا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بڑا باعزّت اجر ہے۔“

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے

اس آیت میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی تشویق کی گئی ہے کہ جو اللہ کی راہ میں صدقہ دیتا ہے اس کا بڑا اجر ہے۔ صدقہ کا بدلہ؟ برابر ہے اور جو صدقہ سے آگے بڑھ کر اللہ کو قرضہ دیتا ہے تو قرض دینے والے کا اجر کئی گنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہاں پر اللہ کی راہ میں صدقہ دینے والوں کے مال کو اس طرح شمار کیا ہے کہ گویا انہوں نے اللہ کے پاس قرض رکھ دیا ہے لہٰذا ان کا ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے لیکن دنیا میں اس کے مال پر اضافہ ہوگا آخرت میں اس کا اجر ملے گا جو قابل ستائش ہوگا اور بہت ہی عمدہ ہوگا اور وہ بڑا اجر اور اجر کریم جنت الفردوس اور جنت کی نعمات ہیں جو اسے ملیں گی۔

پیغام: دنیا میں رہ کر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو، اللہ کی خوشنودی کے لیے صدقات و خیرات دو اس کا بڑا اجر ہے اور دنیاوی فوائد بھی ہیں۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ایمان کی نشانی بھی ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖۗ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۧ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''اور جو لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لائے وہی خدا کے نزدیک صدیق اور شہید کا درجہ رکھتے ہیں اور ان ہی کے لیے ان کا اجر اور نور ہے اور جنہوں نے کفر اختیار کرلیا اور ہماری آیات کی تکذیب کردی وہی دراصل اصحاب جہنّم ہیں۔''

خالص ایمان والے

جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول پر سچا ایمان لاتے ہیں ان کے ایمان میں ملاوٹ نہیں ہوتی تو اللہ کے ہاں انہیں صدیق اور شہید قرار دیا جاتا ہے ان کے لیے بھی صدیقین اور شہداء والا اجر اور نور ہوگا یعنی ایسے لوگ صدیقین اور شہداء کے ساتھ ملحق ہوں گے اور ان کے ساتھ شہداء اور صدیقین والا معاملہ کریں گے جیسا کہ سورہ نسا کی آیت ۶۹ میں ہم نے بیان کیا ہے کہ صدیقین وہ لوگ ہیں جن کی گفتار اور کردار میں ملکہ و صلاحیت پیدا ہو جائے گی یہی وہ شہداء ہیں جو قیامت کے دن لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوں گے اس سے مراد وہ نہیں جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اگر مومن اپنے بستر پر جان دے تو اس کے لیے شہید کا ثواب ہے۔

اس جگہ یہ بتانا مقصود ہے کہ جو حقیقی مومن ہیں ان کے ساتھ صدیقین اور شہداء جیسا معاملہ کیا جائے گا اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کا یہ استحقاق ہے بلکہ یہ اللہ کا فضل ہوگا اور اللہ کے خصوصی فرمان سے ایسا ہوگا البتہ بعض مفسرین نے شہداء کو صدیقین پر عطف نہیں کیا اس عبارت کا معنی اس طرح کیا ہے کہ جو افراد اللہ اور اللہ کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں تو وہ ہی صدیقین ہیں اور شہداء کے لیے اللہ کے پاس اجر اور نور ہے۔ تو اس معنی کے لحاظ سے

یہاں شہداء سے مراد وہ ہیں جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں اور وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور روزی پا رہے ہیں۔[1]

کافروں کا انجام

حقیقی مومن کے متعلق بیان کے بعد کافروں کے بارے بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے تو وہ لوگ دوزخی ہیں اور وہ مومنوں سے جدا ہوں گے کیونکہ ان کی صلاحیتیں ان کے اعمال سے ظاہر ہوئی ہیں اور اس کا نتیجہ ان کو ملے گا۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں باقی متشابہہ آیات کی مانند لوگوں کے دو گروہ کو بیان کیا ہے ایک وہ ہیں جو اہل سعادت ہیں بہشت میں جانے والے ہیں وہ صاحبان ایمان اور صاحبان عمل صالح ہیں۔ دوسرا گروہ اہل شقاوت ہیں، بدبخت ہیں، اور ان میں ایمان اور عمل صالح نہیں ہے اور تیسرا گروہ وہ ہے جو صاحبانِ ایمان تو ہیں لیکن کبھی اچھے عمل کرتے ہیں اور کبھی گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں تو ان کی نجات قطعی ہے اور نہ ہی ان کی ہلاکت یقینی ہے۔ ان کے لیے اللہ کے فضل و کرم کا انتظار کرنا ہوگا ان کے لیے شفاعت شامل ہوگی اور خیر کی طرف روانہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے عمداً ان کا تذکرہ نہیں کیا تاکہ وہ حالت خوف اور حالت رجاء میں باقی رہیں اور ان کے اندر اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے حوالے سے تحریک موجود رہے سرکش ہمیشہ معصیت میں غرق ہونے سے بچ جائیں، توبہ کرلیں اپنے حال کو صحیح کرلیں ان میں اللہ کی پکڑ کا خوف رہے اور اللہ کی رحمت و مغفرت کے امیدوار رہیں۔

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّ لَہۡوٌ وَّ زِیۡنَۃٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیۡنَکُمۡ وَ تَکَاثُرٌ فِی الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ ؕ کَمَثَلِ غَیۡثٍ اَعۡجَبَ الۡکُفَّارَ نَبَاتُہٗ

---

[1]۔ تفسیر روح المعانی۔

ثُمَّ يَهِيۡجُ فَتَرٰىهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ يَكُوۡنُ حُطٰمًا ؕ وَ فِي الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ۙ وَّ مَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضۡوَانٌ ؕ وَ مَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''یاد رکھو کہ زندگی دنیا صرف ایک کھیل تماشہ، آرائش، باہمی تفاخر اور اموال و اولاد کی کثرت کا مقابلہ ہے اور بس جیسے کوئی بارش ہو جس کی قوت نامیہ کسان کو خوش کر دے اور اس کے بعد وہ کھیتی خشک ہو جائے پھر تم اسے زرد دیکھو اور آخر میں وہ ریزہ ریزہ ہو جائے اور آخرت میں شدید عذاب بھی ہے اور مغفرت اور رضائے الٰہی بھی ہے اور زندگانی دنیا تو بس ایک دھوکہ کا سرمایہ ہے اور کچھ نہیں ہے۔''

دنیا اور آخرت کا تقابل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی خصوصیات کو بیان کیا ہے کہ

- دنیا کھیل تماشا ہے۔
- دنیا میں مال بڑھتا ہے۔
- دنیا میں اولاد بڑھتی ہے۔
- دنیا میں ایک دوسرے پر فخر و مباہات کیا جاتا ہے۔
- دنیا میں جو کچھ ہے عارضی ہے اور اسے ختم ہو جانا ہے۔
- دنیا دھوکہ ہے۔

- دنیا زینت و زیبائش ہے۔
- دنیا کا ظاہر دھوکہ دینے والا ہے۔
- دنیا میں حسب و نسب پر فخر کیا جاتا ہے۔
- دنیا کا ظاہر ہی ہے اس کی حقیقت نہیں ہے۔

دنیا میں جو کچھ ہے وہ فانی ہے۔ دنیا سے انسان دل لگا لیتا ہے اور آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ اپنے لیے کمالات کے حصول پر توجہ نہیں دیتا۔ شیخ بہائی نے زندگی کے پانچ مراحل کو انسان کی پوری زندگی پر تطبیق کیا ہے:۔

- بچپن کھیل کود کا زمانہ ہے
- نوجوانی سرگرمی لہو و لعب اور بے ہودہ کاموں میں گزارنا
- جوانی: مال و جمال سے اپنی آرائش اور زیبائش
- بڑھاپے و پیری کا آغاز: حسب و نسب پر فخر و مباہات
- بڑھاپے کا آخر: مال اور اولاد کا حرص و لالچ

زندگی کی مثال

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے دھوکہ کو سمجھانے کے لیے کھیت اور زراعت کی مثال دی ہے۔ یہ بالکل اس طرح ہے کہ جب بارش برستی ہے، خشک زمین پر سبزہ اگتا ہے کسان زمین میں بیج ڈالتا ہے، کھیت تیار ہوتے ہیں ہر جانب سبزہ ہی سبزہ ہوتا ہے، لہلہاتے کھیتوں کو جب کسان دیکھتا ہے تو بہت ہی خوشحال ہوتا ہے۔ خوشی سے پھولا نہیں سماتا لیکن اسے سمجھ ہی نہیں آتی کہ اس کے کھیت آہستہ آہستہ زردی مائل ہو جاتے ہیں اور پھر وہی سرسبز و شاداب کھیت یکدم خشک ہو جاتے ہیں اور ویرانی کا منظر پیش کرتے ہیں، ساری خوشیاں کافور ہو جاتی ہیں، دُنیا کی رونق اسی طرح ہے۔

ابدی حیات

آخرت ابدی حیات ہے، اگر انسان گناہگار ہو گا، کفر اپنائے گا، دنیا کے ظاہر میں گم رہے گا اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لے گا تو آخرت کے آتے ہی اس کے سارے ارمان ختم ہو جائیں گے۔ اسے اپنی پوری زندگی ویران نظر آئے گی اور ایک دردناک عذاب کا اسے سامنا ہو گا یہ اہلِ کفر کا انجام ہے۔

اہل ایمان ہونا

جو صاحبانِ ایمان ہیں، اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، اللہ کی معصیت سے ڈرتے ہیں تو وہ اللہ کی مغفرت و رحمت کو پاتے ہیں۔ ان کے لیے آخرت کی زندگی خوشحال ہے، پریشانی ان میں نہیں ہے۔

مغفرت و رضوان

اس جگہ اللہ نے اہل ایمان کے لیے مغفرت اور رضوان کو بیان کیا ہے اور مغفرت کو رضوان پر مقدم کیا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ کے رضوان کو حاصل کرنے کے لیے انسان کی مغفرت کے ذریعہ طہارت ہو جانا ضروری ہے۔ مغفرت انسان کو چھوٹے بڑے گناہوں کی الائش سے پاک و طاہر کرتی ہے۔ اس کے بعد ہر انسان کو اللہ کا رضوان نصیب ہوتا ہے۔ مغفرت اور رضوان کی نسبت اللہ کی طرف دی ہے جب کہ عذاب کی نسبت اللہ کی طرف نہیں دی جبکہ عذاب بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ تو یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ خلقت کا

اصلی ہدف مغفرت ہے نہ کہ عذاب۔ لیکن انسان عبودیت کی حالت سے خود نکل جاتا ہے اور اپنے لیے عذاب کا استحقاق پیدا کرتا ہے۔

دنیا ایک متاع و اثاثہ ہے

آخر میں یہ فرمایا کہ دنیا تو ایک سامان ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس سامان اور اثاثہ سے دھوکہ نہ کھاؤ اور اپنا وقت کھیل کود، تماشہ، بے مقصد کاموں، فخر و مباہات، مال و دولت کا حرص کثرتِ اولاد کی طلب میں نہ گزارو بلکہ اس سے آخرت کے لیے فائدہ اٹھاؤ اور عمل صالح بجا لاؤ۔ اسے اللہ کے بتائے ہوئے قوانین کے مطابق استعمال کرو تاکہ آخرت میں اس کے ثمرات سے فائدہ اٹھا سکو اور حقیقی زندگی سے لطف اندوز ہو۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''تم سب اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنّت کی طرف سبقت کرو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے اور جسے ان لوگوں کے لیے مہیّا کیا گیا ہے جو خدا اور رسول پر ایمان لائے ہیں یہی درحقیقت فضل خدا ہے جسے چاہتا ہے عطا کردیتا ہے اور اللہ تو بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔''

مسابقہ و مسارعۃ

یہ دو لفظ ہیں جو قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔

۱۔ مسابقہ کا معنی ہوتا ہے ہدف کو حاصل کرنے کے لیے دوسرے پر غلبہ حاصل کرنا، پوری تگ ودو کرنا کہ ہدف کو پالے۔

۲۔ مسارعۃ: یعنی اپنی رفتار کو تیز کرنا ہے۔ در مقابلہ ایک ہدف کی جانب تیزی سے بڑھ رہے ہوں۔

سورہ آل عمران آیت ۱۳۳ میں ہے:

وَ سَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ جَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾

ترجمہ: (اللہ کی مغفرت کے حصول میں تیزی سے جاؤ اور اس بہشت تک پہنچنے کی جلدی کرو کہ جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جیسی ہے کہ وہ بہشت متقین کے لیے آمادہ و تیار کی گئی ہے)۔

سماء وارض

سماء وارض سے مراد ایک آسمان اور ایک زمین نہیں بلکہ تمام آسمان اور زمین ہے۔ عرض سے مراد وسعت اور پھیلاؤ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بہشت کی وسعت تمام آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جس سے یہ سمجھایا گیا ہے کہ آخرت کا معاملہ دنیا سے مختلف ہے۔ آخرت میں ساری کائنات کی وسعتیں بہشت کی وسعت میں تبدیل ہو جائیں گی، بہشت کو نیکوکاروں اور متقین کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

مسابقہ و مسارعۃ کی دعوت

اس سورہ کی آیت میں مسابقہ کیا گیا ہے اور آل عمران میں مسارعۃ کیا گیا ہے۔ اصل مقصد انسان کو متوجہ کرنا ہے کہ تمہارا ہدف جنت ہے، اس جنت کو حاصل کرنے کے لیے نفسانی خواہشات پر غلبہ حاصل کرو، شیطانی وسوسوں سے خود کو بچا کر آگے بڑھ جاؤ، دنیا میں

مسابقہ کا میدان ہے، مقابلہ انسان کا نفسانی خواہشات اور ابلیس کی چالوں سے ہے۔ اس مسابقہ میں کامیابی حاصل کرنا ہے۔ جب میدانِ مقابلہ میں دوڑ لگی ہو تو ایک ٹیم اپنے کھلاڑی سے کہتی ہے کہ ہدف کی جانب نظر رکھو اور تیزی دکھاؤ، سستی مت کرو۔ اس طرح ادھر حکم ہوا کہ شیطان کی چالوں سے تیزی سے نکل جاؤ۔ ہدف و مقصد طیب و طاہر اور عمدہ زندگی ہے جو جاودانی ہے، بہشت کی نعمات سے بھرپور اور آمادہ ہے پس جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اللہ کے رسولوں (نمائندگان) پر ایمان لاتے ہیں اور اعمال صالح بجالاتے ہیں، فسق و فجور اور معصیت سے خود کو بچاتے ہیں، تقویٰ اختیار کرتے ہیں، تو پھر ان کے لیے یہ سب کچھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور اہلِ ایمان اور اہلِ تقویٰ بندوں سے مخصوص کر رکھا ہے۔ اللہ بڑے فضل والا ہے۔ اہل ایمان اور اہل تقویٰ کو جو بہشت اور ثواب ملے گا تو یہ اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''زمین میں کوئی بھی مصیبت وارد ہوتی ہے یا تمہارے نفس پر نازل ہوتی ہے تو نفس کے پیدا ہونے کے پہلے سے وہ کتابِ الہیٰ میں مقدر ہو چکی ہے اور یہ خدا کے لیے بہت آسان شے ہے۔''

مصیبت کا معنی

انسان کے لیے جو بھی واقعہ پیش آئے یا جو بھی حالت اس پر طاری ہو اسے مصیبت کہا جاتا ہے لیکن عام طور پر یہ لفظ ان حوادث و واقعات پر بولا جاتا ہے جو انسان کے لیے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔

زمین پر آنے والی مصیبت

زمین پر جو ناخوشگوار واقعات رونما ہوتے ہیں، زمین زلزلہ، تباہ کن سیلاب، قحط، خشک سالی وغیرہ انہیں زمینی آفات کا نام دیا جاتا ہے اور جان پر آنے والی مصیبت سے مراد اچانک موت کا آجانا، بیماری لاحق ہو جانا، بھوک و پیاس کی شدت، زخمی ہو جانا اور اسی طرح کے دیگر مصائب وآلام جو انسان پر وارد ہوتے ہیں۔

"بر" عربی لفظ ہے اس کا معنی ہے عدم سے وجود میں لانا، اور کتاب سے مراد وہ لوح محفوظ ہے جس میں تمام موجودات کی خلقت سے لے کران کے خاتمہ تک اور بعد میں دوبارہ زندہ ہونے سے لے کر حساب کا مرحلہ اور پھر جنت و جہنم، غرض ہر بات اس کتاب میں درج شدہ ہے۔

اس آیت میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ انسان کے لیے جو بھی حالت پیش آتی ہے اور وہ جن حالات سے گزرتا ہے، خوش کن حالات ہوں یا تکلیف دہ ہوں، زمین کے اُوپر جو کچھ رونما ہوتا ہے وہ سب ایک کتاب میں درج شدہ موجود ہے، ان حوادث و واقعات کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے یہ سب درج شدہ ہے اور یہ کام اللہ کے لیے مشکل نہیں ہے۔ اللہ کے بنائے گئے نظام کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کا ریکارڈ پہلے سے تیار کر رکھا ہے۔ اسی ریکارڈ کے مطابق سارے واقعات و حالات اور حادثات رونما ہوتے ہیں۔

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۝۲۳

ترجمہ: ''یہ تقدیر اس لیے ہے کہ جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اس کا افسوس نہ کرو اور جو مل جائے اس پر غرور نہ کرو کہ اللہ اکڑنے والے مغرور افراد کو پسند نہیں کرتا ہے۔''

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ پورے زہد کا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خلاصہ کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اسی آیت کو پڑھا کہ ماضی میں جو گزر گیا اس پر افسوس مت کرو اور آئندہ آنے والے حالات پر خوش مت ہو۔

خوشی و غمی کا معیار

اس سے قبل یہ بتا دیا کہ جو کچھ اس دنیا میں رونما ہوتا ہے یہ سب کچھ اللہ کے ہاں پہلے سے لوح محفوظ پر درج شدہ ہے۔ اس کے بعد خوشی و غمی کا معیار بتایا جا رہا ہے کہ جو تمہارے ہاتھ سے چلا جاتا ہے اس پر غم مت کھاؤ کیونکہ اس نے ایسا ہی ہونا تھا اور جو مل گیا ہے اس پر زیادہ خوش اور مغرور نہ ہو ہر خوشی و غمی کا معیار ایمان کو قرار دو جو کچھ موجود ہے اور جو مل رہا ہے اور جو ہاتھ سے جا رہا ہے یہ سب اللہ کی نعمات ہیں اور ایک بڑے نظام کا حصہ ہیں۔ بعض نعمتوں کا ہاتھ سے چلا جانا آپ کے ایمان کو کمزور نہ کر دے اور نئی ملنے والی نعمات آپ کو مغرور و غافل نہ بنا دیں۔ جو نعمت انسان کو ملی ہے اسے دوسرے کو دینے میں بخل و کنجوسی نہ کرے، دوسروں کی حاجات پوری کرنے میں کوشاں رہے کیونکہ جو کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے اگر کسی منصوبہ کی تکمیل میں ناکامی ہوئی ہے اور اسکے سامنے موانع و رکاوٹیں کھڑی ہو گئی ہیں تو اس حالت پر افسردہ نہ ہو اور جن منصوبہ جات کی تکمیل میں کامیاب ہوا ہے تو اس پر فخر و مباہات نہ کرو کیونکہ یہ سب کچھ اللہ کے بنائے گئے نظام کے تحت ہوا ہے۔ جب اس پر ایمان ہے تو پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کنجوسی نہ کرے جبکہ اللہ اپنے فضل و کرم سے اپنے دیئے ہوئے مال سے اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے۔

آخر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر، فخر اور کنجوسی کو پسند نہیں کرتا کیونکہ جو بھی نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اپنی قابلیت سے نہیں ملی تاکہ فخر کریں۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ”جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو بھی خدا سے روگردانی کرے گا اسے معلوم رہے کہ خدا سب سے بے نیاز اور قابلِ حمد وستائش ہے۔“

بخل و کنجوسی سے دُوری کا حکم

اللہ نے پہلے فرمایا کہ خداوند متکبر اور مغرور اور شیخیاں بکھیرنے والے کو دوست نہیں رکھتا کیونکہ وہ بخل کرتے ہیں، مال سے محبت رکھتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ مال ان کے ہاتھ سے چلا جائے کیونکہ مال و دولت پر فخر بھی کرتے ہیں، سب مال ہاتھ سے چلا جائے گا تو پھر ان کے پاس فخر کرنے کے لیے کچھ باقی نہ رہے گا لوگوں کو بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ کنجوسی کریں، دوسروں کو اپنے جیسا دیکھنا چاہتے ہیں وہ اصل میں چاہتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان سخاوت، خرچ کرنا، دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا کا رواج عام نہ ہو ان کا بخیل و کنجوس ہونا زیادہ نمایاں رہے۔

اللہ کا فیصلہ

جو لوگ اللہ کے احکام پر عمل نہیں کرتے، انفاق سے روگردانی کرتے ہیں، مال میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں، مواعظ سے بہرہ ور نہیں ہوتے تو معلوم رہے کہ اللہ کو کسی کے عمل کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اللہ کو کسی کا مال چاہیے۔ مال تو اللہ ہی کا ہے اس نے لوگوں

کے لیے مہیا کیا ہے، اللہ تو بے نیاز مطلق ہے اور اللہ جو بھی کرتا ہے وہ اس کام میں لائق تعریف ہے لہٰذا اللہ اپنے بندوں کو مال دیتا ہے اور پھر اسی مال کے انفاق و خرچ کرنے کی ہدایت کرتا ہے تو یہ اس لیے ہے کہ اللہ انہیں ثواب سے نوازے اور ان کے مقامات کو بلند کرے اور انہیں بڑی جزا دے ہلاکت اور ہمیشہ کی بدبختی سے انہیں بچائے۔ اللہ کا یہ حکم بھی لائقِ تعریف ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ”بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کے ساتھ انصاف ہو (معاشرے میں انصاف کا رواج ہو) اور ہم نے لوہے کو بھی نازل کیا ہے جس میں شدت اور سختی کا سامان اور بہت سے دوسرے منافع بھی ہیں اور اس لیے کہ خدا یہ دیکھے کہ کون ہے جو بغیر دیکھے اس کی اور اس کے رسول کی مدد کرتا ہے اور یقینا اللہ بڑا صاحبِ قوت اور صاحبِ عزت ہے۔“

انبیاء و رسولوں کا مقصد

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے اپنے رسولوں اور انبیاء علیہم السّلامؑ کو بھیجنے کا ہدف بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسولوں کو معجزات دے کر بھیجا، واضح و

روشن نشانیاں دے کر بھیجا، رسولوں کے ہمراہ کتاب بھی بھیجی۔ جو کتابیں اللہ نے اُتاریں ان میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل شدہ کتابیں شامل ہیں ، سب سے بڑی اور کامل کتاب قرآن مجید ہے۔ ان کتابوں میں الٰہی معارف ، عقائدِ حقہ اور الٰہی قوانین کا بیان ہے۔

میزان کا کتابوں کے ہمراہ اُتارا جانا

ایک ضابطہ اور اصول ان کتابوں کے ساتھ قرار دیا۔ میزان کا لفظی معنی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعہ وزن (پیمائش) کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد عدالت کا ترازو ہے ، مادی ترازو مراد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے قوانین ان کتابوں میں قرار دیئے ہیں جن کے ذریعہ معاشرہ میں عدالت اور انصاف قائم ہو۔ انبیاء کا مقصد فقط تبلیغ کرنا نہ تھا بلکہ اللہ کے قوانین کا نفاذ اور عدالت پر مبنی حکومت کرنا بھی تھا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں واضح و روشن بیان کیا۔ میزان سے مراد دین ہے ، دین ایسا نظام حیات ہے جس میں عقائد، معارف الٰہی، افراد کے اعمال کا جائزہ لیا جاتا ہے اور اس کے مطابق تمام اعمال کو انجام دینا ہوتا ہے جو اعمال و عقائد اس نظام کے مطابق ہوں گے، صحیح ہوں گے ،جو اس کے مطابق نہ ہوں گے باطل ہوں گے لہٰذا دین ہی میزان ہے۔ اسی معنی میں حضرت علی علیہ السلام کو قرار دیا گیا کہ علیؑ میزان الاعمال ہیں۔ انسان کے اعمال کا جائزہ علی علیہ السلام کی محبت سے کیا جائے گا محبت پیروی کا تقاضا کرتی ہے جس کا عقیدہ اور عمل علی علیہ السلام کے مطابق ہوگا تو وہ کامیاب ہوگا و گرنہ ناکام ہوگا۔

کتابوں کے بھیجے جانے اور میزان اتارنے کا مقصد و ہدف یہ ہے کہ لوگوں کو عدل کی تعلیم دی جائے اور عدل پر رویے اپنانے کا درس دیا جائے اور معاشرہ میں انصاف کا راج ہو۔

لوہے کا اُتارا جانا

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے لوہے کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ ایسی دھات ہے جو بنیادی طور پر سخت ہے، اسے اللہ نے اپنے خزائن غیب سے انسان کے منافع کے لیے قرار دیا ہے جیسا کہ سورہ حجر آیت ۲۱ میں بیان ہو چکا ہے کہ:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۚ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ

ترجمہ: ”اور ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں، اور ہم صرف اسے معین مقدار پر نازل کرتے ہیں۔“

اس آیت میں یہ واضح کیا ہے کہ زمین میں جو بھی انسان کے منافع ہیں وہ سب اللہ کی طرف سے ہیں۔

لوہے کے متعلق بتایا کہ اس کی تاثیر سخت ہوتی ہے اس سے اسلحہ تیار کیا جاتا ہے، غذا تیار کرنے کے لیے برتن بنائے جاتے ہیں، سفری ضروریات کے لیے کشتیاں، جہاز، ٹرینیں، بسیں، کاریں، موٹر سائیکلیں وغیرہ تیار ہوتی ہیں۔ لوہے کا ذکر اور دیگر دھاتوں کا بیان اس لیے ہے کہ لوہا ایسی دھات ہے جو انسان کی ہر قسم کی ضروریات میں استعمال ہوتا ہے۔ انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات میں لوہے کا استعمال کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ مختلف صنعتوں اور مشینری کا دارومدار اسی دھات پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اس کا خصوصی تذکرہ کیا ہے۔

انسان کے بارے

اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے، کتابیں بھیجیں، میزان کو اتارا، لوہے جیسی دھات اُتاری۔ یہ سب اس لیے تاکہ اللہ یہ دیکھے کہ انسانوں میں سے کون غیب پر ایمان لاتا ہے اور اللہ اور اس کے رسولوں کی دین کے معاملات میں کون نصرت و حمایت کرتا ہے اور دین کے دفاع میں اپنا کردار کون ادا کرتا ہے؟ اللہ ہی قدرت مند ہے، اللہ ہی عزیز ہے، اللہ ہی غالب ہے،

اللہ کے ہاں ذلت و شکست اور ناکامی نہیں ہے، اللہ کو ضرورت نہیں ہے کہ کوئی اس کی مدد کرے بلکہ سب اللہ کے محتاج ہیں۔ اللہ نے جہاد کا حکم اس لیے دیا ہے کہ اس کے باایمان بندے کفار و مشرکین کے سامنے ذلیل و خوار نہ ہوں، صاحبانِ ایمان سربلند رہیں اور غیر مومنوں پر کامیاب رہیں۔[1]

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو بھیجا اور ان کی اولاد میں کتاب اور نبوت قرار دی تو ان میں سے کچھ ہدایت یافتہ تھے اور بہت سے فاسق اور بدکار تھے۔“

سابقہ اُمتوں کا حال

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ اور ابراہیمؑ کو ہدایت کے لیے انسانوں کے درمیان بھیجا۔ سب اپنے ہمراہ نشانیاں لے کر آئے، اللہ کی طرف سے انسانوں کے لیے نظام عدل اور قانون و شریعت کے ہمراہ آئے، انسانوں کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ بہت تھوڑے لوگ تھے جنہوں نے ان کی بات کو قبول کیا اور ہدایت پا گئے لیکن بہت سارے گمراہ رہے اور بھٹک گئے۔ لہٰذا آج جو رسول اللہ ﷺ کی بات نہیں مان رہے نافرمان ہیں تو ایسا پہلی مرتبہ نہیں بلکہ اس سے قبل بھی جو اقوام گزری ہیں ان میں بھی ایسا تھا کہ وہ نافرمان تھے جنہوں نے

---

[1]۔ مجمع البحرین میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ اسم اعظم الٰہی کے ۷۳ حروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے حضرت آصف بن برخیا کو ایک حرف حضرت عیسیٰؑ کو ۲ حرف حضرت موسیٰؑ کو ۴ حروف حضرت ابراہیمؑ ۸ حرف اور حضرت نوحؑ کو ۱۵ حرف عطاء کئے۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ۷۲ حرف عطاء کیے اور ان سے یہ ۷۲ حروف آئمہ اہل البیت علیہم السّلام کی طرف منتقل ہوئے۔ ایک حرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے کہ وہ اسم مستاثر ہے اللہ کے اس اسم تک کسی کی رسائی نہیں۔

فسق کو اپنایا، سب افراد نیک و صالح نہ بنے اور ایک اُمت کا عنوان نہ لے سکے کچھ نیک بنے اور بہت زیادہ گناہگار اور فاسق ہوئے۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ۬ وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ رَهْبَانِيَّةَ ۣابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ”پھر ہم نے ان ہی کے نقش قدم پر دوسرے رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسٰی بن مریم علیہا السّلام کو بھیجا اور انہیں انجیل عطا کر دی اور ان کا اتباع کرنے والوں کے دلوں میں مہربانی اور محبت قرار دی اور جس رہبانیت کو ان لوگوں نے ازخود ایجاد کر لیا تھا اور اس سے رضائے خدا کے طلبگار تھے اسے ہم نے ان کے اوپر فرض نہیں قرار دیا تھا اور انہوں نے خود بھی اس کی مکمل پاسداری نہیں کی تو ہم نے ان میں سے واقعاً ایمان لانے والوں کو اجر عطا کر دیا اور ان میں سے بہت سے تو بالکل فاسق اور بدکردار تھے۔“

نوحؑ اور ابراہیمؑ کے بعد رسولوں کی آمد

حضرت نوحؑ صاحب شریعت اولوالعزم پیغمبر تھے بلکہ آپ حضرت آدمؑ کے بعد پہلے صاحب شریعت نبی تھے اور حضرت نوحؑ کے بعد صاحب شریعت حضرت ابراہیمؑ تھے جن پر

با قاعدہ اللہ کی طرف سے صحیفے اتارے گئے۔ اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ سے حضرت عیسیٰؑ کے درمیان والے عرصہ کے متعلق اجمالی طور بتایا کہ اس دوران ہم نے بہت سے رسولوں کو بھیجا جن میں زیادہ تر رسول حضرت ابراہیمؑ کی شریعت پر قائم رہے البتہ درمیان میں حضرت موسیٰؑ تشریف لائے جو کہ صاحبِ شریعت تھے لیکن انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کی شریعت کو فسخ نہیں کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد رسول آتے رہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ۔ حضرت اسحٰق کی نسل سے حضرت عیسیٰؑ آئے ۔ حضرت عیسیٰؑ صاحب شریعت اور صاحب کتاب تھے جس طرح ان سے پہلے حضرت موسیٰؑ بھی صاحب شریعت اور صاحب کتاب تھے ان پر توریت اُتاری گئی۔ حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں بھی رسول رہے اور ان کے اوصیاء آئے لیکن کوئی صاحب کتاب نہ تھا سب حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں پر قائم رہے۔ یعنی ابراہیمی شریعت پر تھے اور اس سلسلہ میں آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جو سب سے افضل واشرف اور سب کے حاکم ہیں۔ صاحبِ کتاب ہیں آپ کی کتاب قرآن ہے جو سب کتابوں سے افضل ہے اور جو کچھ ان کتابوں میں تھا وہ سب کچھ قرآن میں موجود ہے بلکہ بہت زیادہ اس میں موجود ہے۔

تمام انبیاء کا طریقہ

سب انبیا کا طریقہ ایک ہی تھا، سب کا دین ایک تھا، سب ہی توحید پر تھے اور توحید کی دعوت دیتے تھے۔ انبیاء کے پیروکاروں کے دلوں میں رحمت ڈال دی اس وجہ سے وہ ایک دوسرے سے محبت و پیار کرتے تھے، آپس میں مسالمت آمیز، صلح و صفاء کی زندگی گزارتے تھے۔ نیز انہوں نے رھبانیت کو بھی اپنایا اور تارک دنیا بن گئے جبکہ دنیاوی لذات سے تارک ہو جانا اور معاشرہ سے دُور رہ کر الگ زندگی گزارنا اس قسم کا زہد انہوں نے خود ہی اپنے اوپر

مسلط کر لیا تھا جس کا سابقہ اُمتوں میں رواج نہ تھا۔ اللہ سے خشیت اور خوف کی بنا پر انہوں نے ہر شئی سے رابطہ منقطع کر لیا فقط اللہ کی عبادت میں مصروف ہو گئے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس قسم کا قانون نہیں بنایا تھا اور نہ ہی یہ اللہ کا دستور تھا لیکن انہوں نے رہبانیت کی حدود و قیود کا بھی لحاظ نہ رکھا اور اس سے تجاوز کیا۔ اپنے لیے جو انہوں نے از خود قرار دیا کہ وہ پاک رہیں گے، پستی سے خود کو بلند رکھیں گے، گھٹیا کام نہ کریں گے، کم پر قناعت کریں گے، پاکدامنی اپنائیں گے، ذکر و عبادت میں مصروف رہیں گے، لیکن جو کچھ اپنے لیے قرار دیا وہ ایسا بھی نہ کر سکے اور اس کی تاب نہ لا سکے۔ لیکن اس اُمت کے جو اہل ایمان ہیں انہیں ان کے ایمان کی وجہ سے اجر دیں گے لیکن ان میں سے بہت سارے بندگی کی روش سے منحرف ہو گئے اور نافرمان اور فاسق بن گئے۔

رہبانیت کی بدعت

عیسوی شریعت میں رہبانیت نہ تھی اس آیت میں اس بات کا اشارہ موجود ہے کہ حضرت مسیح کے حواریوں نے رہبانیت کی بدعت شروع کی جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس رہبانیت کا قانون نہیں بنایا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو جسے انہوں نے اپنے لیے خود سے قرار دیا تھا پسند فرمایا تھا لیکن بعد میں انہوں نے رہبانیت کے حوالے سے اپنے اوپر لاگو کیا تھا اس پر قائم نہ رہے جو قائم رہے ان کے لیے اجر و ثواب کا وعدہ دیا گیا۔

اسلام میں رہبانیت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اُمت کی رہبانیت، ہجرت، جہاد، نماز، روزہ، حج اور عمرہ ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اسلام میں رہبانیت اس معنی میں نہیں ہے کہ تارک دُنیا ہو جاؤ، معاشرہ سے کٹ کر رہو، اسلام قوانین کی پاسداری چاہتا ہے اور دنیا میں رہ کر اسلامی قوانین پر عمل کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''ایمان والو اللہ سے ڈرو اور رسول پر واقعی ایمان لے آؤ تاکہ خدا تمہیں اپنی رحمت کے دہرے حصے عطا کردے اور تمہارے لیے ایسا نور قرار دے دے جس کی روشنی میں چل سکو اور اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بہت زیادہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

نور سے مراد

اس آیت میں نور سے مراد وہ امام معصوم ہیں جن کی اقتداء مومنین کرتے ہیں اور وہی امام انہیں کامیابی کے راستے پر چلاتے ہیں۔

تقویٰ کا حکم

اس آیت میں اللہ پر ایمان لانے کے بعد مومنوں کو تقوی اپنانے کا حکم دیا گیا ہے کہ تقویٰ ایمان کے لوازمات میں سے ہے اور اس کے ساتھ ہی تقویٰ کی تشریح میں یہ فرمایا کہ تقویٰ مکمل طور پر ہر حوالے سے اللہ کے رسول کی اقتداء اور پیروی کرنا ہے اور یہ مرحلہ ایمان سے بالاتر ہے۔ ایمان انسان کا پہلا مرحلہ ہے اور دوسرا مرحلہ تقویٰ اختیار کرنا ہے۔ اللہ کے رسول پر مکمل ایمان لانا ہے یعنی ان کی ہر لحاظ سے پیروی کرنا ہے۔ لوگوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ تقویٰ اختیار کریں اور تقویٰ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر کامل ایمان کے ساتھ

حاصل ہوتا ہے اور جو تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اس کے واسطے اللہ کی طرف سے جو انعام ملنا ہے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جب انسان ایمان لاتا ہے تو وہ ایک مرحلہ کامیابی کی طرف طے کر لیتا ہے لیکن اس کے بعد تقویٰ کا مرحلہ ہے جو ایمان کی تاثیر کا مرحلہ ہے۔ جو صاحب تقویٰ بن جاتا ہے تو اس کے لیے کامیابی ہے۔

۱۔ ثواب دوگنا قرار دینا ہے، رحمت کے دہرے حصے اس کے لیے ہے۔
۲۔ اللہ کی مغفرت و بخشش اس کے لیے ہے۔
۳۔ اللہ کا نور ملتا ہے جو اس کے لیے راہ مستقیم پر چلنے میں مددگار بنتا ہے۔
۴۔ تقویٰ اپنانے سے ایمان کے ابتدائی مرحلہ سے بلند تر مرحلہ میں پہنچ جاؤ گے۔

اہل کتاب جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے انہیں اسی طرح کا وعدہ دیا ہے۔ تقویٰ کا اللہ تعالیٰ کا اقرار ہے کہ جس کے وسیلہ سے دنیا و آخرت میں سعادت، ترقی و کمال کے راستہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے اور تمہارے اندر جو نقائص ہیں ان پر پردہ پڑ جاتا ہے اور اللہ تمہارے اوپر اپنی رحمت و مغفرت کا انعام کر دیتا ہے۔

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''تاکہ اہلِ کتاب کو معلوم ہو جائے کہ وہ فضل خدا کے بارے میں کوئی اختیار نہیں رکھتے ہیں اور فضل تمام تر خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور وہ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔''

مومنین کے لیے خوشخبری

اس آیت میں مومنوں کو یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ اے صاحبان ایمان! تمہارے تقویٰ اختیار کرنے میں اللہ کی رحمت، اللہ کی طرف سے نور، رحمت و مغفرت دینے کا جو اعلان فرمایا ہے یہ اسی لیے کہا گیا ہے تاکہ اہل کتاب یہ خیال نہ کریں کہ اسلام کے دائرہ میں آنے والوں سے اللہ کا وہ فضل و کرم نہیں ہے جو ان کے لیے اللہ کی طرف سے تھا اور وہ سوچیں کہ مومنین تو فقط اہل کتاب ہی ہیں اس غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کے بارے چاہے اسے اپنے فضل سے نوازتا ہے، اللہ کے پاس فضل عظیم ہے وہ مومنین کو ان کے استحقاق سے زیادہ دیتا ہے۔ ہر ایک کو چاہیے کہ وہ اس طرح عمل کرے جس طرح اس عمل کو انجام دیا جانا چاہیے تو اللہ تعالیٰ اسے اس منزلت و مقام پر پہنچا دے گا جس کی وہ آرزو رکھتا ہے۔

سورۃ المجادلہ

(مدنی۔ کل آیات: ۲۲)

سورہ کے مطالب

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات کی مخالفت کرنے والوں کا انجام۔ دین دشمن عناصر کے متعلق قوانین، دین دوستی کی خصوصیات اور فوائد، دنیا و آخرت میں اللہ کے احکامات اور خواتین کے حقوق کا بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ①

ترجمہ: ”بیشک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث کر رہی تھی اور اللہ سے فریاد کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا کہ وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔“

”اشتکاء“ کا مطلب

جو حوادث اور مشکلات پیش آئیں ان کے بارے شکوہ کرنا۔

تحاور سے مراد

بات کرنے میں ایک دوسرے سے مکالمہ کرنا، خود کچھ کہنا اور دوسرے کی بات سننا، باہمی گفتگو کرنا اسے تحاور کہتے ہیں۔

اسلام میں ظِہار کا حکم

اس سورہ کی پہلی چار آیات میں ایک شرعی قانون کو بیان کیا گیا ہے جس کا تعلق ظِہار سے ہے۔ ظِہار زمانہ جاہلیت میں ایک طرح کی طلاق سمجھی جاتی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنا چاہتا تھا تو وہ اپنی بیوی سے کہتا تھا کہ توں میرے لیے میری ماں کی پشت کی مانند ہے۔ یہ جملہ کہنے سے وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی تھی۔

اسلام آنے کے بعد انصار میں سے کسی نے اپنی بیوی کے لیے ظِہار کر دیا یعنی اس سے کہہ دیا کہ توں میرے لیے میری ماں کی پشت کی مانند ہے، بعد میں اپنے اس عمل پر پشیمان ہوا اور

اس کی بیوی رسول اللہ ﷺ کے پاس مسئلہ لے کر آئی اور اس کا حل چاہا تاکہ وہ اپنے شوہر پر دوبارہ حلال ہو جائے۔ تو اس آیت میں اللہ فرمار ہا ہے کہ اللہ نے اس کی درخواست کو سن لیا ہے اور اس کی عرضداشت کو قبول کر لیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سنتا ہے اور مشاہدہ کرتا ہے، اس سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ اگلی آیت میں ظِہار کے بعد کا حکم بیان کیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۲

ترجمہ: ''جو لوگ اپنی عورتوں سے ظِہار کرتے ہیں ان کی عورتیں ان کی مائیں نہیں ہیں - مائیں تو صرف وہ عورتیں ہیں جنہوں نے انھیں جنا ہے۔ اور یہ لوگ یقینا بہت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ بہت معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔''

وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۳

ترجمہ: ''جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں سے ظِہار کریں اور پھر اپنی بات سے پلٹنا چاہیں تو انہیں چاہیے کہ عورت کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کریں کہ یہ

خدا کی طرف سے تمہارے لیے نصیحت ہے اور خدا تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔"

فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۴

ترجمہ: "پھر کسی شخص کے لیے غلام ممکن نہ ہو تو آپس میں ایک دوسرے کو مس کرنے سے پہلے دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے پھر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یہ اس لیے تاکہ تم خدا اور رسول پر صحیح ایمان رکھو اور یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں اور کافروں کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے۔"

ظہار کے احکام

ان آیات میں جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھتے ہیں اور بعد میں پشیمان ہو جاتے ہیں تو ان کے لیے حل بتایا گیا ہے۔ سب سے پہلے یہ سمجھایا کہ: بیوی کو ماں کہنے سے وہ انسان کی حقیقی ماں نہیں بن جاتی۔ ماں تو فقط وہی ہے جس نے انسان کو جنا ہے۔ البتہ بیوی کو اپنی ماں کی پشت سے نسبت دینا آداب کے خلاف اور ماں کی بے احترامی ہے۔ ایسا کرنا ٹھیک نہیں ہے اور یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کا کفارہ دے کر اس کے اثرات سے بچا جا سکتا ہے۔

ظہار کا حکم

ظہار کو اسلام میں جرم قرار دیا گیا اور اس سے منع کیا گیا لیکن یہ ایسا جرم نہیں جس کی معافی نہ ہو۔ جس نے اپنی بیوی کو ماں کہہ دیا تو اس نے جھوٹ بولا ہے اور جھوٹ بول کر

ایک گناہ کیا ہے۔ جھوٹ بولنے کا گناہ اور ماں کی بے احترامی اور ظِہار سے طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن بیوی سے مقاربت حرام ہو جائے گی اور بیوی کو اپنے لیے دوبارہ حلال کرنے کے لیے کفارہ دینا ہو گا۔

ظِہار کا کفارہ

کفارہ دینے کی صورت میں اللہ اس شخص کے جرم سے درگذر کر دیتا ہے اور تاکہ اس جرم کے آثار مترتب نہ ہوں۔ کفارہ واجب قرار دیا جاتا ہے کفارہ دینے کے بعد اس کی بیوی حلال ہو جاتی ہے اور ظِہار کے جرم کا کفارہ بالترتیب تین چیز کو قرار دیا گیا ہے:

۱۔ غلام آزاد کرے۔ اگر غلام نہ ملے تو۔

۲۔ متواتر ساٹھ روزے رکھے اور روزے رکھنے پر قادر نہ ہو تو۔

۳۔ ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے۔

اللہ کی حدود اور سزائیں

اس قانون کو بیان کرنے کے بعد مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے کہ جرائم کے لیے اللہ نے سزائیں مقرر کی ہیں۔ ظِہار بھی ایک جرم ہے، جس کی سزا بیان کر دی ہے۔ جو بھی اللہ پر اوراس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہو تو اس ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کے بیان کردہ قوانین کی مخالفت نہ کرے۔ یہ اللہ کے قوانین و حدود ہیں، ان سے آگے بڑھنا، ان کو توڑنا جائز نہیں۔ کافروں کے لیے سخت عذاب ہے کہ ایک تو وہ ایمان نہیں لائے اور دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے قوانین کی پاسداری نہیں کی۔

پیغام: ان چار آیات میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ معمولی سی بات پر عورتوں سے جھگڑا مت کیا کرو اور بلاوجہ انہیں اپنے اوپر حرام نہ کر لیا کرو۔ اگر کوئی ایسا اقدام اٹھاتا ہے کہ جس سے بیوی حرام ہو جائے گی تو پھر اس کا کفارہ مقرر کر دیا تاکہ اس کا گھرانہ برقرار رہے

اور دوسروں کو تنبیہ ہو کہ وہ ایسے جرائم کا ارتکاب نہ کریں۔ اسلام خاندان کو مضبوط دیکھنا چاہتا ہے اس لیے طلاق کے لیے بھی سخت شرائط رکھ دی ہیں اور مذاق، غصہ اور غیر سنجیدگی کی حالت میں طلاق کو بے حیثیت قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح عربی الفاظ سے طلاق دے، دو عادل گواہوں کی موجودگی میں طلاق دے۔ حالت طُہر میں طلاق دے، پھر ایک طلاق کے بعد عدت کے عرصہ میں بغیر کسی کفارہ کے واپس بیوی بنانے کی گنجائش بھی رکھ دی کیونکہ اسلام گھرانے کا استحکام چاہتا ہے، بگاڑ نہیں چاہتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ قَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۚ﴿۵﴾

ترجمہ: ''بیشک جو لوگ خدا اور رسول سے دشمنی کرتے ہیں وہ ویسے ہی ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے والے ذلیل ہوئے ہیں اور ہم نے کھلی ہوئی نشانیاں نازل کر دی ہیں اور کافروں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''

اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کا انجام

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے بیان کردہ قوانین و احکام کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہونگے۔ جس طرح سابقہ اُمتیں اسی بناء پر ذلیل و خوار ہوئیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں کے بیان کردہ احکام کی خلاف ورزی کی تھی۔ یہ دستورات و احکام بڑے واضح اور روشن ہیں، یہ سب اللہ فرماتا ہے کہ ہمارا رسول ان احکام کو آپ لوگوں تک پہنچانے میں امین اور صادق ہے اور جو بھی ان قوانین

کی مخالفت کرتا ہے یا ان کا انکار کرتا ہے تو اس کے لیے ذلت آمیز اور رسواء کرنے والا عذاب ہے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝

ترجمہ: ''جس دن خدا سب کو زندہ کرے گا اور انہیں ان کے اعمال سے باخبر کرے گا جسے اس نے محفوظ کر رکھا ہے اور ان لوگوں نے خود (اپنے اعمال کو) بھلا دیا ہے اور اللہ ہر شے کی نگرانی کرنے والا ہے۔''

یوم بَعَث

اللہ تعالیٰ نے اس جگہ یوم بَعَث کے بارے بتایا کہ اس میں تمام مُردوں کو اٹھایا جائے گا وہ دن حساب کا دن ہے ہر ایک کے سامنے اس کے سارے اعمال آجائیں گے اس جگہ سب موجود ہوں گے، سب کے اعمال اللہ کے ہاں محفوظ ہیں وہی اعمال ان کو بتائے جائیں گے اور ان کے نتائج انہیں بھگتنا ہوں گے جبکہ انہیں اپنے کئے ہوئے اعمال کو یاد دلایا جائے گا کہ تم نے یہ سارے اعمال انجام دیئے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرنے والوں اور کافروں کو اس دن سخت عذاب دیا جائے گا۔ اللہ ہر چیز پر ناظر ہے اور ہر ایک پر شاہد ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَ لَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَ لَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: ''کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ زمین و آسمان کی ہر شے سے باخبر ہے، کہیں بھی تین آدمیوں کے درمیان راز کی بات نہیں ہوتی ہے مگر یہ کہ وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور پانچ کی راز داری نہیں ہوتی ہے مگر ان کا چھٹا ہوتا ہے اور کم و بیش بھی کوئی رازداری ہوتی ہے تو وہ ان کے ساتھ ضرور رہتا ہے چاہے وہ کہیں بھی رہیں اس کے بعد روز قیامت انہیں باخبر کرے گا کہ انہوں نے کیا اعمال کیے کہ بیشک وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔''

اللہ کا احاطہ علمی

اللہ کا اپنی تمام مخلوقات پر علمی احاطہ ہے جس سے کچھ بھی باہر نہیں ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کے سامنے ہے، انسان کے اعمال بھی اللہ کے سامنے ہیں۔ اللہ عالِم اسرار ہے، اللہ تعالیٰ نے مثال دی ہے کہ جو دو، تین، چار، پانچ افراد جب اکٹھے بیٹھ کر خفیہ مذاکرات اور سرگوشی کریں تو تب بھی اللہ ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری ہر بات اللہ کے سامنے ہوتی ہے۔ اللہ کا سب پر احاطہ علمی ہے۔ اللہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔ کوئی ذرہ بھی اللہ سے مخفی نہیں ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نُهُوۡا عَنِ النَّجۡوٰی ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَ یَتَنٰجَوۡنَ بِالۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ وَ مَعۡصِیَتِ الرَّسُوۡلِ ۫ وَ اِذَا جَآءُوۡکَ حَیَّوۡکَ بِمَا لَمۡ یُحَیِّکَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ یَقُوۡلُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ لَوۡ لَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوۡلُ ؕ حَسۡبُهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ یَصۡلَوۡنَهَا ۚ فَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۸﴾

ترجمہ: ”کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں راز کی باتوں سے منع کیا گیا لیکن وہ پھر بھی ایسی باتیں کرتے ہیں اور گناہ اور ظلم اور رسول کی نافرمانی کے ساتھ راز کی باتیں کرتے ہیں اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو اس طرح سلام نہیں کرتے۔“

جس طرح خدا نے انہیں سکھایا ہے اور اپنے دل ہی دل میں کہتے ہیں کہ اگر ہم غلطی پر ہیں تو خدا ہماری باتوں پر عذاب کیوں نہیں نازل کرتا۔ حالانکہ ان کے لیے جہنّم ہی کافی ہے جس میں انہیں جلنا ہے اور وہ بدترین انجام ہے۔

رسول اللہؐ کے خلاف سرگوشیاں کرنا

ایسا لگتا ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے خلاف آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے۔ حقیقی مومنوں کے بارے بھی سازشیں کرتے تھے، بدعمل منافقوں اور بیمار دلوں کا یہ معمول تھا۔ اللہ کی نافرمانی، پیغمبر اکرم ﷺ کے خلاف باتیں کرنا آپس میں سرگوشیاں کرنا تاکہ اسی طرح حقیقی مومنوں کو تکلیف پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب انہیں منع کیا کہ سرگوشیاں نہ کریں تو اس کی انہوں نے پرواہ نہ کی۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان سے رخ موڑ لیا تاکہ یہ سمجھایا جائے کہ تم لوگ اس قابل ہی نہیں ہو کہ اللہ تم سے بات کرے اس کے بعد ان کی مذمت کی اور انہیں ڈانٹ پلائی ہے۔ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو خطاب میں فرمایا:

ا۔ جن کو نجویٰ (سرگوشی کرنا) سے روکا گیا تھا انہوں نے دوبارہ اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

۲۔ انہوں نے گناہ اور عدوان کا ارتکاب کیا ہے۔ ”اِثم“ سے مراد ایسے اعمال ہیں جن کا بُرا اثر ہے لیکن اس کا ارتکاب کرنے والا اس طرف متوجہ نہیں ہوتا جیسے شراب خوری، ترک نماز اور دیگر واجبات کا ترک کرنا اور عُدْوان سے مراد وہ برے اعمال ہیں جن سے منفی اثرات دوسرے لوگوں پر مرتب ہوتے ہیں جیسے لوگوں کو تکلیف دینا، تہمت لگانا، غیبت

کرنا۔ یہ دونوں عمل یعنی اثم اور عدوان ، اللہ کی معصیت ہیں جس طرح اللہ کی معصیت سے منع کیا ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی معصیت اور نافرمانی سے بھی روکا ہے۔

ایسے احکام جن کے بارے براہ راست اللہ نے حکم نہیں دیا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اُمت کے منافع کو سامنے رکھ کر ان احکام کو صادر فرمایا ہے ان کی نافرمانی کرنا رسول اللہ ﷺ کی معصیت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپس میں سرگوشیاں کرنا اور مخفیانہ بات چیت کرنے سے روکا ہے لیکن انہوں نے اپنے عمل کو جاری رکھا اور اللہ کے حکم کی پرواہ نہیں کی۔

اور ایک اور بات اللہ تعالیٰ نے اس جگہ بیان کی ہے کہ اے میرے پیغمبر ﷺ یہ لوگ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے جو سلام کا قانون بنایا ہے اس کے اختیار کرنے کی بجائے دوسرے انداز سے آپ پر سلام پیش کرتے ہیں یعنی الفاظ کو بگاڑ دیتے ہیں ۔ روایات میں بیان ہوا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے آتے تو سَلَام علیك کی بجائے سَام علیك کہتے تھے جس کا معنی "العیاذ باللہ" آپ پر موت ہو تھا اور دل میں یہ کہہ رہے ہوتے تھے کہ تم اللہ کے رسول نہیں ہو۔ اگر تم اللہ کے رسول ہوتے تو ہم جو کچھ آپ کے بارے کہتے ہیں اللہ ہمیں عذاب دے دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب دیا کہ وہ اپنے خیال اور سوچ میں غلطی پر ہیں ۔ جس عذاب کا انہیں کہا گیا ہے وہ عذاب انہیں ضرور ملے گا اور وہ یقینی طور پر جہنم میں داخل ہوں گے اور جہنم کی آگ کی گرمی کا مزہ چکھیں گے اور جہنم میں ان کا بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

پیغام: اس آیت سے جو باتیں سمجھی جا سکتی ہیں وہ اس طرح ہیں:۔

۱۔ مسلمانوں میں ایسے لوگ موجود تھے جو حقیقت میں اسلام نہیں لائے تھے بلکہ منافقین تھے۔

۲۔ وہ ایسے افراد تھے جو اللہ کے احکام پر عمل نہ کرتے تھے اور مخفیانہ سازشیں کرتے رہتے تھے۔ اللہ کی نافرمانی، اللہ کے رسولؐ کی نافرمانی اور مومنوں کو اذیت دینا اور مومنوں کے خلاف سازشیں تیار کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غلط طریقہ سے سلام کرنا ان کا وطیرہ تھا۔

۳۔ تمام خلاف ورزیوں کے باوجود وہ خود کو عذاب سے محفوظ سمجھتے تھے اور اپنے دل ہی دل میں کہتے تھے کہ اگر یہ اللہ کے رسول ہوتے تو ہم نے جس انداز سے ان پر سلام کیا ہے اور ان کی نافرمانی کی ہے تو اللہ ہمیں عذاب دے دیتا۔ اب جبکہ عذاب نہیں ہوا تو یہ اللہ کے رسولؐ نہیں ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ سنایا ہے کہ ان پر عذاب نازل ہوگا۔ جہنم ان کا ٹھکانہ ہے اور یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے اور ہر عمل سے آگاہ ہے ہمیں اللہ کی پکڑ اور گرفت سے ڈرنا چاہیے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب بھی راز کی باتیں کرو تو خبردار گناہ، سرکشی اور رسول کی نافرمانی کے ساتھ نہ کرنا بلکہ نیکی اور تقویٰ کے ساتھ باتیں کرنا اور اللہ سے ڈرتے رہنا کہ بالآخر اسی کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے۔''

مومنوں کو نجویٰ کی اجازت

اس آیت میں مومنوں کو نجویٰ کی اجازت دی ہے کہ مومنین اپنے درمیان خفیہ انداز سے بیٹھ کر بات چیت کر سکتے ہیں لیکن اس میں واضح فرمان ہے:۔

۱۔اِثم وَعُدوَان پر مبنی سرگوشی نہ کریں۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی معصیت پر مبنی سرگوشی بھی نہ کریں۔
۳۔ نیکی، اچھائی، احسان، بھلائی جیسے اُمور کے متعلق سرگوشی کریں۔
۴۔ تقویٰ اور اچھے کاموں کی بات کریں۔

ایک حکم دینے کے بعد پھر تقویٰ اپنانے کی تاکید فرمائی ہے۔ تقویٰ وہ عمل ہے جس میں گناہ نہ ہوں۔ اس بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: قیامت کے دن کا خوف رکھو، قیامت کے خطرات سے خود کو بچاؤ اور اللہ کی عبودیت کا لباس زیب تن کرو کیونکہ سب نے اللہ کے پاس جانا ہے سب کا حشر و نشر ہونا ہے، سب نے اللہ کے حضور حساب دینا ہے۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''یہ رازداری شیطان کی طرف سے صاحبانِ ایمان کو دکھ پہنچانے کے لیے ہوتی ہے حالانکہ وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک خدا اجازت نہ دے اور صاحبانِ ایمان کا بھروسہ صرف اللہ پر ہوتا ہے۔''

نجویٰ ایک شیطانی عمل

اس آیت میں مومنوں کو تسلی دینے کے لیے یہ بتایا گیا ہے کہ سرگوشی جو منافقین کرتے ہیں وہ شیطانی عمل ہے۔ شیطان نے یہ عمل ان کے دلوں میں پروان چڑھایا ہے وہی یہ عمل ان سے کرواتا ہے۔ ان کا یہ عمل مومنوں کو پریشان اور غمزدہ نہ کرے یہ لوگ تو ایسا خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنے اس عمل سے مومنوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ مومنوں کو تسلی دے رہا ہے کہ آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، اللہ کے اذن کے بغیر، کیونکہ تمام اسباب کا خالق اللہ ہے کوئی سبب اپنی تاثیر بغیر اللہ کی اجازت سے نہیں کر سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ شیطانی عمل ہے اور اس سے مومنوں کو نقصان نہ ہو گا مومنوں کو چاہیے کہ وہ اللہ پر توکل کریں منافقوں کے نجویٰ اور ان کی خفیہ سازشوں سے پریشان نہ ہوں۔ مومنوں کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ اللہ پر توکل اور اعتماد کرتے ہیں۔ توکل، ایمان کا بھروسہ ہے اور یہی ان کے لیے کافی ہے، انہیں اللہ کے سواء کسی اور کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ اللہ نے سورہ طلاق کی آیت ۳ میں فرمایا:

''وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ''

ترجمہ: ''اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

ترجمہ: ''اے ایمان والو! جب تم سے مجلس میں وسعت پیدا کرنے کے لیے کہا جائے تو دوسروں کو جگہ دیدو تاکہ خدا تمہیں جنّت میں وسعت دے سکے اور جب تم سے کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جاؤ کہ خدا صاحبانِ ایمان اور جن کو علم دیا گیا ہے ان کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔''

مجالس میں بیٹھنے کے آداب

اس آیت میں مسلمانوں کو مجلس میں بیٹھنے کے آداب بتائے جارہے ہیں کیونکہ جب مسلمان رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے تو اپنے لیے کھلی جگہ لے لیتے تھے اور

بعد میں آنے والوں کو لیے جگہ نہیں بنتی تھی۔ اس لیے اس آیت میں عمومی آداب بیان لیے ہیں کہ جب تم کسی مجلس میں بیٹھو تو سکڑ کر بیٹھو تاکہ جب دوسرا مومن بھائی آجائے تو اس کے لیے جگہ موجود ہو۔ ایسا کرنے سے اللہ تمہیں جنت میں وسعت دے گااور وہاں پر کھلی جگہ ملے گی۔ اگر آپ سے یہ کہا جائے کہ تم یہاں سے اٹھ جاؤ تاکہ جو تم سے مرتبہ میں بلند ہیں وہ اس جگہ بیٹھ جائے تو فوراً اٹھ کھڑے ہو اور اس کے لیے جگہ دے دو۔ اس کے ساتھ ہی بتا دیا کہ صاحبِ ایمان ہونا ایک درجہ رکھتا ہے اس کے لیے بھی شان ہے لیکن جو اہلِ علم ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑے مراتب اور درجات قرار دیئے ہیں۔ اس لیے جو عالِم ہے اس کے لیے تواضع سے پیش آؤ اگر عالِم مجلس میں آجائے تو اس کو جگہ دے دو۔

مومن کو دوسرے افراد پر برتری ہے جو مومن نہیں ہیں۔ اسی طرح علماء کو مومنین میں سے جو غیر عالِم ہیں ان پر برتری حاصل ہے۔ بندوں کے درجات اور مراتب میں بلندی کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے زیادہ قریب ہیں۔ مرتبہ سے مراد قرب الٰہی ہے، ایمان قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ تقویٰ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے اور علم تو قرب الٰہی کا عظیم وسیلہ ہے۔ عالِم باقی افراد کی نسبت اللہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

مومنوں کی اقسام: مومن دو طرح کے ہیں:۔

۱۔ عام مومن

۲۔ وہ مومنین جو عالِم ہیں۔

عالِم غیر عالِم سے افضل واشرف ہے۔

سورہ زمر آیت ۹ میں بیان کیا گیا ہے:

قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ

ترجمہ: ”کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے یہ دونوں برابر ہیں“ (ایسا نہیں ہے دونوں برابر نہیں)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: "اے ایمان والو! جب بھی رسول سے کوئی راز کی بات کرو تو پہلے صدقہ نکال دو کہ یہی تمہارے حق میں بہتری اور پاکیزگی کی بات ہے پھر اگر صدقہ ممکن نہ ہو تو خدا بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

نجویٰ سے پہلے صدقہ دینے کا حکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خفیہ انداز سے گفتگو کرنے کے لیے پہلے صدقہ دو پھر سرگوشی کر سکتے ہو۔ بہت سارے مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہو کر آپ سے سرگوشی کرتے اور اس عمل کو اپنے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقرب کا وسیلہ قرار دیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو مسلمان فقراء تھے مالی طور پر کمزور تھے وہ اس سے دل شکستہ ہوتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خفیہ بات چیت کرنا چاہے تو اس پر ہے کہ پہلے وہ فقراء کو صدقہ دے۔ جب یہ حکم انہیں اس لیے دیا گیا کہ اس سے مسلمانوں کے درمیان باہمی تعلقات، پیار و محبت اور باہمی شفقت و مودت و پیوندکاری میں اضافہ ہوگا اور دل کے اندر سے کینے اور نفرتیں ختم ہوں گے؛ اس حکم کے بعد اس میں تخفیف اس طرح کر دی کہ جو صدقہ دینے پر قدرت نہیں رکھتے تو پھر یہ فریضہ ایسے افراد سے ساقط ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اس بات سے یہ بھی استفادہ ہوتا ہے کہ صدقہ دینا مالداروں پر واجب ہے جن کی مالی پوزیشن کمزور ہے ان پر ایسا حکم نہیں ہے۔

ءَاَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیۡ نَجۡوٰىكُمۡ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیۡكُمۡ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''کیا تم اس بات سے ڈر گئے ہو کہ اپنی رازدارانہ باتوں سے پہلے خیرات نکال دو اب جب کہ تم نے ایسا نہیں کیا ہے اور خدا نے تمہاری توبہ قبول کرلی ہے تو اب نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور اللہ و رسول کی اطاعت کرو کہ اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔''

صدقہ کے حکم کا منسوخ ہو جانا

اس سے پہلی آیت میں صدقہ کا حکم دیا گیا تھا اس پر مومنوں نے عمل نہ کیا اور کلی طور پر رسول اللہ ﷺ سے علیحدگی میں بات کرنا ہی چھوڑ دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس رویہ کی سرزنش کی اس حکم پر فقط امیر المومنین علیہ السلام کے سوا کسی اور نے عمل نہ کیا۔ فقط مولا علی علیہ السلام تھے جنہوں نے دس مرتبہ صدقہ دے کر حضور پاک ﷺ سے نجویٰ کیا۔ اسی بناء پر یہ دوسری آیت نازل ہوئی اور پہلی آیت میں جو نجویٰ سے پہلے صدقہ کا حکم دیا گیا اسے منسوخ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے رویہ کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم صدقہ دے کر نجویٰ کرنے سے خوفزدہ ہو گئے؟ مال کی محبت میں پڑ گئے اور نجویٰ کرنا ہی چھوڑ دیا۔ اب اللہ تعالیٰ نے تمہاری اس نافرمانی کو معاف کر دیا ہے۔ عفو و مغفرت تمہارے لیے قرار دی اب تم باقی فرائض کو انجام دینے پر توجہ دو، نماز قائم کرو، زکات ادا کرو، ہر لحاظ سے اللہ اور اللہ کے رسول

ﷺ کی اطاعت کے لیے کوشش کرو پھر اس حکم کی اہمیت اور اس کے قانون کی خلاف ورزی نہ کرو۔ پھر فرمایا کہ تم جو کچھ عمل کرتے ہو اللہ اس سے آگاہ ہے۔

عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ علی علیہ السلام کے لیے تین خصوصیات ہیں، کاش ان میں سے ایک میرے لیے بھی ہوتی یہ میرے سرخ بالوں والے اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتا:

۱۔ دختر رسول ﷺ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے آپ کی ازدواج۔
۲۔ فتح خیبر میں علی علیہ السلام کے پاس پرچم ہونا۔
۳۔ نجویٰ کے لیے علی علیہ السلام کا صدقہ دینا۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ ؕ مَا ہُمۡ مِّنۡکُمۡ وَ لَا مِنۡہُمۡ ۙ وَ یَحۡلِفُوۡنَ عَلَی الۡکَذِبِ وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا ہے جنہوں نے اس قوم سے دوستی کر لی ہے جس پر خدا نے عذاب نازل کیا ہے یہ نہ تم میں سے ہیں اور نہ تم ان میں سے ہو اور یہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور خود بھی اپنے جھوٹ سے باخبر ہیں۔

قوم یہود کا تذکرہ

جس قوم کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے اس سے مراد قومِ یہود ہے اور جن کے بارے کہا گیا ہے کہ یہ لوگ نہ تو آپ سے ہیں اور نہ ہی ان میں سے ہیں اس سے مراد منافقین ہیں۔ منافقین کے بارے کہا جا رہا ہے کہ نہ تو وہ آپ کے ساتھ ہیں اور نہ ہی یہود کے ساتھ ہیں۔ یہ کفر اور ایمان کے درمیان سرگرداں ہیں جب یہود کے پاس جاتے ہیں تو ان سے دوستی کا اظہار کرتے ہیں اور جب مسلمانوں کے پاس آتے ہیں تو مسلمانوں کے سامنے قسمیں اٹھا اٹھا کر

کہتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ جب اللہ کو معلوم ہے کہ نہ تو یہ یہود کے ساتھ ہیں اور نہ ہی مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔

سورہ النسا آیت ۱۴۳ میں ہے:

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ: ''اس (کفر اور ایمان کے) معاملے میں متذبذب ہیں نہ پورے اِس طرف ہیں اور نہ پورے اُس طرف، اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لیے تو ہر گز کہیں راہ نہ پائے گا۔''

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ (سورہ مائدہ، آیت: 51)۔

ترجمہ: ''جو بھی تم سے یہود کو دوست رکھتا ہے تو وہ یہود ہی سے ہو جائے گا''

اس کے باوجود منافقین آپ کے پاس آکر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں اور تمہاری مانند ہم بھی ایمان لائے ہیں جبکہ وہ خود ہی جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے کہ یہ بہت برے اعمال کر رہے تھے۔''

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''انہوں نے اپنی قسموں کو سپر بنالیا ہے اور راہِ خدا میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں تو ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

منافقین کا رویہ

منافقین کے عمل کو بیان کیا گیا ہے کہ منافقین کی خصوصیات اس طرح ہیں:۔

۱۔ یہودیوں سے راہ ورسم رکھتے ہیں، ان کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں۔

۲۔ مسلمانوں کے درمیان خود کو مسلمان قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھی تمہاری طرح مسلمان ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان کچھ فرق نہیں۔

۳۔ اپنے مسلمان ہونے کے لیے جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں اور قسموں کو اپنی ڈھال بناتے ہیں۔

۴۔ تفرقہ ڈالتے ہیں اور اللہ کے پیغام کی اشاعت میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

۵۔ اسلام کے خلاف دوسروں کو متحرک کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

منافقین کے لیے عذاب

منافقوں کا عمل بہت ہی برا ہے۔ یہ لوگ فتنہ و فساد کا موجب بنتے ہیں لہٰذا ان کے لیے سخت ترین عذاب ہے، ایسا عذاب جو ذلت آمیز ہوگا اور انہیں خوار کرے گا۔ اس عذاب سے چھٹکارا انہیں نہیں ملے گا یہ عذاب ہمیشہ ہوگا۔

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''اللہ کے مقابلہ میں ان کا مال اور ان کی اولاد کچھ کام آنے والا نہیں ہے یہ سب جہنّمی ہیں اور وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

اموال اور اولاد

اموال اور اولاد دنیا کا متاع اور سامان ہیں۔ ان دونوں سے وابستگی دنیاوی محبت ہے۔ قیامت کے دن اس کا خمیازہ بھگتنا ہو گا اور اللہ انہیں ان کے اعمال کی سزا دے گا۔ دنیا میں انسان کے اموال اور اولاد اللہ کی طرف سے جو انسان پر واجبات و فرائض ہیں اس سے چھٹکارا نہیں دلا سکتے لہٰذا قیامت کے دن اولاد و مال انسان کو عذاب الٰہی سے نہ بچا سکیں گے۔ عذاب سے بچنے کا طریقہ اللہ پر ایمان اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان اور ایمان کے ساتھ عملِ صالح بجالانا ہے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ”جس دن خدا ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا اور یہ اس سے بھی ایسی ہی قسمیں کھائیں گے جیسی تم سے کھاتے ہیں اور ان کا خیال ہو گا کہ ان کے پاس کوئی بات ہے حالانکہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔“

قیامت کا دن

قیامت کا دن ہر راز کے منکشف ہونے کا دن ہے، سب حقائق سامنے آجائیں گے، کچھ بھی مخفی نہ رہے گا وہ جھوٹی قسم اٹھائیں گے یہ بات ان کے باطنی خُبث کے ظہور کی وجہ سے ہو گا کیونکہ جھوٹ یونہی ان کے دل میں راسخ ہو چکا ہو گا جس طرح وہ دنیا میں باطل کو حق کے روپ میں جلوہ دیتے تھے آخرت میں بھی ان کا ایسا ہی رویہ ہو گا وہ گمان کریں گے کہ اسی طرح وہاں بھی وہ اپنے جھوٹ کو چھپا لیں گے اور جھوٹی قسم سے اس جھوٹ کو سچ اور حق بنا کر پیش کریں گے جبکہ اللہ کا ان کے بارے اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اور ان کی جھوٹی قسموں پر کوئی توجہ نہ دی جائے۔ وہ دنیا میں جس طرح تمہارے سامنے قسمیں اٹھاتے تھے تو جب اللہ

کے سامنے پیش ہوں گے تو وہاں پر بھی اللہ کے سامنے قسمیں اٹھائیں گے اور باطل کو قسم اٹھا کر حق کے عنوان سے پیش کریں گے اور یہ ان کے باطن میں جو کچھ رچ بس چکا ہے اسی کا اظہار ہو گا۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''ان پر شیطان غالب آگیا ہے اور اس نے انہیں ذکر خدا سے غافل کر دیا ہے آگاہ ہو جاؤ کہ یہ شیطان کا گروہ ہیں اور شیطان کا گروہ بہر حال خسارہ میں رہنے والا ہے۔''

شیطانی غلبہ کے اثرات

یاد خدا سے انسان کیوں غافل ہو جاتا ہے؟

اس آیت کو امام حسین علیہ السلام نے صحرائے کربلا میں اپنی مخالف افواج کے بارے میں پڑھا تھا۔ اس آیت میں بیان کیا گیا کہ جب انسان پر شیطان کا غلبہ ہوتا ہے تو شیطان کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اس انسان سے اللہ کی یاد چھین لے۔ جب کہ اللہ اس کا خالق و مالک ہے اس کا رب ہے، اس کا رازق ہے، اس کا معبود ہے اس کا مُنعِم و مُحسِن ہے جب وہ اسے بھول جاتا ہے تو پھر شیطان اسے اپنے احکام کے تحت چلاتا ہے اور اس کی باگ ڈور شیطان کے پاس ہوتی ہے۔ اس طرح یہ انسان شیطان کی جماعت کا رکن بن جاتا ہے اور اسے شیطانی جماعت کے بہت سارے اور ساتھی مل جاتے ہیں وہ اپنے ہم جماعتوں سے مل کر بہت خوش ہوتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ وہ کامیاب ہے۔ اسی زعم میں رہتا ہے اسے موت آجاتی ہے اور موت کے بعد جب دوبارہ اسے اٹھایا جاتا ہے اور اللہ کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اس کی خرمستی موجود ہوتی

ہے اللہ کے سامنے بھی قسم اٹھا کر کہہ دیتا ہے کہ میں حق کا پیروکار ہوں اور اپنے باطل نظریہ کو حق ظاہر کر رہا ہوتا ہے۔ اللہ اس کے جھوٹے ہونے کا اعلان فرماتا ہے اور اس آیت میں اللہ نے فرما دیا کہ شیطان جن پر غلبہ کر لیتا ہے تو پھر وہ افراد شیطانی جماعت کے رکن بن جاتے ہیں اور شیطانی جماعت خسارے میں ہے، ناکامی ان کا مقدر ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾

ترجمہ : ”بیشک جو لوگ خدا و رسول سے دشمنی کرتے ہیں ان کا شمار ذلیل ترین لوگوں میں ہے۔“

اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی مخالفت کا نتیجہ

سابقہ آیت میں جو خبر دی گئی کہ حزب شیطان والے خسارے میں ہیں تو اس آیت میں اس کا سبب بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت کی ہے۔ ان سے دشمنی کا نتیجہ انہیں سخت ترین خسارہ کا سبب بنا اور ان کے لیے ذلیل ترین اور رسواء ترین ہونا یقینی ہے کیونکہ اللہ ہی کے پاس عزت ہے وہی عزیز ہے جو اللہ کو چھوڑتا ہے تو اس کے لیے ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں بچتا۔

كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾

ترجمہ : ”اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آنے والے ہیں بیشک اللہ صاحبِ قوت اور صاحبِ عزت ہے۔“

اللہ اور اللہ کے رسولوں کا غلبہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ سنایا ہے کہ یہ اللہ کا طے شدہ فیصلہ ہے کہ اللہ ہی نے غالب رہنا ہے اور یہ کہ اللہ کے جو نمائندے ہیں انہوں نے غالب ہونا ہے۔ اللہ اور

اللہ کے رسولوں کے جو بھی مخالفت کرنے والے ہیں ان میں سے کسی کے لیے غلبہ نہیں ہے، ان کے واسطے شکست ہے، ذلت و رسوائی ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ غالب ہیں اور یہ غلبہ ہر لحاظ سے ہے، دلیل و منطق میں غلبہ، غیبی تائید حاصل کرنے میں غلبہ وغیرہ طبیعت اور فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انسان اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی فرماں برداری کرے اور خود کو ان کے سامنے جھکا دے۔

استدلال کا میدان

حق کو درک کرنا اور اسے قبول کرنا انسان کی فطرت کا تقاضا ہے اگر حق کو انسان کے لیے صحیح طریقہ سے بیان کر دیا جائے اور بغیر شک کے انسان کا عقل اور اس کی طبیعت اس کی تائید کرتے ہیں اگرچہ ظاہری طور پر ہوس و نفسانی خواہشات کے تحت وہ اس کا انکار کرے۔

غیبی تائید

الٰہی حکمنامہ حق کے مفاد میں ہے اور باطل کے نقصان میں۔ اس کا بہترین نمونہ وہ عذاب ہیں جو مختلف اوقات میں اللہ کے مخالفین پر اسی دنیا میں آتے ہیں۔ جھٹلانے والی اقوام اور اُمتوں پر جس طرح عذابِ الٰہی آئے تو یہ غیبی تائید اور امداد بھی اللہ کی اپنے رسولوں کے لیے تھی اور اس طرح انہیں غلبہ حاصل ہوا۔

طبیعی لحاظ سے

انسان کی طبیعت و مزاج ایسا ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو قبول کرتا ہے کیونکہ مومن کا ایمان لانا اسے بطور مطلق ہے یعنی وہ بغیر کسی قید و شرط کے حق کا دفاع کرتا ہے اور باطل کے مقابلہ میں آجاتا ہے۔ مومن کا عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ مارا جائے حق کے دفاع

میں یا باطل پر ظاہری غلبہ حاصل کرلے دونوں حالتوں میں وہ کامیاب ہے لہٰذا اس کے پاس مقاومت کی طاقت اور اثبات غیر محدود ہیں۔

آغاز اسلام کے مسلمان

اسی بنیاد پر صدر اسلام میں مسلمان اسلام کی حقیقت پر قائم تھے انہوں نے اس نظریہ کی حفاظت کے لیے ہر طرح کی قربانی دی اور دشمنوں کے مقابلہ میں تمام جنگوں میں فتح یاب اور غالب ہوئے لیکن جب مسلمانوں کی اپنی نیتوں میں فتور آیا، عقیدہ کمزور ہو گیا، تقویٰ جاتا رہا، عمل میں اخلاص ختم ہو گیا، دین حق کی پاسداری اور اس کے پھیلاؤ میں قدرت طلبی اور ظاہری جاہ و حشمت مطمع نظر قرار پایا تو پھر انہیں اپنے دشمنوں کے مقابلے میں ذلت آمیز شکستوں کا سامنا کرنا پڑا اور یہ آج تک ایسے ہی ہوتا چلا آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا تکمیل دین کر دینا

۱۸ ذوالحجہ ۹ ہجری مولا علی علیہ السلام کی ولایت اور رسول اللہ ﷺ کی قائم مقامی کے اعلان کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی تکمیل، نعمات کے پورے ہونے اور دینِ اسلام کے پسندیدہ ہونے کا اعلان فرما دیا اور پھر اعلان فرمایا کہ اب کافروں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، تم مسلمان فقط مجھ (اللہ) سے ڈرو کہ اگر تم نے عمل چھوڑ دیا، ایمان کے تقاضے پورے نہ کیے تو پھر میں تمہیں سزا دوں گا۔

اَلۡیَوۡمَ یَئِسَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ دِیۡنِکُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَ اخۡشَوۡنِ ؕ (سورہ المائدہ، آیت: ۳)

ترجمہ: ”آج کے دن (۱۸ غدیر) کافر تمہارے دین (پر غلبہ حاصل کرنے) سے مایوس ہو گئے لہٰذا تم ان سے مت ڈرو، تم لوگ فقط مجھ سے ڈرو (کہ میری مخالفت پر تمہیں سزا ملے گی)“

ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبر دی کہ

''وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' (سورہ آل عمران، آیت ۱۳۹)

ترجمہ: ''سست مت پڑو، کمزور نہ ہو، غم مت کھاؤ کیونکہ تم بلند ترین ہو، سب پر برتر تم ہی ہو اگر تم مومنین ہو''

آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے غلبہ اور اپنے رسولوں کے غلبہ کی وجہ بیان کر دی اور وہ یہ ہے کہ اللہ ہی قوی و طاقتور ہے۔ اللہ کے سواء کسی کے پاس کچھ طاقت نہیں ہے اور اللہ ہی عزیز ہے، غالب ہے کہ اللہ پر کسی کو غلبہ نہیں ہے اس میں ضعف موجود نہیں ہے اور وہ قوی، مضبوط اور طاقتور ہے اور وہ عزیز ہے کہ کوئی بھی طاقت اس پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتی۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''آپ کبھی نہ دیکھیں گے کہ جو قوم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والی ہے وہ ان لوگوں سے دوستی کر رہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرنے والے ہیں چاہے وہ ان کے باپ دادا یا اولاد یا برادران یا عشیرہ اور قبیلہ والے ہی کیوں نہ ہوں ــ اللہ نے صاحبانِ ایمان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی اپنی خاص

روح کے ذریعہ تائید کی ہے اور وہ انہیں ان جنّتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان ہی میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ خدا ان سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے راضی ہوں گے یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں اور آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کا گروہ ہی نجات پانے والا ہے۔"

حزب اللہ میں شامل افراد کی خصوصیات

اس آیت میں حزب اللہ کی کامیابی کا بیان ہے اور حزب کے ممبران کا بیان کیا گیا ہے۔

ان کی خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ اللہ پر سچا ایمان۔

۲۔ آخرت پر سچا اور پختہ ایمان۔

۳۔ اللہ کے دشمنوں سے دشمنی۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے دشمنی۔

۵۔ اللہ اور اللہ کے رسول سے دوستی اور ان کے دشمن سے دشمنی میں اس حد تک ہیں کہ اگر ان کا باپ، بیٹا، بھائی، خاندان کے دیگر افراد، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف اور دشمن ہوں تو وہ ان رشتہ داروں کی پرواہ نہیں کرتے اور ان کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک دوستی اور دشمنی کا معیار اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے دوستی و دشمنی ہے۔ اس جگہ قرابت داری کا حوالہ ہے دوسرے افراد کا ذکر نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مضبوط ترین سبب کسی سے دوستی رشتہ داری ہی ہوتی ہے اس کے بعد دوسرے اسباب آتے ہیں جب قریبی رشتہ داری کی پراہ نہیں کی جاتی اور اللہ کی خاطر اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر ان سے دوستی ختم کر دی جاتی ہے بلکہ ان سے دشمنی تک مول لے لیتے ہیں تو دوسرے دوستوں کی دوستی برقرار رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

اس جذبہ اور اس قدر دوستی میں انتہاء کی وجہ کو اللہ نے خود بیان کر دیا ہے کہ:

''ان کا ایمان دلوں پر پتھر کی لکیر کی مانند اَن مٹ ہے جو تبدیل نہیں ہو سکتا اور نہ ختم ہو سکتا ہے''

اللہ تعالیٰ نے ان کو روحانی تقویت دی ہے۔ اپنی جانب سے اللہ تعالیٰ نے رُوح سے ان کی تائید کر دی ہے۔ ان کے دلوں کو اس رُوح کے وسیلہ سے زندہ رکھا ہے۔ جو رُوح مبداء حیات ہے قدرت اور شعور اسی سے وجود میں آتے ہیں۔

مومن کی رُوح

اس آیت سے استفادہ ہوتا ہے کہ مومنین میں جو رُوح موجود ہے اس سے حیات، قدرت اور نیا شعور پیدا ہوتا ہے اور وہی حیات طیبہ ہے۔ عقیدہ بھی طیب ہو جاتا ہے اور عملِ صالح بھی وجود میں آتا ہے۔ اسی سے انسان کے لیے ابدی سعادت کی خوشخبری ہے۔ یہی حیات ہے جو مومن کی برتری ہے جبکہ کافر اور منافقین میں جو روح موجود ہے وہ اس قسم سے نہیں ہے بلکہ وہ شیطانی رُوح ہے۔ مومن و کافر دونوں کی جو رُوح کا فرق ہے کہ جس کے نتیجہ میں حزب اللہ کامیاب ہے اور حزب الشیطان ناکام و نامراد ہے۔

مومنوں کے لیے خوبصورت وعدہ

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے بہت ہی خوبصورت وعدہ دیا ہے کہ اللہ انہیں ایسی بہشتوں میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے خوش اور راضی ہیں۔

اللہ کی رضایت

اللہ کی رضایت اللہ کی رحمت سے عبارت ہے جو ان کے لیے ہے جو ایمان میں خالص اور خدا سے راضی ہیں کیونکہ انہیں طیب زندگی ملی ہے، بہشت ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ صاحبان ایمان کو اعزاز بخشا ہے کہ یہی لوگ حزب اللہ ہیں جبکہ منافقین اور کافر حزب الشیطان ہیں جو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں۔

یہ بھی سب کو معلوم رہے کہ حزب اللہ ہی کامیاب ہے کیونکہ ان کے افعال و اعمال الٰہی راستہ کا عملی مظاہرہ ہیں۔ انسان دو جماعتوں سے کسی ایک میں ہو گا یا حزب الرحمان سے یا حزب الشیطان میں سے ہو گا۔

پیغام: ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ خود کو حزب اللہ بنائے اور خود کو حزب الشیطان سے قرار نہ دے دونوں کے اوصاف واضح ہیں۔ ان اوصاف کو مد نظر رکھ کر خود کو حزب اللہ سے قرار دے تاکہ ہمیشہ کے سکون کے لیے جنت الفردوس کا انتظام کرے۔

سورۃ الحشر

(مدنی۔ کل آیات: ۲۴)

سورہ کے مطالب

اللہ کی عظمت اور مدیریت و ربوبیت کا بیان، اللہ سے ملاقات اور قیامت کا تذکرہ، اللہ کے انعامات، اسماء الحسنٰی، اللہ کی پاکیزگی اور نقص سے پاک ہونا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ①

ترجمہ: ''آسمانوں اور زمین میں موجود ہر شے نے اللہ کی تسبیح کی ہے اور وہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔''

موجودات کا تسبیح کرنا

اس سورہ میں جس مضمون سے آغاز ہو رہا ہے اسی پر اس کا اختتام بھی ہے وہ یہ کہ تمام موجودات حق تعالیٰ کی تسبیح کر رہے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر موجود اپنی زبان حال سے اپنے ناقص وجود کے ساتھ اللہ کی تسبیح کر رہا ہے۔ اپنے خالق کو ہر عیب اور نقص و احتیاج سے بے نیاز اور پاک بتا رہا ہے۔ اللہ کے ہاں عدم نہیں، وہ وجود ہی وجود ہے، وہاں نقص نہیں، کمال ہی کمال ہے، وہاں احتیاج نہیں وہ غنی بالذات اور مطلق بے نیاز ہے۔

اس میں یہود کی خیانت اور بدعہدی کی طرف اشارہ موجود ہے۔ یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ اس قسم کی عہد شکنی، خیانت، مکاری، سازش اللہ تعالیٰ کے دامن کبریائی پر داغ نہیں بن سکتا۔ اس آیت میں اللہ کے دو ناموں کا ذکر ہوا ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے، یعنی غلبہ والا ہے، اس پر کوئی غالب نہیں، اس کے خلاف کوئی سازش نہیں کر سکتا، تمام سرکش

اقوام اور جھٹلانے والے نابود ہو جائیں گے۔ بدعہد یہود بھی برباد ہوں گے، شکست کھائیں گے، ذلیل ہوں گے، عزت اللہ کے لیے ہے، اللہ کی مخالفت کرنے والوں کے لیے کوئی عزت نہیں ہے۔

دوسرا یہ کہ اللہ حکیم ہے، اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے، اللہ کے سارے افعال کسی مصلحت کے تحت واقع ہوتے ہیں، اس میں منفعت ہی منفعت ہوتی ہے۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ۗ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَ اَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ۝۲

ترجمہ: ”وہ وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافر ہونے والوں کو پہلی ہی بے دخلی مہم میں ان کے گھروں سے نکال دیا، تمہارا گمان نہیں تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے مگر اللہ (کا عذاب) ان پر ایسی جانب سے آیا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مومنین کے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے، پس اے بصیرت رکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔“

قبیلہ بنی نضیر کا واقعہ

قبیلہ بنی نضیر مدینہ کے یہودی تھے، ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک معاہدہ تحریر ہوا تھا کہ وہ لوگ ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ مسالمت آمیز زندگی گزاریں گے، ایک دوسرے کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں نہ ہی ایک دوسرے کے خلاف سازش کریں گے، نہ کسی کے حق میں، نہ کسی کے خلاف اور وہ غیر جانبدار ہو کر امن و سکون سے رہیں گے۔ لیکن قبیلہ بنی نضیر نے اس معاہدہ کو توڑ دیا۔ یہ واقعہ مسلمانوں کے جنگ احد سے واپسی پر ہوا۔ یہ محمد بن اسحق کی روایت ہے جبکہ زہری کا نظریہ ہے کہ یہ واقعہ جنگ بدر کے چھ ماہ بعد رونما ہوا۔ یعنی جنگ احد سے پہلے۔[1]

بنی نضیر نے مسلمانوں کے خلاف سازش تیار کی، اس معاہدہ کو توڑنے پر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ مدینہ چھوڑ دیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ بنی نضیر نے مدینہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا لیکن منافقین جن کے سربراہ عبد اللہ بن ابی تھے، ان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ تم مدینہ سے باہر مت جاؤ، مدینہ میں رہ کر ان سے جنگ کرو، ہم بھی تمہاری مدد کریں گے۔ انہوں نے اسی پر فیصلہ کیا اور مدینہ نہ چھوڑا۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگ کا طبل بجا دیا اور جنگ کا پرچم حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام کو دیا، تکبیر کے ساتھ ان کے خلاف میدان میں اترے اور ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا، وہ تکبیروں کی صداؤں سے بہت ہی خوفزدہ ہو گئے، اس قدر خوف میں مبتلاء ہوئے کہ اپنے گھروں کو خود گرانا شروع کر دیا اس ڈر سے کہ کہیں ہمارے گھروں میں مسلمان نہ آجائیں اور وہ ان سے فائدہ اٹھائیں۔ جب مسلمانوں کے قبضہ میں ان کے قلعے آگئے تو انہوں نے بھی ان کو ویران کر دیا، ان کے درختوں

---

[1]۔ تفسیر مجمع البیان، ج ۹۔

کو کاٹ دیا۔ اس صورتحال میں یہود نے فیصلہ کیا کہ وہ فرار کر جائیں۔ اس طرح وہ خود ہی جلاوطن ہو گئے۔

اللہ کا یہود بنی نضیر کے بارے بیان

اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے یہود بنی نضیر کو پہلی مرتبہ ان کے اپنے گھروں سے باہر نکال دیا جبکہ مومنین کو اس کا احتمال بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے گھروں سے نکل جائیں گے۔ مومنین ان کے بارے خیال رکھتے تھے کہ یہودی بڑے طاقتور اور مضبوط ہیں وہ خیال کرتے تھے کہ ان کے مضبوط قلعے انہیں بچا لیں گے۔ ان پر اللہ کا عذاب نہ آئے گا لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب ایسے راستہ سے اُن پر آن پہنچا کہ جس کا وہ گمان بھی نہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا خوف اور دبدبہ ڈال دیا کہ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو ویران کر دیا، یہ اللہ کے ارادہ کا ان پر غلبہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ خود ان کے اپنے ہاتھوں سے نافذ کر دیا اور مومنین کو بھی حکم ملا کہ وہ ان کے گھروں کو ویران کردیں اور ان کے قلعوں کو گرادیں۔ اس سارے واقعہ میں صاحبان بصیرت کے لیے عبرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے سامنے کسی کا کوئی اختیار نہیں ہے، اللہ ہی غالب ہے اور اس کا ہر اقدام مصلحت اور حکمت پر مبنی ہے۔

وَ لَوْ لَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ③

ترجمہ: ”اور اگر اللہ نے ان پر جلاوطنی لکھ نہ دی ہوتی تو انہیں دنیا میں ضرور عذاب دیتا اور آخرت میں تو ان کے لیے ہے ہی جہنم کا عذاب۔“

جلاوطنی اور دنیا کا عذاب

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کی ہے کی یہودیوں نے جو سازش تیار کی تھی اس جرم میں انہیں قتل کیا جاتا یا انہیں اسیر بنالیا جاتا۔ لیکن ان کے بارے اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ وہ جلاوطن ہوں اور اپنے ہاتھوں سے اور مومنین کے ہاتھوں سے اپنے گھروں کی ویرانی کا مشاہدہ کریں چنانچہ بنی نضیر کے یہودیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا۔ بہرحال آخرت میں آگ کا عذاب ان مجرموں کے لیے آمادہ ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴

ترجمہ: ''یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کی اور جو اللہ سے دشمنی کرے تو اللہ یقیناً سخت عذاب دینے والا ہے۔''

اللہ سے مخالفت کی سزا

اس جگہ ایک کلی ضابطہ اور قانون بیان کیا گیا ہے کہ جو بھی اللہ اور اللہ کے رسول سے مخالفت کرتا اور ان سے دشمنی پر اتر آتا ہے تو ان کے لیے اللہ کا عذاب ہے۔ بنی نضیر کو جو سزا دی گئی اس کا سبب اللہ اور اللہ کے رسول سے دشمنی تھی اور اللہ سے دشمنی کی سزا سخت ترین عذاب ہے۔ اس آیت میں یہ اشارہ بھی دیا گیا ہے کہ اللہ سے دشمنی اللہ کے رسول سے بھی دشمنی قرار پاتی ہے؛ اللہ کا عقاب بہت شدید ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

ترجمہ: ”تم لوگوں نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے یا انہیں اپنی جڑوں پر قائم رہنے دیا یہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس لیے بھی تاکہ فاسقین کو رسوا کیا جائے۔“

بنی نضیر کا کھجور کے درخت کو کاٹنے کا معاملہ

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو کاٹ دو۔ جیسے ہی کچھ درختوں کو اکھاڑا گیا تو بنی نضیر کی چیخیں نکل گئیں کہ اے محمد ﷺ! آپ تو ہمیشہ لوگوں کو زمین پر فساد پھیلانے سے روکتے ہیں؟ ان درختوں کا کیا قصور ہے، ان کو کیوں کاٹ رہے ہو؟ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے کہ تم مسلمان کسی کھجور کے درخت کو نہیں کاٹتے اور کسی کھجور کے درخت کو باقی نہیں رکھتے ہو مگر یہ اللہ کے حکم سے ہی ہے، اللہ کا اذن ہے کہ تم ایسا کر رہے ہو۔ اس جواب میں یہودیوں کو یہ بتایا گیا کہ مسلمان جو کام کر رہے ہیں یہ خود سے ایسا نہیں کر رہے بلکہ ان کو اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا۔ اللہ ہی اس طرح مسلمانوں کے لیے منافع کو ظاہر کرتا ہے اور وہ اس طرح کہ یہود بنی نضیر کو ان کی سازشوں کے نتیجہ میں سزا دی جا رہی ہے اور انہیں ذلیل و خوار کیا جا رہا ہے اور انہیں معاشی نقصان پہنچانا مسلمانوں کے مفاد میں ہے اور اس سزا کا سبب خود بنی نضیر ہی تھے۔ ان پر کسی نے ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے اوپر خود ظلم کیا ہے۔

وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞٦

ترجمہ: ''اور ان کے جس مال (غنیمت) کو اللہ نے اپنے رسول کی آمدنی قرار دیا ہے (اس میں تمہارا کوئی حق نہیں) کیونکہ اس کے لیے نہ تو تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''

بنی نضیر کے اموال

اللہ تعالیٰ نے بنی نضیر کے اموال کو اپنے رسول ﷺ کے لیے مخصوص کر دیا اور اس کی وجہ بھی بتا دی کہ ان قلعوں پر قبضہ کرنے اور ان کے اموال حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں نے جنگ نہیں لڑی تھی، گھوڑوں اور اونٹ سواروں کا حوالہ دے کر یہ بتایا ہے کہ اس میں جنگ نہیں لڑی گئی بلکہ تم لوگ وہاں پر پیادہ گئے اور بغیر لڑائی کے ان کے اموال کو حاصل کیا ہے۔ لہٰذا یہ کوئی غنیمت کا مال نہیں ہے کہ جس میں تمہارا حصہ ہو۔ یہ تو اللہ کا ارادہ ہی تھا کہ جس سے یہودیوں کے دلوں پر رعب طاری ہوا اور وہ خوف زدہ ہو گئے اور انہوں نے خود ہی اپنے گھروں کو ویران کرنا شروع کر دیا اور اپنی املاک کو چھوڑ کر مدینہ سے باہر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

ایک ضابطہ کا بیان

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطہ بیان کر دیا کہ ایسے اموال جو بغیر جنگ حاصل ہوں گے وہ رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ہوں گے۔ اس ضابطہ کو بیان کرنے کے لیے واضح فرما دیا کہ اللہ جب چاہے اپنے رسولوں کو جس قوم پر چاہے بغیر جنگ کے غلبہ دے سکتا ہے، اللہ ہر کام پر قادر ہے، جس طرح مدینہ میں یہودیوں پر بغیر جنگ غلبہ عطا کیا۔ لہٰذا جو اموال یہود

بنی نضیر سے ملے وہ فیئ کہلائے اور رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کو اختیار ہے کہ وہ ان اموال میں جیسے چاہیں تصرف کریں۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَہْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ ؕ وَ مَآ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۚ وَ مَا نَہٰىکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۟﴿۷﴾

ترجمہ: ”اللہ نے ان بستی والوں کے مال سے جو کچھ بھی اپنے رسول کی آمدنی قرار دیا ہے وہ اللہ اور رسول اور قریب ترین رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ مال تمہارے دولت مندوں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ کا خوف کرو، اللہ یقینا شدید عذاب دینے والا ہے۔“

لِلْفُقَرَآءِ الْمُہٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِہِمْ وَ اَمْوَالِہِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾

ترجمہ: ”(یہ مال فیٔ) ان غریب مہاجرین کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں اور اموال سے بے دخل کر دیئے گئے جو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں نیز اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔“

وَ الَّذِیۡنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَ الۡاِیۡمَانَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ یُحِبُّوۡنَ مَنۡ ہَاجَرَ اِلَیۡہِمۡ وَ لَا یَجِدُوۡنَ فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ حَاجَۃً مِّمَّاۤ اُوۡتُوۡا وَ یُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ وَ لَوۡ کَانَ بِہِمۡ خَصَاصَۃٌ ؕ۟ وَ مَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۚ﴿۹﴾

ترجمہ: ''اور جو پہلے سے اس گھر (دارالہجرت یعنی مدینہ) میں مقیم اور ایمان پر قائم تھے، وہ اس سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کرکے ان کے پاس آیا ہے اور جو کچھ ان (مہاجرین) کو دے دیا گیا اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی خلش نہیں پاتے اور وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود محتاج ہوں اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچا لیے گئے ہیں پس وہی کامیاب لوگ ہیں۔''

فیٔ اور بغیر جنگ کے ملنے والے غنائم کا حکم

آیت ۷ میں بنی نضیر سے جو اموال حاصل ہوئے تھے ان کا حکم بیان کیا گیا کہ وہ اللہ کے لیے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کے لیے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں کے لیے ہیں۔ آپ کے قرابت دار، آپ کے اہل البیت علیہم السّلام ہی مراد ہیں، دیگر رشتہ دار نہیں۔ اس سے عام مسلمان بھی مراد نہیں۔

''یتامیٰ'' سے مراد وہ ہیں جو فقراء میں سے ہوں۔

''ابن سبیل'' سے مراد ایسے مسافر ہیں جو سفر کے دوران تہی دست ہو جائیں۔

آئمہ اہل البیت علیہم السّلام سے روایات میں آیا ہے کہ یتامیٰ، مساکین اور ابن سبیل سے مراد اہل البیت علیہم السّلام کی اولادیں ہیں یعنی (سادات حسنی و حسینی علیہم السّلام)۔

مال فئی کا رسول اللہؐ سے اختصاص کی وجہ

مال فئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ بیان کی ہے کہ یہ حکم اس لیے دیا ہے کہ اس قسم کے اموال دولت مندوں کے ہاتھوں میں نہ رہیں یعنی ان کے ہاتھوں میں نہ گھومتے رہیں بلکہ اس مال میں فقراء کا حصہ بھی ہو (کیونکہ جنگی غنائم فوجیوں میں تقسیم ہوتے ہیں اس کے لیے جنگ میں شریک ہونا شرط ہے، اس میں فقر کی شرط نہیں ہے اور اس مال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیر اور فلاح کے کاموں میں خود خرچ کریں۔ پھر فرمایا کہ اگر اس مال میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود سے تمہیں کچھ دے دیں تو ان سے لے لینا اور اگر نہ دیں اور تمہیں ان اموال کے تصرف سے روک دیں تو آپ لوگ اپنے ہاتھوں کو روک لو۔

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نضیر سے ملنے والے اموال میں سے کچھ مقدار مہاجرین اور انصار میں تقسیم کی تھی۔

اسی طرح اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے البتہ اس آیت میں عمومی حکم کا استفادہ بھی موجود ہے یعنی اس کا سیاق و سباق سے ہٹ کر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اوامر و نواہی کو یہ حکم شامل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے جو کہیں ویسا ہی کرو اور جس سے تمہیں روکیں ان کاموں سے رک جاؤ۔

فئی سے مہاجرین وانصار کا سہم

آیت نمبر ۸ میں فی سبیل اللہ، میں مہاجرین جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے اور اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ آئے تھے اور اس امید پر ہجرت کر آئے تھے کہ اللہ ہی دنیا میں روزی دینے والا ہے اور پھر ہمیشہ اللہ کے رسولؐ کی اپنے اموال، اپنی جانوں سے مدد کی اور اپنے عقیدے و ایمان میں سچے ثابت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی ہے یہ ان اوصاف کی

وجہ سے ہے جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول کر کے ثابت کیے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ ان لوگوں کی مدد کی جائے اور مال فیئ سے کچھ انہیں دیا جائے البتہ یہ اختیار رسول اللہ ﷺ کو دیا کہ وہ جتنی مقدار میں چاہیں انہیں دے دیں۔ اسی طرح مدینہ کے وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو اپنے سینے سے لگایا اور ایمان پر ثابت قدم رہے ان کے لیے مال فیئ سے کچھ مقدار دیں۔ آیت ۹ میں ان کی تعریف کی گئی ہے۔

مال فیئ میں سے انصار کا حصہ

انصار جنہوں نے مدینہ میں دینی معاشرہ قائم کیا اور ایمان کے مطابق عمل کر کے تمام رکاوٹیں اور موانع دُور کر دیئے یہاں تک کہ ہر مسلمان آزادی سے اپنے عقیدہ کے مطابق مدینہ منورہ میں عمل کر سکتا تھا کوئی مانع موجود نہ تھا جیسا کہ مکہ میں ان کے لیے مشکلات تھیں اور اپنے عقیدہ کے مطابق عمل نہ کر سکتے تھے اور دوسری صفت ان کی یہ ہے کہ مکہ سے جو بھی مومن مدینہ میں ہجرت کر کے آتا ہے اس کا استقبال کرتے اور ان سے محبت کرتے تھے جبکہ انہیں ان سے کوئی طمع ولالچ نہ تھی اور کبھی بھی ان کے دل میں یہ بات نہ آتی کہ وہ ان پر بوجھ ہوں گے بلکہ وہ خود کو خسارہ میں ڈال کر بھی انہیں فائدہ و منفعت دینے پر آمادہ تھے۔ خود احتیاج رکھتے ہوئے بھی مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے، ان سے حسد نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی ہے۔ جو بخل اور حرص سے خود کو بچاتا ہے۔

بعض مفسرین اس آیت کو انصار کی مدح کے لیے نئے مطلب کا آغاز قرار دیا ہے جبکہ بعض نے اس آیت کو سابقہ آیت نمبر ۸ پر عطف قرار دیا ہے۔ دوسری تفسیر مناسب تر ہے

جس طرح اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی تعریف کی ہے تو ان کے ساتھ انصار بھی ہیں ان کی مدح بھی کی ہے جنہوں نے مہاجرین کے لیے اپنے دروازے کھول دیئے۔[1]

وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ”اور جو ان کے بعد آئے ہیں، کہتے ہیں: ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لیے کوئی عداوت نہ رکھ، ہمارے رب! تو یقیناً بڑا مہربان، رحم کرنے والا ہے۔“

فتح مکہ کے بعد

اس آیت کے مضمون کو نیا مطلب بھی قرار دے سکتے ہیں اور پچھلی آیات پر عطف بھی قرار دے سکتے ہیں۔ یہ آیت ان کے بارے بتا رہی ہے جو ہجرت کے اختتام اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے یا وہ مسلمان جو صدر اول کے مسلمانوں کے بعد مسلمان ہوئے ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے لیے اور اپنے سے پہلے والے مسلمانوں کے لیے مغفرت کی دعا

---

[1]۔ مجمع البیان ج ۹: ابن عباس سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نضیر کے اس واقعہ میں انصار سے فرمایا آپ لوگوں کے پاس جو مال، گھر، زمین ہے اسے مہاجرین میں تقسیم کر دو اور مہاجرین کے لیے بنی نضیر کے مال سے جو حصہ دیا جا رہا ہے اس میں تم بھی شریک ہو جاؤ یا ایسا ہو کہ تمہارے اموال تمہارے لیے ہوں اور بنی نضیر کے غنائم مہاجرین میں تقسیم کئے جائیں۔ انصار نے جواب میں کہا ہم اپنے اموال کو مہاجرین میں تقسیم کرتے ہیں اور بنی نضیر کے غنائم بھی مہاجرین کے لیے ہیں اور ان غنائم سے ہم کچھ نہیں چاہتے۔ تو اس بیان کے بعد آیت ۹ نازل ہوئی ہے جس میں انصار کی تعریف کی گئی ہے۔

مانگتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو اپنے لیے چاہتے ہیں وہی اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے لیے بھی چاہتے ہیں وہ اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ اے رب ہمیں معاف کر دے اور جو ہم سے پہلے مسلمان ہو گزرے ہیں ان کو بھی معاف کر دے اور مومنوں کے بارے ان کے دلوں میں کسی قسم کا کینہ و بغض قرار نہ دے۔ اللہ کو رؤف و رحیم کے اوصاف سے یاد کیا تاکہ اللہ سے رحمت و شفقت اور مغفرت کو حاصل کر سکیں۔

پیغام: ا۔ تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے علاوہ دوسرے مسلمانوں کی مغفرت و بخشش کی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں، فقط اپنے لیے دعا نہ مانگیں۔

۲۔ دلوں میں محبت رکھیں، دوسروں کے لیے نفرت نہ ہو۔ دلوں سے بغض و کینہ کے خاتمہ کے لیے بھی اللہ سے مدد مانگی جائے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ لِاِخۡوَانِہِمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَئِنۡ اُخۡرِجۡتُمۡ لَنَخۡرُجَنَّ مَعَکُمۡ وَ لَا نُطِیۡعُ فِیۡکُمۡ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّ اِنۡ قُوۡتِلۡتُمۡ لَنَنۡصُرَنَّکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ”کیا آپ نے ان منافقین کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں: اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ضرور نکل جائیں گے اور تمہارے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات ہرگز نہیں مانیں گے اور اگر تمہارے خلاف جنگ کی جائے تو ہم ضرور بالضرور تمہاری مدد کریں گے لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ قطعاً جھوٹے ہیں۔“

منافقوں کے رویہ کا تذکرہ

اس آیت میں منافقوں کے رویے کو بیان کیا گیا ہے اور تعجب و حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ مسلمانوں سے منافقت کرنے والے کیسے لوگ ہیں کہ وہ اہل الکتاب کافروں سے وعدہ کر رہے ہیں کہ :-

۱۔ وہ شہر سے نہ نکلیں۔

۲۔ اگر ان کو زبردستی نکالا گیا تو وہ تنہا نہ ہوں گے ہم بھی ان کے ساتھ نکلیں گے۔

۳۔ تمہارے ساتھ جنگ نہ ہو گی۔

۴۔ اگر جنگ ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔

۵۔ اور تمہارے بارے میں جو بھی فیصلہ کیا جائے تو ہم اس میں مسلمانوں کا ساتھ نہ دیں گے۔

منافقین یہ سب کچھ اہلِ کتاب کافروں سے کہہ رہے تھے۔ جبکہ وہ ان سے بھی جھوٹ بول رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی باتوں کو بیان کرنے کے بعد ان کے جھوٹے ہونے پر مہر لگا دی کہ اللہ ان پر گواہ ہے کہ وہ جو کچھ کافروں سے وعدے کر رہے ہیں اس میں وہ پکے جھوٹے ہیں۔ اگلی آیت میں ان کے بیانات کے بارے بتایا گیا ہے۔

لَئِنۡ اُخۡرِجُوۡا لَا یَخۡرُجُوۡنَ مَعَهُمۡ ۚ وَ لَئِنۡ قُوۡتِلُوۡا لَا یَنۡصُرُوۡنَهُمۡ ۚ وَ لَئِنۡ نَّصَرُوۡهُمۡ لَیُوَلُّنَّ الۡاَدۡبَارَ ۟ ثُمَّ لَا یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر یہ ان کی مدد کے لیے آ بھی جائیں تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔“

منافقوں کے عمل بارے

منافقین دوغلا پن میں مبتلاء ہوتے ہیں، لہٰذا وہ جو کہتے ہیں ویسا کرتے نہیں، ان کی بات کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے انہوں نے: اہل کتاب کافروں سے کہا کہ جب تمہیں مدینہ سے نکالا جائے گا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے ایسا نہیں کیا۔ وہ ان کے ساتھ نہیں نکلے۔ اگر جنگ ہوتی تو جنگ میں بنی نضیر کا ساتھ نہ دیتے۔ اگر جنگ میں مدد کرنے کے لیے چلے بھی گئے تو پھر میدان جنگ سے فرار کر جائیں گے اور کسی کی وہ مدد نہ کریں گے۔ بنی نضیر کو کسی سے مدد نہ ملے گی اور وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ یہ پیشن گوئی کی گئی اور ایسا ہی ہوا کہ ان منافقین نے بنی نضیر کی کوئی مدد نہ کی۔

پیغام: منافقین کے کسی وعدہ پر یقین نہ کیا جائے اور نہ ہی ان کے وعدوں پر بھروسہ کرکے کوئی قدم اٹھایا جائے، وہ جھوٹے اور بے اعتبار ہوتے ہیں۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿١٣﴾

ترجمہ: ”ان کے دلوں میں اللہ سے زیادہ تمہاری ہیبت بیٹھی ہوئی ہے، یہ اس لیے کہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔“

منافقین کی جہالت کا نتیجہ

منافقین کے بارے فرمایا کہ یہ لوگ ناسمجھ ہیں، اپنے رب کے مقام سے آگاہ نہیں ہیں۔ ایسے بدبخت ہیں کہ اللہ کا خوف بھی نہیں۔ اسی وجہ سے اپنے ہم پیمانوں کے ساتھ وعدہ دینے کے باوجود میدان جنگ سے فرار کر جائیں گے۔

پیغام: اللہ کا خوف ہونا چاہیے، غیر اللہ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”یہ سب مل کر تم سے نہیں لڑیں گے مگر قلعہ بند بستیوں یا دیواروں کی آڑ میں، ان کی آپس کی لڑائی بھی شدید ہے، آپ انہیں متحد سمجھتے ہیں لیکن ان کے دل منتشر ہیں، یہ اس لیے ہے کہ وہ عقل سے کام لینے والے نہیں ہیں۔“

بنی نضیر اور منافقین کے بارے پیشن گوئی

اس آیت میں یہود بنی نضیر اور منافقین کے بارے پیشن گوئی کی گئی ہے کہ یہ لوگ کھلی فضاء میں اور میدان میں آکر جنگ نہیں کریں گے بلکہ اپنے قلعوں اور دیواروں کے پیچھے چھپ کر جنگ کریں گے ان کی دلاوری اور شجاعت ان کے اپنے درمیان ہی ہے لیکن جیسے ہی وہ آپ کا سامنا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دے گا لہٰذا یہ تمہاری سختی سے ڈریں گے۔ اے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ تو انہیں بظاہر متحد اور یک جاں دیکھ رہے ہو لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے ظاہری طور پر ان میں الفت و محبت نظر آتی ہے لیکن ان کے دل پراگندہ اور منتشر ہیں اسی وجہ سے ذلت و خواری ان کا مقدر ہے ان کی پراگندگی اور تفریق اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں اگر ان میں سوجھ بوجھ ہوتی تو یہ آپس میں متحد ہوتے اور فکری انتشار ان میں نہ ہوتا۔

پیغام: ظاہری اتحاد سے زیادہ فکری اتحاد کی اہمیت ہے جہاں فکر منتشر ہو تو وہاں پر حقیقی اتحاد وجود میں نہیں آسکتا۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۚ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''ان لوگوں کی طرح جنہوں نے ان سے کچھ ہی مدت پہلے اپنے عمل کا وبال چکھ لیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

بنی قینقاع کا انجام

بنی نضیر کے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے جو عہد و پیمان باندھا اور پھر اسے توڑ دیا تو ان کے بارے بتایا گیا کہ ان کا حال بھی ویسے ہی ہو گا جو ان سے تھوڑا عرصہ پہلے ان جیسوں کا حشر ہوا ہے۔ اس سے مراد بنی قینقاع ہیں وہ بھی مدینہ کے یہود تھے انہوں نے جنگ بدر کے بعد عہد شکنی کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کرنے کے بعد انہیں مدینہ سے باہر نکال دیا اور انہیں اِذرُاعات کی سرزمین پر بھیج دیا۔ منافقوں نے ان سے بھی امداد کا وعدہ کیا تھا لیکن ان کی مدد نہ کی۔ بنی نضیر کو بتایا جا رہا ہے تمہارے ساتھ بھی وہی کچھ ہونے والا ہے جو بنی قینقاع کے ساتھ ہوا۔ دنیا میں ذلت و خواری اور آخرت میں سخت عذاب تمہارے لیے ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''شیطان کی طرح جب اس نے انسان سے کہا: کافر ہو جا! پھر جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا: میں تجھ سے بیزار ہوں، میں تو عالمین کے رب اللہ سے ڈرتا ہوں۔''

شیطان اور منافقین میں مماثلت

اس جگہ منافقین کو شیطان صفت کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اس سے بڑے بڑے وعدے کرتا ہے، اسے ڈراتا ہے، دھمکاتا ہے جب انسان اس کی بات مان لیتا ہے، اللہ کی نافرمانیاں شروع کر دیتا ہے اور کفر اپنا لیتا ہے تو اس وقت شیطان اعلان کرتا ہے کہ میرا اس کافر انسان سے کوئی تعلق نہیں میں تو خود اللہ سے ڈرتا ہوں۔ منافقین نے بھی اسی طرح یہود بنی نضیر کو نصرت اور مدد کا وعدہ دیا لیکن انہوں نے ان سے مکاری کی اور جب بنی نضیر کو مدینہ بدر کیا گیا تو وہ ان کے ساتھ مدینہ سے نہیں نکلے اور ان کی کوئی مدد نہ کی۔

شیطان کا اللہ سے ڈرنا

اگر شیطان کا یہ ماجرا جنگ بدر سے متعلق ہے جس کی تفسیر سورہ انفال میں گزر چکی ہے تو اس صورت میں شیطان کی بات سنجیدہ ہے کیونکہ اس نے دیکھا تھا کہ فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے آئے ہیں۔ وہی فرشتے جو مومنوں کی مدد کے لیے آسمان سے زمین پر اترتے ہیں۔ وہی اسے پکڑ کر عذاب نہ دیں اور اگر اس آیت کا تعلق ابو جہل یا برصیا نامی عابد سے ہے تو پھر شیطان کی یہ بات کہ وہ تو خود اللہ سے ڈرتا ہے یہ غیر سنجیدہ بات ہے اس میں ایک طرح کا استہزاء ہے اور انسان کی تذلیل ہے یا پھر کفر کی طرف دعوت دینے کا جو انجام ہے اس سے خوف کا اظہار ہے۔[1]

---

[1]۔ **برصیصا عابد کا واقعہ:** ایک برصیصا نامی عابد تھا اس کے قریب ایک گھرانے میں ایک لڑکی بیمار ہوتی ہے اس لڑکی کے گھر والوں سے جا کر شیطان کہتا ہے کہ تمہاری بیٹی کی شفاء فلاں عابد (برصیصا) کے پاس ہے۔ پھر وہ برصیصا کے پاس آیا اور اسے کہا کہ تم لڑکی سے مجامعت کرو جب لڑکی حاملہ ہو گی تو پھر اسے وسوسہ ڈالا کہ اسے قتل کر دو اور پھر اس کا انکار کر دو۔ آخر کار لڑکی کے ورثاء نے اس عابد کو پکڑ لیا اس وقت شیطان عابد کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے لڑکی والوں کو جا کر بتایا اور تجھے گرفتار

بنی قینقاع کے اخراج کا مسئلہ

ایک قول کے مطابق مدینہ میں ایک مسلمان عورت یہودی زرگر کے پاس زیور بنانے کے لیے جا بیٹھی۔ اس یہودی زرگر نے اپنا پاؤں اس کے دامن کے اوپر رکھ دیا جیسے وہ عورت کھڑی ہوئی تو اس کی پنڈلی ننگی ہو گئی، اس عورت کا شوہر اس یہودی زرگر سے جھگڑا کرتا ہے وہ یہودی مارا جاتا ہے اس کے نتیجہ میں یہودی اس مسلمان کو مار دیتے ہیں، اس مسلمان کے خاندان والے خوانخواہی کے لیے میدان میں آجاتے ہیں اس طرح یہ سلسلہ آگے بڑھا اور بنی قینقاع کو مدینہ سے نکال دیا گیا اور ذراعات میں بھیج دیا۔

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِى النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۷

ترجمہ: ”پھر ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ وہ دونوں جہنمی ہو گئے جس میں (وہ) ہمیشہ رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔“

ظالموں کا انجام

اس جگہ شیطان اور اس کے پیروکاروں کے بارے بتایا گیا ہے کہ یہ دونوں ظالم ہیں۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے اپنے ساتھ زیادتی کی ہے۔ شیطان گمراہ کرنے والا

کروا دیا اب اگر تم مجھے سجدہ کرو تو میں تمہیں نجات دوں گا اور جب اس نے اسے سجدہ کیا تو شیطان نے اس کا مذاق اڑایا اور اس سے اظہار برات کر لیا۔ (روح المعانی)

اور انسان گمراہ ہونے والا دونوں کا انجام جہنم کا ٹھکانہ ہے جس میں ہمیشہ رہنا ہے اور تمام ظالموں کا انجام ایسا ہی ہے۔ ان ظالموں میں سے بنی نضیر کے یہود اور منافقین بھی ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (روز قیامت) کے لیے کیا بھیجا ہے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ یقیناً اس سے خوب باخبر ہے۔''

مؤمنوں کے لیے خصوصی ہدایت

اس آیت میں مومنوں کے لیے ایک خصوصی ہدایت دی گئی ہے جو اس طرح ہے:۔

۱۔ تقویٰ اختیار کرو، اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اللہ کی ناراضگی سے خود کو بچاؤ، اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے تدابیر کرو۔

۲۔ جو اللہ کے احکام ہیں یعنی اوامر و نواہی، ان پر مکمل عمل کرو۔

۳۔ اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہو، اگر نیک اعمال انجام دیئے ہیں تو ثواب کی اُمید رکھو اور اگر برے اعمال کئے ہیں تو عذاب کا کھٹکا لگا رہے۔ اللہ کے عذاب سے ڈرو اور اپنے گناہوں کے بارے توبہ کرو۔

۴۔ انسان اپنا احتساب کرے اور احتساب کرنے میں اللہ کا تقویٰ اپنائے۔ اسے معلوم ہو کہ وہ جو کچھ انجام دیتا ہے اللہ اس سے آگاہ ہے۔ اللہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کونسا عمل اخلاص سے انجام پایا ہے اور کونسا عمل فاسد ہے۔

۵۔ مومنوں پر واجب ہے کہ سب سے پہلے تو الٰہی واجبات و فرائض کو انجام دے اور اللہ کی طرف سے محرمات اور اللہ کے نواہی کو ترک کریں، ان کا عمل اللہ کی اطاعت میں ہو اور اللہ کی معصیت سے دوری میں منحصر ہو کیونکہ اس کا یہی عمل ہی آخرت کا توشہ ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان موت اور لقاء الٰہی اور روز جزاء سے پہلے اپنا احتساب خود کر لے۔ اپنے نیک اعمال پر اللہ کا شکر ادا کرے اور اپنے برے اعمال پر اللہ کے حضور توبہ کرے۔ اللہ سے مغفرت کا طالب ہو اپنے اعمال کا احتساب کرنے میں بھی تقویٰ کو بنیاد بنائے، اپنے ریاکارانہ عمل کو خالص قرار نہ دے اور اپنے برے عمل کو اپنے سامنے اچھا بنا کر پیش نہ کرے کیونکہ اسے یہ معلوم رہے کہ قیامت کے دن اس کا احتساب اللہ کے ہاتھ میں ہے جو تمام اعمال بارے چھوٹے ہوں یا بڑے خالص ہوں یا ناخالص ہو سب کے بارے اللہ آگاہ ہے۔

وَ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۹

ترجمہ: "اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں خود فراموشی میں مبتلا کر دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔"

مومنوں کے لیے تنبیہ

سابقہ آیات کے مضمون کی مزید تاکید کی گئی ہے کہ اے مومنو! ہوش مند رہو، اپنے نفس کے مراقب رہو غافل نہ رہو، جو شخص خود کو بھلا دیتا ہے تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ وہ اللہ کو بھلا دیتا ہے کیونکہ جب انسان خود کو بھول جاتا ہے اپنی حیثیت بارے فراموشی میں چلا جاتا ہے تو اللہ کے اسماء حسنیٰ اور صفات جو انسان کے نفس سے مربوط ہیں ان کو بھلا بیٹھتا ہے یعنی وہ اپنی ذاتی ذلت، فقر، احتیاج کو بھلا دیتا ہے اور اپنے نفس کو مستقل خیال کر بیٹھتا ہے وہ گمان

کرتا ہے کہ حیات، قدرت، علم اور باقی کمالات جو اس میں ہیں وہ ان کے اپنے حاصل کردہ ہیں کسی ذات سے بالاتر کی جانب سے عطا نہیں۔ دنیا کے طبیعی عوامل و اسباب کو تاثیر میں مستقل خیال کرتا ہے۔ اسی مرحلہ میں وہ اپنے نفس اور ظاہری اسباب پر اعتماد کرتا ہے اور اپنے رب کی طرف بازگشت اور رجوع کو بھول جاتا ہے۔ اس آیت شریفہ میں نفس کو فراموش کرنے سے منع کیا گیا ہے، درحقیقت نفس کی (اپنی ذات کی) فراموشی کرنا خدا کی فراموشی ہے۔ آخر میں اس طرح بات کا اختتام کیا ہے کہ ایسے لوگ جنہوں نے خدا کو بھلا دیا ہے کیونکہ اپنے نفس کو بھلا بیٹھے اس کی اصلیت و حقیقت سے بے خبر ہوئے۔ تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے اور یہی لوگ حقیقی فاسق ہیں کیونکہ انہوں نے بندگی اور عبودیت کی روش سے عدول کر لیا ہے جیسے بنی نضیر کے یہود اور منافقین تھے یہ بھی ان کی مانند ہو گئے ہیں۔

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''اہل جہنم اور اہل جنت برابر نہیں ہو سکتے، اہل جنت ہی کامیاب ہیں۔''

اہل جنت و جہنم کا تقابل

سابقہ آیت کے سیاق میں بیان کیا جا رہا ہے کہ جس سے یہ اشارہ مراد ہے کہ جو خود فراموش ہیں اور اپنی خودی سے ناآگاہ اور اس سے غافل ہیں تو اس کے نتیجہ میں وہ خدا فراموش ہو جاتے ہیں اور ایسے افراد کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ان کے مقابل میں وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کے بارے آگاہ ہیں اپنی حیثیت کو سمجھتے ہیں خود سے غافل نہیں ہیں تو وہ اللہ کی ضرورت رکھنے

والے ہیں ان میں خداخوفی موجود ہے یہی لوگ صاحب تقویٰ ہیں ان کے لیے جنت ہے اور وہ جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

انسان کے دو گروہ ہیں: جہنمی یا جنتی لہٰذا تمام انسانوں کو یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ وہ کس گروہ میں جانا چاہتے ہیں۔ جہنم والوں کی خصوصیات بتادی ہیں کہ وہ

۱۔ خود فراموشی کے نتیجہ میں خدافراموش ہوتے ہیں۔

۲۔ اپنے اعمال پر ان کی نظر نہیں ہوتی، تقویٰ نہیں ہوتا۔

اور جو جنتی ہیں ان کی خصوصیات یہ ہیں کہ

۱۔ تقویٰ الٰہیٰ ان میں ہوتا ہے۔

۲۔ اپنے اعمال پر خاص نظر رکھتے ہیں، اچھے اعمال اور خالص اعمال کے ذریعہ اللہ کا شکر بجالاتے ہیں اور برے اعمال پر اللہ سے معافی مانگتے ہیں۔

پیغام: ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ خود کو جنتیوں سے ملحق کرے اور اپنے اندر جنت میں جانے والوں کے اوصاف پیدا کرے۔

اس جگہ ایک دلیل پیش کی گئی ہے اور وہ اس طرح کہ جہنمی اور جنتی دو گروہ ہیں جو ایک دوسرے کی ضد میں تیسری شق موجود نہیں تمام انسان ان دو میں سے کسی ایک کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اسے اللہ کے خوف سے جھک کر پاش پاش ہوتا ضرور دیکھتے اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ شاید وہ فکر کریں۔''

قرآن کی عظمت و برتری کا تذکرہ

قرآن عظیم کتاب ہے اس کے مضامین اور اس میں درج شدہ احکام سب ہی عظمت والے اور شان والے ہیں۔ ان میں عبرتیں ہیں، سابقہ اُمتوں کی حکایات اور ان کے قصے ہیں، شرائع و قوانین کا بیان ہے۔ مواعظ واخلاقیات ہے، بشارتیں ہیں، اور ڈرانے کی باتیں ہیں اس لحاظ سے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، عظیم ہے، مثال دی کہ قرآن کا وزن پہاڑوں سے بھاری ہے، اگر پہاڑوں پر قرآن کے مطالب اتار دیئے جاتے تو پہاڑ اسے برداشت نہ کر سکتے اور اس کے بوجھ تلے دب کر ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ پہاڑ اللہ کے خوف کے نتیجہ میں ان سارے مطالب کو اٹھانے کی تاب نہ لا سکتے جب پہاڑوں کی قرآن کے مطالب کے بارے میں ایسی حالت ہے جب کہ وہ جمادات میں سے ہیں اور انسان اشرف المخلوقات ہے، اس کے لیے تو زیادہ مناسب ہے لہٰذا جب قرآن کی تلاوت انسان کے لیے کی جائے تو وہ بھی اس کے سامنے خاشع ہو اور اس میں خدا خوفی آنی چاہیئے اس کا دل خاشع ہو لہٰذا وہ انسان جو قرآن کے سامنے خاشع نہیں ہوتے بلکہ قرآن کی مخالفت کرتے ہیں ان کے دل پہاڑ سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

یہ مثالیں اس لیے انسانوں کو دیتے ہیں تاکہ وہ ان کو سامنے رکھ کر اپنی فکر کو استعمال میں لائیں اور سوچیں کہ قرآن ایسا کلام ہے کہ اس میں غور و فکر کرنا چاہیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عبودیت کے راستہ سے جو ہدایت اسے دی جارہی ہے اسے قبول کرے اور خود کو سعادت کے کمال تک لے جائے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غیب و شہود کا جاننے والا ہے، وہی رحمٰن رحیم ہے۔''

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی بادشاہ ہے، نہایت پاکیزہ، سلامتی دینے والا، امان دینے والا، نگہبان، بڑا غالب آنے والا، بڑی طاقت والا، کبریائی کا مالک، پاک ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''وہی اللہ ہی خالق، موجد اور صورتگر ہے جس کے لیے حسین ترین نام ہیں، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔''

اللہ کے اسماء الحسنٰی کا بیان

ان تین آیات میں اللہ کے بعض اسماء حسنیٰ کو بیان کیا گیا ہے سابقہ آیات کے مضامین سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جو مومنین ہیں، اہل تقویٰ ہیں وہ ہمیشہ اللہ کو یاد کرتے ہیں، اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اللہ کا اچھے ناموں سے ذکر کرتے ہیں اللہ کا ہر نام اللہ کی صفاتِ کمالیہ کو بیان کر رہا ہوتا ہے اللہ ہر نقص و عیب و حاجت سے پاک ہے، جب ایسا ہے تو اللہ میں ہر کمال ہے اور کمال کی کوئی حد یا انتہاء نہیں جو اللہ کی صفات جمالیہ و صفات کمالیہ و جلالیہ کو بیان کر

رہے ہوتے ہیں جب پہاڑوں پر ان کا ورود ہو تو وہ کیوں نہ خاشع ہوں اور خوف کے بارے اور اپنی بے وقعتی کا احساس کرتے ہوئے کیوں نہ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

اللہ ہی وہ ہے کہ اس کے سواء کوئی معبود نہیں وہ ظاہر و باطن سب سے آگاہ ہے وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

الوہیت میں توحید

پہلی آیت میں اللہ کی معبودیت اور الوھیت میں توحید کا بیان ہے وہ لا الہ الا اللہ ہے، اللہ کا علم مطلق ہے اپنی معلومات کے بارے اس کا علم محیط ہے، جسے درک کرنے سے ہم عاجز ہیں۔ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ غیب و حاضر کا علم نسبی ہے ممکن ہے ایک شخص کے لیے ایک چیز حاضر ہو اور دوسرے کے لیے وہی چیز غائب ہو۔ اگر وہ اس غائب سے آگاہ ہو تو کہا جائے گا کہ اس کے پاس غیب کا علم ہے اس لحاظ سے کہ اللہ تمام عوالِم اور جہانوں پر محیط ہے۔ تمام موجودات اس کا محضر ہیں سب اس کے سامنے حاضر و موجود ہیں۔ اس کے لیے غیب و شہود برابر ہے۔ غیر خدا کا وجود محدود ہے اس کا علم بھی محدود ہے اس حد تک اس کا علم محدود ہے کہ جب تک اس کی رسائی نہیں وہ اس کے واسطے غیب ہوتا ہے جو عالَم لوگوں کی بہ نسبت غیب شمار ہوتے ہیں اور ان تک ان کی رسائی طبیعی اسباب سے ممکن نہیں تو اللہ تعالیٰ ایسے امور کو اپنے انبیاء اور اولیاء کے لیے بیان کر دیتا ہے سورہ جن آیت ۲۷،۲۶ میں ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝٢٦ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

ترجمہ: ''اللہ عالِم غیب ہے (جو کچھ انسانوں کے لیے غائب ہے اور طبیعی اسباب کے تحت اس کا علم اسے نہیں مل سکتا اللہ اس سے آگاہ ہے) اللہ اپنے علم غیب پر کسی ایک کو بھی آگہی نہیں دیتا (یعنی اللہ کے ہاں جو علم ہے اس کے متعلق کوئی انسان از خود آگاہ نہیں ہو سکتا) مگر

یہ کہ اللہ اپنے رسول (نمائندہ) میں سے جس کے لیے پسند کرے اسے اس علم غیب سے آگہی دے دیتا ہے۔"

لہٰذا رسول اللہؐ اگر غیب کی خبر دیتے ہیں تو یہ اللہ کی تعلیم سے دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر آئمہ اہل البیت علیہم السلام مستقبل کے بارے خبریں دیتے ہیں اور جس کا علم عام انسانوں کے پاس نہیں اس کے بارے آگاہ کرتے ہیں تو یہ علم انہیں اللہ کی طرف سے عطا ہوا ہے کسی طبیعی ذریعہ سے حاصل نہیں کیا گیا۔

بعد والی دو آیات میں اللہ کے کچھ اور اسماء کا تذکرہ کیا ہے۔

1۔ **ملک:** اللہ سلطنت انسانی کا صاحب اختیار مالک ہے۔ تمام انسانوں کے امور کی تدبیر اللہ کے پاس ہے، ان پر حکومت و حکمرانی کا مطلق اختیار اللہ کے پاس ہے۔

2۔ **قدوس:** اللہ بہت ہی منزہ و پاک ہے ہر نقص و عیب سے پاک ہے، کسی کا محتاج نہیں ہے سب اس کے محتاج ہیں وہ غنی علی الاطلاق ہے۔

3: **سلام:** وہ سلامتی ہے ہر ایک کو خیر عطا کرتا ہے اس کے ہاں جنگ و شر نہیں ہے وہ سلامتی دینے والا ہے وہ خود بھی سلامتی ہے، وہ سالم و کامل ہے بے عیب و بے نقص ہے۔

4۔ **مؤمن:** امن دیتا ہے، امنیت اس سے ہے ہر فرد اسی کی امان میں ہے۔

5۔ **مھیمن:** وہ تمام موجودات پر فائق ہے، سب پر غالب ہے سب پر حاکم ہے۔

6۔ **عزیز:** وہ عزت والا ہے وہاں ذلت نہیں، غلبہ اسی کے لیے ہے وہاں شکست نہیں وہ کسی کے سامنے مجبور نہیں سب اس کے آگے مجبور ہیں، وہی عزت دینے والا ہے، عزت و اکرام اس کی ذات کے لیے ہے۔

7۔ **جبار:** اصلاح کرنے والا، بگڑی کو بنانے والا، ٹوٹے ہوؤں کو جوڑنے والا، اس کا ارادہ نافذ ہے، وہ اپنے ارادہ کو دوسرے کے اوپر نافذ کرنے والا ہے۔

8۔ **متکبر**: کبریائی کی رداء اسی کے واسطے ہے بزرگی اسی کی ذات کے لیے شائستہ ہے کسی اور کے لیے بزرگی نہیں ہے اگر کسی کے لیے کوئی عزت، شرافت و کرامت اور بزرگی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ ہے۔ کسی کے پاس کچھ بھی نہیں ہے جو کچھ کسی کے پاس ہے تو وہ عطا الٰہی ہے۔

9۔ **سبحان**: اللہ کی صفت سبحانیت کا بار بار تذکرہ ہوتا ہے۔ عام لوگ اللہ کے لیے اپنی جانب سے کچھ صفات اور خصوصیات گھڑ لیتے ہیں تو اللہ فرماتا ہے کہ جو کچھ وہ لوگ اللہ کے شریک بناتے ہیں اور اللہ کے ساتھ نسبتیں دیتے ہیں تو اللہ ان تمام نسبتوں اور کثافتوں سے پاک ہے۔ ناقص عقلوں سے اللہ کے بارے جو گفتگو کرتے ہو اللہ تمہارے دیئے گئے ان اوصاف اور بیانات سے پاک ہے۔

10۔ **خالق**: اللہ ہی ہے جس نے تمام انبیاء کو ایک حساب سے ایجاد کیا ہے، سب کا بنانے والا اللہ ہے۔

11۔ **باریؑ**: اللہ ایسا خالق ہے کہ اس نے ہر شئی کو دوسری شئی سے ممتاز بنایا ہے ہر ایک کی اپنی پہچان قرار دی ہے۔

12۔ **مصور**: وہ ایسا خالق ہے کہ اس نے ہر چیز کی ایسی تصویر کشی کی ہے کہ وہ دوسری سے مشتبہ نہیں ہوتی۔ یہ تین نام خالق، باری اور مصور اللہ کی صفات ایجادیت کو بیان کر رہے ہیں۔ خلقت کے بارے ہر ہر کیفیت کو بیان کر دیا ہے۔ اللہ نے تمام مخلوقات کو ایک حساب اور اندازے کے تحت بنایا ہے اور ہر ایک کو جدا جدا بنایا ہے ہر ایک کی اپنی شناخت رکھی ہے ہر ایک کی تصویر دوسری سے الگ ہے۔

کلمہ لا الہ الا اللہ کا بیان

پہلی دو آیات میں اللہ کے لیے اس طرح تعارف کروایا ہے کہ "ھو اللہ الذی لا الہ الاھو" جب کہ آخری آیات میں فقط اسماء حسنیٰ کو بیان کیا ہے۔ دو آیات میں گیارہ صفات یا گیارہ نام اللہ کے بیان کئے گئے۔ یہ سب اللہ کی الوھیت کو ثابت کر رہے ہیں ہر ایک نام اصالت اور استقلالی طور پر اس عنوان کو ثابت کرتا ہے کہ اس استقلال میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس لحاظ سے کہ اللہ ہی مالک ہے لہٰذا وہی معبود ہے، اللہ ہی قدوس ہے لہٰذا وہی معبود ہے اللہ ہی سلام و مومن و مھیمن ہے لہٰذا وہی معبود ہے اللہ ہی عالم الغیب والشادۃ ہے لہٰذا وہ معبود ہے اسی لیے آخر میں شرک کی نفی کی گئی کہ جو لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اللہ ان سے منزہ و پاک ہے جبکہ جو اسماء اور صفات آخری آیت میں آئے ہیں یہ اسماء خود براہ راست مستقل طور پر اللہ کی الوھیت کو ثابت نہیں کرتے بلکہ اللہ کی ان صفات کے مشرکین بھی قائل تھے، وہ بھی کہتے تھے کہ اللہ ہی ہر شئی کا خالق ہے، خلقت و ایجاد کو اللہ سے مخصوص کرتے تھے۔

اللہ جل جلالہ کا نام

تینوں آیات کے شروع میں اللہ کا تکرار مقصود کی تاکید کے لیے ہے کیونکہ یہ نام مبارک عَلَم اور خاص نام ہے جو ذات باری تعالیٰ کے لیے ہے۔ وہ ذات جو تمام صفات کمالیہ و جمالیہ کو اپنے لیے خاص کرنے والی ہے۔ اسی ذات کا نام ہے، اسی سے تمام اسماء حسنیٰ اور صفات نکلتی ہیں۔ اللہ کے لیے اسمائے حسنی ہیں اس سے اللہ کے تمام اسماء کی طرف اشارہ ہے۔

عوالَم کی تسبیح

آخر میں یہ بتایا ہے کہ تمام عوالَم میں جو کچھ موجود ہے ہر شئی اپنی زبانِ حال سے اللہ کی تسبیح کر رہی ہے اور بتا رہی ہے کہ وہ واحد ہے، وہ قدوس و سلام، مومن و مھیمن، خالق و باری، مصور و جبار و عالم الغیب و الشادۃ ہے، وہ عزیز ہے، حکیم ہے، اس کے تمام افعال حکیمانہ اور ایک ہدف کے تحت ہیں۔ اس کے افعال بے غور، بے مقصد نہیں، فضول نہیں، گناہگاروں کا گناہ کرنا، منکرین کا انکار کرنا، اسے عاجز و ناتواں نہیں بنا سکتا اور نیکو کاروں کا اجر و ثواب اس کے در سے ضائع نہیں ہوتا۔ اس ذات کا کلام عزیز ہے۔

سورۃ الممتحنہ

(مدنی۔ کل آیات: ۱۳)

سورہ کے مطالب

مومنوں کو اللہ کے دشمنوں سے دوستی کرنے سے منع کرنا، مہاجر خواتین کے بارے احکام اور خواتین سے بیعت لینا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ اَوۡلِیَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡھِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ وَ قَدۡ کَفَرُوۡا بِمَا جَآءَکُمۡ مِّنَ الۡحَقِّ ۚ یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَ اِیَّاکُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ رَبِّکُمۡ ؕ اِنۡ کُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِھَادًا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِیۡ ٭ۖ تُسِرُّوۡنَ اِلَیۡھِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ ٭ۖ وَ اَنَا اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَیۡتُمۡ وَ مَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ ؕ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡہُ مِنۡکُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱﴾

ترجمہ: ''ایمان والو! خبر دار میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بنانا کہ تم ان کی طرف دوستی کی پیش کش کرو جب کہ انہوں نے اس حق کا انکار کر دیا ہے جو تمہارے پاس آچکا ہے اور وہ رسول کو اور تم کو صرف اس بات پر نکال رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار (اللہ) پر ایمان رکھتے ہو.... اگر تم واقعا ہماری راہ میں جہاد اور ہماری مرضی کی تلاش میں گھر سے نکلے ہو تو ان سے خفیہ دوستی کس طرح کر رہے

ہو؟ جب کہ میں تمہارے ظاہر و باطن سب کو جانتا ہوں اور جو بھی تم میں سے ایسا اقدام کرے گا وہ یقینا سیدھے راستہ سے بہک گیا ہے۔"

دشمنوں سے دوستی رکھنا

یہ آیت حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں اُتری ہے۔ اس نے مخفیانہ طریقہ سے مشرکین مکہ کو خط لکھا جس میں انہیں پیغمبر اکرم ﷺ کے مکہ پر حملہ کرنے کے منصوبہ کے بارے میں آگاہ کیا تاکہ اپنے لیے اور مکہ میں موجود اپنے رشتہ داروں کے لیے مشرکین مکہ کی ہمدردی حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے اپنے رسول ﷺ کو آگاہ کر دیا اور اس آیت کے ذریعہ مومنوں کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اور اپنے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کیا اور واضح کہا کہ جنہوں نے تمہارے رب کا شریک بنا رکھا ہے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو رَد کیا ہے اور تمہارے ایمان لانے کے مخالف ہیں تم ان سے کس طرح دوستی کرتے ہو جب کہ تم ایمان لے آئے ہو، ایمان لانے کی وجہ سے اپنا گھر بار چھوڑ کر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آگئے ہو، اللہ کے راستہ میں اپنی جان فدا کرنے پر آمادہ ہو وہ تو آپ سے دشمنی رکھتے ہیں تم کس طرح ان سے دوستی کرتے ہو۔ پھر واضح حکم دیا کہ تم میں سے جو بھی ان کے ساتھ دوستی کرے گا وہ ان ہی سے ہو گا، تم کس طرح ان سے محبت کا دم بھرتے ہو جبکہ وہ دین حق کی مخالفت کرتے ہیں جسے پیغمبر اکرم ﷺ لے کے آئے ہیں، رسول اللہ ﷺ اور تمہیں ہجرت پر مجبور کرتے ہیں اور آپ کے اپنے رب پر ایمان لانے کو جرم قرار دیا اور تم سے جواب طلب کیا۔

اے مومنو! اگر تمہارا جہاد کرنا، ہجرت کرنا، مال و جان کی قربانی دینا میری خوشنودی کے لیے ہے تو پھر میرے دشمنوں سے دوستی مت رکھو۔ یہ عبارت ایسے حکم کو شرط قرار دینے کے باب سے ہے جو وقوع پذیر ہو چکا ہو تاکہ اس طرح اس ضابطہ و حکم کی تائید ہو

جائے جیسے کہا جاتا ہے: اگر تم میرے بیٹے ہو تو فلاں کام انجام نہ دو۔ یہ بات اس سے باپ کہتا ہے جو اس کا بیٹا ہے یعنی بیٹا ہو نا تو مسلم ہے جب ایسا ہے تو پھر اسے فلاں کام کرنا ہو گا۔ اسی طرح اللہ فرمارہا ہے اگر تم مومن ہو، تمہارا ہجرت کرنا، جہاد کرنا، جان و مال کی قربانی دینا میری خوشنودی کے لیے ہے تو میرے دشمنوں سے دوستی مت رکھو۔ اس جگہ شرط اور حکم لازم و ملزوم ہیں۔ یہ اس حکم کی تائید میں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو متوجہ کیا کہ تمہارے سارے اعمال کی مجھے خبر ہے جو تم چھپ کر، پوشیدہ انداز سے انجام دیتے ہو یا جو کام اعلانیہ کرتے ہو سب کا مجھے علم ہے۔ اللہ کے لیے مخفی و ظاہر سب یکساں ہیں۔ اُس کے ہاں کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ آخر میں ایک قانون بیان کر دیا کہ جو شخص مشرکین سے دوستی کرے گا تو وہ یقینی طور پر راہ راست سے بھٹک گیا ہے۔

اِنۡ یَّثۡقَفُوۡکُمۡ یَکُوۡنُوۡا لَکُمۡ اَعۡدَآءً وَّ یَبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَہُمۡ وَ اَلۡسِنَتَہُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَ وَدُّوۡا لَوۡ تَکۡفُرُوۡنَ ؕ﴿۲﴾

ترجمہ: ”اگروہ تمہیں پا جائیں گے تو تمہارے دشمن ثابت ہوں گے اور تمہاری طرف برائی کے ارادے سے ہاتھ اور زبان سے اقدام کریں گے اور یہ چاہیں گے کہ تم بھی کافر ہو جاؤ۔“

کافروں سے دوستی کا نتیجہ

اس جگہ مومنوں کو یہ خبر دی گئی ہے کہ کافروں کا مزاج اور ان کی تربیت ہی ایسی ہے کہ اگر وہ آپ پر غالب آجائیں اور تمہارے اوپر چھا جائیں، تم ان کے ہتھے چڑھ جاؤ تو وہ تمہیں تکلیف پہنچائیں گے۔ اگر تم ان کے ساتھ دوستی کروگے تو وہ اس سے کمتر پر راضی نہ ہوں گے کہ تم بھی کافر ہو جاؤ۔ لہٰذا کافروں سے دوستی تمہیں کچھ فائدہ نہ دے گی۔ مکہ میں جس طرح وہ

مومنوں کو اذیت دیتے تھے اور کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تو اب بھی وہ ایسا ہی کریں گے اگر ان کے بس میں ہو تو وہ تمہارا خاتمہ کر دیں گے۔ تم یہ مت سوچو کہ اگر تم ان سے دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ گے تو وہ تمہارے ساتھ بھلائی کریں گے۔

پیغام: ۱۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی مت کریں۔

۲۔ کافروں سے دوستی مومنوں کے فائدے میں نہیں ہے۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞

ترجمہ: ”یقیناً تمہارے قرابتدار اور تمہاری اولاد روزِ قیامت کام آنے والی نہیں ہے اس دن خدا تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا اور وہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔“

قیامت میں نفع اور نقصان کا معیار

قیامت کے دن کیا فائدہ میں ہوگا اور کیا سود مند نہ ہوگا اس بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: انسان کی رشتہ داریاں، روابط اور اولادیں، دنیا میں تو اس کو فائدہ دے سکتے ہیں لیکن قیامت میں یہ برادریاں، رشتے ناطے، اولاد سب ختم ہو جائیں گے۔ ماں باپ، ماں بیٹے، بیٹے باپ کا، کوئی بھی رشتہ نہ رہے گا۔ وہاں پر فقط عمل کام آئے گا لہٰذا یہ بات درست نہیں ہے کہ انسان، اولاد اور رشتہ داروں کی خاطر اپنے لیے آخرت کا عذاب حاصل کرے۔ اللہ آپ کے سارے اعمال سے آگاہ ہے، اللہ کافروں سے دوستی رکھنے کا مؤاخذہ کرے گا، دنیا کی ایسی دوستی تمہارے لیے عذاب کا سبب ہو گی۔

پیغام: دوستی اور دشمنی کا معیار اللہ ہونا چاہئے۔ دُنیاوی رشتہ داریوں کی خاطر اللہ کو ناراض نہ کریں۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۴

ترجمہ: ''ابراہیم علیہ السّلام اور ان کے ساتھیوں میں تمہارے لیے بہترین نمونہ عمل ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے بیزار ہیں۔ ہم نے تمہاراانکار کردیا ہے اور ہمارے تمہارے درمیان بغض اور عداوت بالکل واضح ہے یہاں تک کہ تم خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لے آؤ۔ علاوہ ابراہیم علیہ السّلام کے اس قول کے جو انہوں نے اپنے مربّی باپ سے کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے لیے استغفار ضرور کروں گا لیکن میں پروردگار کی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتا ہوں. خدایا میں نے تیرے اوپر بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کیا ہے اور تیری ہی طرف بازگشت ہے۔''

ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کا عمل

اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کا اپنے مخالفین کے ساتھ رویہ بیان کیا گیا ہے اور فرمایا ہے: اے مومنو! تمہارے لیے حضرت ابراہیمؑ اور ان کے رفقاء کا چال چلن اور روش بہترین نمونہ ہے۔ ایسی حالت میں جب حضرت ابراہیمؑ کی قوم بت پرست تھی، حضرت ابراہیمؑ، آپ کی بیویوں اور آپ کے ایمان لانے والے ساتھیوں نے بت پرستوں سے واضح لفظوں میں کہہ دیا کہ ہم تمہارے مخالف ہیں، تم اللہ کو چھوڑ کر بت پرستی میں لگے ہو، ہم تمہارے بتوں اور تمہارے اس عمل سے بیزار ہیں۔ مومنوں کو بھی حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں جیسا رویہ اپنانا چاہیے، جس میں انہوں نے بت پرستوں سے کہا تھا: ہم تمہارے بت پرستی والے عقیدہ کے منکر ہیں، ہماری تمہارے ساتھ سخت دشمنی ہے، ہمارا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے ان میں سے فقط ایک شخص کو مستثنیٰ کیا ہے اور وہ ان کے چچا تھے جنہوں نے ان کی پرورش کی تھی۔ ان کے لیے بھی صرف یہ کہا کہ میں آپ کے لیے اللہ سے مغفرت کی درخواست کروں گا۔ یہ بات بھی حضرت ابراہیمؑ نے اس لیے کہی کیونکہ وہ یہ توقع رکھتے تھے کہ شاید ان کے چچا بت پرستی چھوڑ کر توحید پرست ہو جائے لیکن جب دیکھا کہ وہ اپنے رویہ پر ڈٹ گیا ہے اور بت پرستی کو نہیں چھوڑتا تو پھر انہوں نے ان سے بھی بیزاری اور برأت کا اعلان فرما دیا جیسا کہ سورہ توبہ کی آیت ۱۱۴ میں ہے۔ ساتھ ہی اللہ کے سامنے اپنی عاجزی اور فقر کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ اللہ غنی ہے، عزیز ہے اللہ کا اختیار ہے کہ وہ مغفرت کرے یا نہ کرے، اس بارے میں میرا کوئی اختیار نہیں ہے، میں تو بس ایک درخواست دے رہا ہوں، اللہ میرے اوپر رحم کرکے اس درخواست کو قبول کرے یا اسے رد کر دے یہ اس کی مرضی ہے۔

اللہ پر توکل

حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے ساتھی اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں تیری ذات پر توکل ہے۔ تمام امور میں تیری تدبیر ہے، ہم تیرے محتاج ہیں، تجھ سے سوال کرتے ہیں، تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور ہر چیز کی بازگشت تیری طرف ہے۔ ہم اپنی جانوں سے تیری جانب ہجرت کرتے ہیں، سب کو چھوڑتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَۃً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ اغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۵﴾

ترجمہ: ”خدایا مجھے کفّار کے لیے فتنہ و بلا قرار نہ دینا اور مجھے بخش دینا کہ تو ہی صاحب عزت اور صاحبِ حکمت ہے۔“

ابراہیمؑ اور آپ کے پیروکاروں کی دعاء

سابقہ بیان درحقیقت اس بیان کا مقدمہ تھا کہ جب حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے ساتھیوں نے بت پرستوں سے بیزاری کا اعلان کر دیا تو اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا مانگی: اے اللہ کافروں کے ذریعہ ہمارا امتحان نہ لے، یعنی کافروں کو ہمارے اوپر مسلط نہ کرنا۔ ہم نے کفار سے بیزاری کا اعلان کیا ہے اس حوالے سے جو بھی برے اثرات ہوں ان سے بھی ہمیں بچا لے۔ ہمیں ان کافروں سے تو ہی ہمیں نجات دے، ان کے شر سے محفوظ رکھ اور ہماری خطاؤں کو معاف کر دے۔ ربنا یعنی اے ہمارے رب، کے لفظ کو اللہ کی رحمت طلب کرنے کے لیے دو بار ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد مغفرت مانگی ہے، اللہ کو عزیز اور حکیم کی صفت سے یاد کیا ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ اے اللہ تو ہی ہے جو اپنے بندوں پر غالب ہے تیرے سارے کام

محکم و متقن اور مضبوط ہیں ان میں کوئی کمزوری نہیں ہے لہٰذا اس مشرک قوم کے شر سے ہمیں بچالے۔

پیغام: درخواست اور دعا صرف اللہ کے حضور رکھی جائے اور اللہ ہی سے مغفرت طلب کی جائے، کافروں کے شر سے بچنے کی درخواست بھی اللہ سے ہی کی جائے اور دعاء میں "ربنا" کا لفظ استعمال کیا جائے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَ الْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝٦

ترجمہ: "بیشک تمہارے لیے ان لوگوں میں بہترین نمونہ عمل ہے اس شخص کے لیے جو اللہ اور روزِ آخرت کا امیدوار ہے اور جو انحراف کرے گا تو خدا اس سے بے نیاز اور اللہ لائقِ حمد و ثناء ہے۔"

اسوہ و نمونہ

اسلام میں کردار سازی کے لیے ماڈل اور نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ اس جگہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے پیروکاروں کے عمل و کردار اور ان کے اقدامات کو بطور ماڈل و نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ ان کے لیے جو اللہ سے یوم جزاء بارے اُمید رکھتے ہیں ایک اچھا ماڈل ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی اللہ کی خوشنودی کا طالب ہے اور آخرت میں اللہ سے اپنے اعمال کا اچھا بدلہ چاہتا ہے تو وہ اس نمونہ کو سامنے رکھے اور کافروں سے بیزاری کرے۔ اللہ کی خوشنودی کے لیے کام کرے، دکھاوا اور ریاکاری سے بچے، اللہ پر اعتماد کرے، آخرت پر پختہ یقین رکھے اور گھبرائے نہیں۔ آخر میں ایک توہم کا ازالہ کیا گیا ہے کہ کافروں سے بیزاری کا حکم اس لیے نہیں دیا گیا کہ اللہ کو کسی کی ضرورت ہے، اللہ تو غنی مطلق ہے وہ بے نیاز اور حمید ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّجۡعَلَ بَيۡنَكُمۡ وَ بَيۡنَ الَّذِيۡنَ عَادَيۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ مَّوَدَّةً ؕ وَ اللّٰهُ قَدِيۡرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۞

ترجمہ: ''قریب ہے کہ خدا تمہارے اور جن سے تم نے دشمنی کی ہے ان کے درمیان دوستی قرار دے دے کہ وہ صاحب قدرت اور بہت بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

کافروں سے مودت

مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کافروں سے دشمنی نہ رکھیں کیونکہ وہ اللہ، اللہ کے رسول اور خود آپ مومنوں کے بھی دشمن ہیں۔ اس آیت میں مومنوں کو ایک خبر دی جارہی ہے کہ آج جن کافروں سے تمہیں دشمنی کا حکم دیا گیا ہے امید رکھیں کہ یہ دشمنی مودت میں بدل جائے گی جس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ کفار اور مشرکین مکہ عنقریب مسلمان ہو جائیں گے اور یہ دشمنی دوستی میں بدل جائے گی، اس وقت دشمنی کی وجہ ہی ختم ہو جائے گی۔ یہ آیت سابقہ حکم کو نسخ نہیں کررہی ہے جس میں کافروں سے دشمنی کا کہا گیا ہے۔ اسی بات کے ذیل میں فرمایا کہ اللہ قدیر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نفوس میں نفوذ کی قدرت رکھتا ہے وہ اس چیز پر قادر ہے کہ تمہاری دشمنی کے اسباب کو دوستی میں بدل دے۔ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے کہ کافر جب مسلمان ہو جائیں تو اللہ ان کی غلطیوں کو معاف کر دے گا، ان کی توبہ کو قبول کر لے گا، ان کے اسلام لانے کو بھی قبول کر لیا جائے گا اور ان کی کمزوری پر پردہ ڈال دے گا۔ یہ بات درحقیقت فتح مکہ کے بعد کے حالات کی طرف اشارہ ہے کہ کس طرح اہل مکہ فتح مکہ سے پہلے کافر اور مسلمانوں کے دشمن تھے لیکن جب مکہ ان کے ہاتھ سے چلا گیا اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی کی اور انہیں مسلمانوں کا دوست قرار دے دیا۔

لَا يَنۡهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَ لَمۡ يُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَ تُقۡسِطُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ﴿۸﴾

ترجمہ: ''جن لوگوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے وطن سے نکالا ہے اللہ تمہیں ان کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا، اللہ یقیناً انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

ہر کافر سے دشمنی کا حکم نہیں

اس جگہ مسلمانوں کے لیے ایک اور ضابطہ دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسے کفار جنہوں نے آپ کو گھروں سے نہیں نکالا اور آپ کو نقصان نہیں پہنچایا، اسلام لانے پر آپ سے دشمنی نہیں کی تو ایسے کفار کے ساتھ احسان کرنے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی ان سے انصاف پر مبنی روابط رکھنے پر ممانعت ہے۔ آپ لوگوں کا ایسے افراد کے ساتھ احسان کرنا انصاف کہلائے گا اور اللہ تعالیٰ عدالت پر مبنی رویہ اپنانے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اِنَّمَا يَنۡهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ قٰتَلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَ اَخۡرَجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ وَ ظٰهَرُوۡا عَلٰۤى اِخۡرَاجِكُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡهُمۡ ۚ وَ مَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹﴾

ترجمہ: ''وہ تمہیں صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے وطن سے نکال باہر کیا

ہے اور تمہارے نکالنے پر دشمنوں کی مدد کی ہے اور جو ان سے دوستی کرے گا وہ یقیناً ظالم ہوگا۔"

کافروں سے دشمنی کا معیار

اس آیت میں ایک دفعہ پھر واضح کیا گیا ہے کہ صرف ان کافروں سے دشمنی کرنے کا حکم ہے جو مسلمانوں سے جنگ کریں، دین اسلام کے مخالف ہوں اور دین کی نابودی کے لیے ایک دوسرے کی مدد کریں اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ گھروں سے نکالنے کا معنی معاشی نقصان پہنچانا ہے۔ مسلمانوں کو مکہ سے نکالنے کے لیے مکہ کے کافروں نے ایک دوسرے کی مدد کی اور سب اس بات پر اکٹھے ہو گئے کہ مسلمانوں کو مکہ سے نکال دیا جائے یا وہ اپنا دین بدل لیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے ساتھ کفارمکہ جیسا رویہ اپنانے والے کفار سے تعلقات رکھنے سے منع کیا ہے۔ ایسے کفار سے تعلق نہ رکھنے کی مزید تاکید کی گئی ہے اور کہا گیا ہے جو ان سے تعلق رکھے گا وہ ستمگاروں میں سے ہوگا اور معلوم ہے ظالموں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ حکم اسلام کے ابتدائی ایام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر دور کے مسلمانوں لیے عام ہے جس میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کا ایک ضابطہ اور اصول بتایا گیا ہے۔

پیغام: جو قوم تمہیں نقصان پہنچائے ان کے ساتھ ویسا ہی رویہ اپناؤ اور جو تم سے دشمنی نہ کریں ان پر احسان کرو، ان کے ساتھ عادلانہ رویہ اپناؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَ اٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

أُجُورَهُنَّ ۚ وَ لَا تُمۡسِكُوۡا بِعِصَمِ الۡكَوَافِرِ وَ سۡـَٔلُوۡا مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ وَ لۡيَسۡـَٔلُوۡا مَاۤ اَنۡفَقُوۡا ؕ ذٰلِكُمۡ حُكۡمُ اللّٰهِ ؕ يَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: "ایمان والو !۔۔۔ جب تمہارے پاس ہجرت کرنے والی مومنہ عورتیں آئیں تو ان کا امتحان کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے پھر اگر تم بھی دیکھو کہ یہ مومنہ ہیں تو خبردار ! انہیں کفّار کی طرف واپس نہ کرنا۔ نہ وہ ان کے لیے حلال ہیں اور نہ یہ ان کے لیے حلال ہیں اور جو خرچہ کفّار نے مہر کا دیا ہے وہ انہیں واپس کر دو اور تمہارے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ تم ان کی اجرت (مہر) دینے کے بعد ان سے نکاح کر لو اور خبردار !کافر عورتوں کی عصمت پکڑ کر نہ رکھو اور جو تم نے خرچ کیا ہے وہ کفار سے لے لو اور جو انہوں نے خرچ کیا ہے وہ تم سے لے لیں کہ یہی حکم خدا ہے جس کا فیصلہ خدا نے تمہارے درمیان کیا ہے اور وہ بڑا صاحب علم و حکمت ہے۔"

صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہونے والی خواتین

بظاہر یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی ہے، صلح حدیبیہ میں طرفین کے درمیان یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اگر مکہ سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ چلا گیا تو مسلمان اسے واپس مکہ بھیج دیں گے اور اگر مدینہ کا کوئی مسلمان کافر ہو کر مکہ آگیا تو مکہ والے اسے واپس نہیں کریں گے۔ اس آیت کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ سبیعہ بن حارث نامی خاتون مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آتی ہے، اس کا شوہر جو کہ کافر تھا مکہ سے مدینہ آیا اور رسول خدا ﷺ سے مطالبہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ اسے واپس کر دیں تاکہ وہ اپنے ساتھ اسے مکہ لے جائے۔ رسول اللہؐ

نے اس کے جواب میں فرمایا: عہد نامہ میں آیا ہے اگر کوئی مرد مکہ سے ہمارے پاس آئے گا تو ہم اسے واپس کریں گے، خواتین کے بارے معاہدہ میں کچھ ذکر نہیں ہوا۔ اسی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کو شوہر کے حوالے نہ کیا، لیکن جتنا مہر اس کافر مرد نے اس عورت کو دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ مہر یہ اسے واپس کر دیا۔ اس آیت میں یہ بات کہی گئی ہے جب کوئی عورت مسلمان ہو جاتی ہے تو اس کے بارے جائزہ لیتے ہیں کہ وہ اسلام لانے میں سچی ہے کہ نہیں۔

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت سے قسم اٹھوائی تھی کہ وہ قسم اٹھا کر بتائے کہ سچ میں مسلمان ہوئی ہے۔ یہ اس لیے کیا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ مذکورہ عورت شوہر سے کسی بغض یا کینہ کی وجہ سے یہاں آگئی ہو اور جھوٹ میں اسلام میں داخل ہونے کا کہہ رہی ہو۔

بہر حال یہ ایک کلی ضابطہ ہے کہ جب کوئی مسلمان ہونے کا دعوای کرے تو اس بارے اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ وہ حقیقتاً مسلمان ہوا ہے یا زبانی اعلان کرنے پر اکتفاء کر رہا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ باطنی امور کو اللہ ہی جانتا ہے۔ مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ آپ کو عادی اور ظنی علم کے تحت ہی اطمینان حاصل کرنا ہو گا۔ اگر اطمینان حاصل ہو جائے کہ وہ مسلمان ہے تو پھر اس خاتون کو تحفظ دیں، اسے کافروں کے پاس واپس نہ بھیجیں کیونکہ اسلام لانے کے بعد مومنہ عورت اور کافر مرد کے درمیان نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی حکم دیا ہے کہ کافر شوہر نے جو مہر اس خاتون کو دیا ہے اسے واپس کر دیں۔ اس کے بعد اس مومنہ عورت کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ کافروں کی عصمت کا سہارا نہ لیں، یعنی کافروں کے دائمی نکاح کا حساب نہ کریں۔ اس جگہ دائمی ازدواج کو عصمت کا نام دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر عورتوں سے دائمی نکاح نہیں ہو سکتا کیونکہ کافر شوہر کی بیوی جب مسلمان ہو جاتی ہے تو اس کی عصمت و آبرو کی حفاظت کی جانی چاہئے۔ اس بیان سے

یہ بھی استفادہ ہوتا ہے کہ اگر مرد مسلمان ہو جائے اور اس کی بیوی کافر رہتی ہے تو وہ اس نکاح کو باقی نہ رکھے بلکہ اسے چھوڑ دے۔ چاہے وہ عورتیں کافر ہوں یا مشرکین سے ہوں یا اہل کتاب سے ہوں۔ اور اگر تمہاری عورت کافر ہو کر کافروں کے پاس چلی جائے تو آپ کو حق ہے کہ اس کے مہر یہ کا مطالبہ کرو جس طرح وہ اس عورت کا مہر یہ مانگ سکتے ہیں جو عورت مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس آگئی ہے۔ آخر میں ایک ضابطہ بتا دیا کہ یہ دستورات سب اللہ کے احکام اور قوانین ہیں اور اللہ تعالیٰ شریعتوں کے مصالح کی حکمت سے آگاہ ہے اور ان مصالح و منافع کے تحت ہی قوانین بناتا ہے۔ اللہ کا ہر قانون انسان کی منفعت میں بنایا گیا ہے۔

وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ”اور اگر تمہاری کوئی بیوی تم سے نکل کر کفار کی طرف چلی جائے پھر تمہاری (غنیمت لینے کی) باری آ جائے تو جن لوگوں کی بیویاں چلی گئیں ہیں (اس غنیمت میں سے) انہیں اتنا مال ادا کرو جتنا ان لوگوں نے خرچ کیا ہے اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔“

کافر ہونے والی عورتیں

اس آیت میں کافر ہونے والی عورتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ کافر ہو کے کفار کے پاس جانے والی بیویوں کا مہر یہ کافروں کے ذمہ ہے، تمہارے ذمہ نہیں۔ کیونکہ تمہاری بیویاں ان کے پاس چلی گئی ہیں۔ اب اگر جنگ میں مومنوں کو کفار سے مال غنیمت ملے تو جن افراد نے اپنی کافر بیویوں کو مہر یہ دیا تھا جو اب کافروں کے پاس چلی گئی ہیں، اتنی مقدار مال غنیمت سے

انہیں دے دو۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کے حکم کی نافرمانی سے بچو کیونکہ تمہارے ایمان کا تقاضا ہے کہ تم اللہ کے احکام کی پیروی کرو اور خود کو اللہ کے اوامر اور نواہی کی نافرمانی سے بچاؤ۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”اے پیغمبر اگر ایمان لانے والی عورتیں آپ کے پاس اس امر پر بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ کسی کو خدا کا شریک نہیں بنائیں گی اور چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی، اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے سے کوئی بہتان (لڑکا) لے کر نہیں آئیں گی اور کسی نیکی میں آپ کی مخالفت نہیں کریں گی تو آپ ان سے بیعت کا معاملہ کرلیں اور ان کے حق میں استغفار کریں کہ خدا بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔“

مومن عورتوں کے لیے بیعت کرنے کا حکم

اس آیت میں مومن عورتوں کا رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے کا حکم بیان ہوا ہے۔ جن باتوں کا ان سے عہد لینا ہے ان میں سے بعض امور مردوں اور عورتوں کے درمیان مشترک ہیں جیسے اللہ کا شریک نہ بنانا اور نیک کاموں میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت نہ کرنا اور بعض امور عورتوں سے مخصوص ہیں۔ ان امور کا ایک کلی عنوان یہ ہے کہ وہ باعفت اور

پاک دامن رہیں، گھر کی وہی امانتدار ہیں، اپنی آبرو کی حفاظت کی ذمہ دار اور اپنے شوہر کی آبرو کی بھی محافظ ہیں۔ یہ امور تفصیل سے بیان کئے ہیں:۔

۱۔ چوری نہیں کریں گی، شوہر کے اموال کی محافظ ہوں گی۔

۲۔ بدکاری سے بچیں گی۔

۳۔ دوسروں کو قتل نہیں کریں گی۔

۴۔ دوسرے کی اولاد کو شوہر کی طرف غلط نسبت نہیں دیں گی۔

۵۔ بہتان تراشی سے بچیں گی۔

۶۔ کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی، بت پرستی سے بچیں گی اور غیر خدا کو معبود نہیں بنائیں گی۔

۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت نہیں کریں گی۔

۸۔ نیک کام کریں گی۔

۹۔ زنا اور بدکاری نہیں کریں گی، غیر شوہر سے رابطہ نہیں رکھیں گی، اپنے برے ساتھی کی اولاد کی نسبت جھوٹ میں اپنے شوہر کی طرف نہیں دیں گی کیونکہ یہ عمل بہتان ہے جس کا ارتکاب اس نے اپنے ہاتھ اور پاؤں سے کیا ہے۔ ہاتھ اور پاؤں سے بہتان تراشی، زنا اور بدکاری سے پیدا ہونے والے بچے کی طرف اشارہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرہ کے لیے جن اچھے اطوار و اعمال کا انتخاب کیا ہے اور اچھے کاموں کا حکم دیا ہے ان کی مخالفت کرنا ایک صالح معاشرہ کی اچھی روایات کی مخالفت اور اچھی روایات کو غیر معتبر بنانا ہے۔ معروف کو چھوڑنے کا مطلب نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ جیسے واجبات کو ترک کرنا ہے اور منکرات کے ارتکاب کو شامل ہے جیسے خودآرائی، خود کو دوسروں کے لیے نمائش کرنا، دوسروں کے لیے پیش کرنا۔ آخر میں مومن عورتوں میں امید و رجاء کی حس کی تقویت کے لیے تاکید کی گئی ہے کہ اللہ غلطیوں کو معاف کرنے والا اور

مہربان ہے، لہٰذا جو خطائیں ان سے سرزد ہوئی ہیں، اللہ سے معافی مانگ لیں، خدا معاف کر دے گا اور خدا ان پر مہربان ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ﴿١٣﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو! خبردار! اس قوم سے ہرگز دوستی نہ کرنا جس پر خدا نے غضب نازل کیا ہے کہ وہ آخرت سے اسی طرح مایوس ہیں جس طرح کفّار قبر والوں سے مایوس ہیں۔''

یہود سے دوستی

اس آیت میں مومنوں کو یہودیوں سے دوستی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ نے واضح بیان کر دیا ہے کہ یہودیوں پر اللہ کا غضب آچکا ہے۔ یہ لوگ مشرکین کی مانند معاد اور آخرت کے منکر ہیں۔ آخرت کے ثواب سے مایوس ہیں۔ وہ جس طرح قیامت کے منکر ہیں وہی اپنے مردگان سے بھی مایوس ہیں کیونکہ ان کے بارے کسی قسم کی حیات کے قائل نہیں ہیں اور موت کو فناء سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مومنوں کو یہودیوں کی ابدی شقاوت اور ہلاکت کے بارے آگاہ کیا ہے تاکہ وہ ان سے دوستی اور یارانہ سے پرہیز کریں۔

سورۃ الصّف

(مدنی۔ کل آیات : ۱۴)

سورہ کے مطالب

جہاد کی تشویق، دین کی نورانیت بارے بیان، رسالت کا ثبوت اور رسول ﷺ کی اطاعت کا بیان، قول و عمل کی ہم آہنگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱﴾

ترجمہ: ”جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔“

اللہ کی تسبیح

تسبیح کے بارے سورہ حشر میں بیان کیا ہے؛ اللہ ہر عیب سے پاک ہے، اس کی ذات میں کسی قسم کی احتیاج نہیں ہے، ہر شئی زبان حال سے اسی کو بیان کر رہی ہے۔ اس آیت میں مومنوں سے سرزد ہونے والی کوتاہیوں کی سرزنش موجود ہے۔ آسمانوں اور زمین میں موجود ہر شئی اللہ کی تسبیح کر رہی ہے، اللہ تو کسی کی تسبیح کا محتاج نہیں، اگر کوئی انسان اس بارے کوتاہی کرتا ہے، اللہ کی شان کے مطابق اس کا ذکر نہیں کرتا ہے تو وہ خود اپنا خسارہ کرتا ہے۔ اس آیت میں اللہ کی دو صفات ذکر کی گئی ہیں کہ اللہ ہی صاحب عزت ہے، وہ غالب ہے، اللہ کا ہر کام حکمت کے تحت ہے وہ حکیم ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! تم وہ بات کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں ہو؟“

کَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰہِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔''

گفتار اور کردار کا تضاد

اس آیت میں مسلمانوں کو کردار اور گفتار میں تضاد سے روکا گیا ہے۔ آیت کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مومنین نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ثابت قدمی اور جنگی ساز و سامان فراہم کرنے کے لیے مالی تعاون کا وعدہ کیا تھا لیکن جنگ میں ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ ثابت قدم نہ رہے۔ جنہوں نے اپنے اموال سے جہاد کے لیے خرچ کرنے کا وعدہ کیا تھا انہوں نے ایسا نہ کیا۔ اس آیت میں ایسے افراد کی سرزنش کی گئی ہے اور ان پر واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کا یہ طریقہ کار پسند نہیں ہے۔ عمل و گفتگار میں تضاد گناہ ہے اس پر سزا ملے گی وہ کہو جو کرنا ہے، وہ نہ کہو جو کرنا نہیں ہے۔ یہ جھوٹ بھی ہے اور دھوکہ میں رکھنا بھی ہے۔ اللہ اس عمل سے ناراض ہوتا ہے، مومن کا باطن اور ظاہر اس کی گفتگو اور اس کا عمل ایک جیسا ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اللہ یقیناً ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر اس طرح لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''

جنگ میں صف بندی کی اہمیت

جنگ میں فوجیوں کو کس طرح سے ہونا چاہیے؛ اس کے بارے میں واضح ہدایت دی ہے کہ وہ سب ایک صف نظر آئیں، ایک دوسرے سے ملے ہوں، ہم ردیف ہوں اور اس

طرح آپس میں جڑے ہوں کہ ایک مضبوط دیوار بن جائیں۔ ایسی دیوار جسے گرانا ممکن نہ ہو۔ ایک مضبوط آہنی دیوار بن کر دشمن کے مقابلے میں کھڑے ہوں۔ اس عبارت سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے جنگجوؤں سے محبت کرتا ہے جو دشمن کے مقابل میں سیسہ پلائی دیوار بن کر لڑتے ہیں جبکہ سست روی کا شکار، میدان جنگ سے بھاگنے والے اور میدان جنگ میں ثابت قدم نہ رہنے والے جنگجو کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے اور ان سے ناخوش ہوتا ہے۔

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ لِمَ تُؤۡذُوۡنَنِیۡ وَ قَدۡ تَّعۡلَمُوۡنَ اَنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ ؕ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۵﴾

ترجمہ: ”اور (وہ وقت یاد کیجیے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم مجھے کیوں اذیت دیتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، پس جب وہ ٹیڑھے رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔“

رسول اللہؐ کا احترام اور ان کو اذیت سے ممانعت

اس آیت میں مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے احترام کی یاد دہانی کرائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ انہیں اپنے قول اور عمل سے اذیت نہ دیں۔ ظاہر ہے جب مسلمان رسول اللہ ﷺ کا کہنا نہ مانیں تو رسول اللہ ﷺ کو اذیت ہوتی ہے اسی طرح عمل میں رسول ﷺ کی مخالفت سے بھی آپ ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے۔ آیت میں رسول ﷺ کو اذیت دینے کے برے انجام کو یہودیوں کی مثال دے کر سمجھایا ہے کہ یہودی اپنے پیغمبر حضرت موسیٰؑ کی مخالفت کرتے تھے ان کی بات نہیں مانتے تھے جبکہ جانتے تھے کہ حضرت

موسیٰؑ اللہ کے رسول ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہوتے ہیں۔ ان کے اس رویہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ راہ حق سے باطل کے راستہ پر چلے گئے اور اللہ کی رحمت سے محروم ہو گئے۔ اللہ نے ہدایت کا راستہ ان پر بند کر دیا کیونکہ انہوں نے عملی مخالفت کے ذریعہ سے خود ہی اللہ کی رحمت کا دروازہ اپنے لیے بند کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود سے تو کسی کو گمراہ نہیں کرتا اور نہ ہی ہدایت سے روکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہدایت کا سامان سب کے لیے مہیا کرتا ہے لیکن جب انسان اپنے لیے ہدایت کا راستہ بند کر دیتا ہے اور اپنی ہلاکت کا دروازہ کھولتا ہے تو پھر اللہ بھی اپنی رحمت کا دروازہ اس پر بند کر دیتا ہے۔ آخر میں یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ جو بھی رسول اللہ ﷺ کو قولی اور عملی اذیت دے گا، اللہ اس کو سزا دے گا۔

وَ اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۶﴾

ترجمہ: ”اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور اپنے سے پہلے کی (کتاب) توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جن کا نام احمد ہو گا، پس جب وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آ گئے تو کہنے لگے: یہ تو کھلا جادو ہے۔“

رسول اللہؐ کی نبوت ورسالت کا ثبوت

اس آیت کا مقصد حضور پاک ﷺ کی رسالت و نبوت کو اثبات کرنا ہے۔ اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کے پاس حضرت عیسیٰؑ کو رسول بنا کر بھیجا تاکہ وہ اپنی دعوت کو پہنچائیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو بتایا کہ میں تو فقط اللہ کا رسول ﷺ اور اس کا پیغام پہنچانے والا ہوں، اس سے زیادہ میری ذمہ داری نہیں ہے۔ میرا کام یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب توریت کی تصدیق کروں اور میری دعوت اس کتاب کی تعلیمات کے مخالف نہیں ہے بلکہ اسی کی تعلیمات کا تسلسل ہے چند احکام میں تبدیلی کے سواء ساری تعلیمات اسی کے موافق ہیں۔

رسول اللہؐ کے بارے عیسیٰؑ کی بشارت

اس کے بعد آپ نے ان کو ایسی بشارت دی جس سے سننے والا خوش ہو۔ یقینی طور پر یہ خوشخبری حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت اور ان کی دعوت میں موجود خیر و برکت ہی تھی اور یہ کہ پیغمبر اسلام ﷺ جو دین لے کر آئیں گے وہ تورات اور انجیل میں موجود دین سے کامل اور ترقی یافتہ ہوگا۔ توریت میں حضرت عیسیٰؑ کی آمد کا تذکرہ تھا اور حضرت عیسیٰؑ نے حضرت احمد مصطفیٰ ﷺ کی بشارت دی ہے، نام بھی موجود تھا، آسمانی بشارت آپ نے دی تھی، بنی اسرائیل کو معلوم تھا۔ بنی اسرائیل کے لیے نبوت موجود تھی قرآن بھی معجزہ تھا، نبوت پر دلائل موجود تھے۔ بنی اسرائیل جانتے تھے لیکن انہوں نے اسے جادو کہہ دیا۔ بعض نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰؑ جو کچھ لے آئے بنی اسرائیل نے اس کا انکار کر دیا لیکن یہ بات آیت کے سیاق سے مناسبت نہیں رکھتا۔ سورہ اعراف کی آیت ۱۵۷ اور سورہ فتح کی آیت ۲۹ کے ذیل میں بیان ہوا ہے کہ توریت اور انجیل کے متن میں حضور پاک ﷺ کا نام موجود تھا بعد میں تحریف کی گئی ہے۔

وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ وَ ہُوَ یُدۡعٰۤی اِلَی الۡاِسۡلَامِ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۟﴿۷﴾

ترجمہ: ''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے جب کہ اسے اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو؟ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''

کافروں کے لیے جواب

اس آیت میں پیغمبر اسلام کے بارے کفار مکہ کی باتوں کا جواب دیا گیا ہے۔ وہ قرآن کا انکار کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے اس معجزہ کو سحر اور جادو کا نام دیتے تھے۔ اسلام وہ دین ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کو دعوت دی ہے۔ اس دین کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ عقائد اور احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ بلاشک یہ دین حق پر مبنی ہے اور ہر انسان کی عقل اسے تسلیم کرنے اور اسے اپنانے کا حکم دیتی ہے لہٰذا اس دین کو قبول نہ کرنا اور رسول اللہ ﷺ کے معجزہ کلام کو سحر و جادو قرار دینا اللہ پر افتراء ہے اور یہ کھلم کھلا ظلم اور زیادتی ہے۔ خاص کر اگر اللہ کی طرف جھوٹ کی نسبت ہو تو پھر یہ بڑا ظلم ہے، یہ بدترین ظلم ہے، قبیح ترین ظلم ہے لہٰذا ایسے افراد سے بڑا ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر افتراء باندھتا ہو، دین اسلام کی دعوت کو ٹھکراتا ہو۔ یقینی امر ہے کہ اس کے اپنے مفاد میں اس سے بڑا کوئی اور ظلم نہیں ہے اور جو اپنے اوپر خود ظلم کرے ایسا ستمگار ہے جو کبھی ہدایت نہیں پائے گا۔

یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸﴾

ترجمہ: ''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ (کی پھونکوں) سے اللہ کے نور کو بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرکے رہے گا خواہ کفار برا مانیں۔''

دین اسلام کی بقاء

اس آیت میں دین اسلام کو اللہ کا نور کہا گیا ہے جسے کافر سحر اور جادو کہہ کر نظر انداز کرتے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ اپنی کوششوں اور اپنے افکار سے انسانوں کے منافع کا ضامن، ان کی ترقی و کمال کا ذریعہ دین اسلام کا خاتمہ کر دیں گے۔ وہ خیال کرتے ہیں اسلام کا چراغ کمزور ہے اور یہ جلد ہی بجھ جائے گا لیکن وہ غلطی پر ہیں۔ یہ اللہ کا جلایا ہوا چراغ ہے جو کبھی نہ بجھے گا اس کی روشنائی دائمی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے اور اس کی بقاء کا فیصلہ کیا ہے۔ اللہ اپنے امر کو نافذ کرتا ہے کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ یہ کافر و مشرکین اسی طرح تڑپتے رہیں گے یہ سب ناکام ہوں گے۔ ان کی ساری سازشیں اور جھوٹے پروپیگنڈے دم توڑ دیں گے۔ اسلام کا چراغ روشن رہے گا اور انسانوں کے لیے ہدایت اور راہنمائی دیتا رہے گا۔ اسلام کے فیضان کو کوئی روک نہیں سکتا۔ کافر و مشرکین اپنی تمام تر سازشوں میں ناکام و نامراد ہوں گے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹

ترجمہ: ''وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو ناگوار گزرے۔''

دوسرے ادیان پر اسلام کا غلبہ

پچھلی آیت میں جو اللہ نے اعلان فرمایا اس آیت میں اس کے سبب کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو دین اسلام اور ہدایت دے کر بھیجا ہے، یہ دین کامل اور بغیر نقص کے ہے، انسان کا کمال اور ارتقاء اسی دین میں ہے۔ اللہ نے فیصلہ دیا ہے کہ وہ اس دین کو سب ادیان پر غلبہ اور بالادستی دے گا اگرچہ بت پرست مشرکین کو یہ بات پسند نہ آئے۔ مشرکین اس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں کھڑی کر سکتے۔ اس دین کی بقاء کی وجہ اس کا کامل ہونا ہے۔ ان دو آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ دین حق زمین پر اللہ کا نور ہے۔ مشرکین اس کے سواء کوئی دین اختیار کریں وہ ناکام ہوں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۱۰

ترجمہ: "اے ایمان والو! کیا میں ایسی تجارت کی طرف تمہاری رہنمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے؟"

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱

ترجمہ: "(وہ یہ کہ) تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اپنی جانوں اور اپنے اموال سے راہ خدا میں جہاد کرو، اگر تم جان لو تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔"

بہترین منفعت اور تجارت

یہ آیت اسلام کی نظر میں منفعت بخش تجارت کی جانب راہنمائی کرتی ہے۔ اللہ پر ایمان اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کو بہترین اور منفعت بخش تجارت قرار دیا ہے۔

سورہ توبہ آیت ۱۱۱ میں بھی اسی قسم کا مطلب بیان کیا گیا۔ اہل ایمان کو متوجہ کیا گیا ہے کہ تمہارے لیے ایمان لانے کے بعد بہترین تجارت، اللہ کی اطاعت اور اس کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنا ہے، اسی میں ہی تمہاری نجات اور دنیا و آخرت کی منفعت ہے۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۙ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”اللہ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ابدی جنتوں میں پاکیزہ مکانات ہوں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔“

وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”اور وہ دوسری (بھی) جسے تم پسند کرتے ہو (عنایت کرے گا اور وہ ہے) اللہ کی طرف سے مدد اور جلد حاصل ہونے والی فتح اور مومنین کو (اس کی) بشارت دے دیجئے۔“

اللہ سے تجارت کا فائدہ

ان آیات میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ گے اور مال اور جان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور تمہیں ایسی بہشتوں اور باغات میں قرار دے گا جہاں پر ہمیشہ رہو گے اور اس جگہ دائمی رہائش ہو گی۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ اس معاملہ میں مومن بہت ہی معمولی اور ناپائیدار متاع دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں اسے دائمی زندگی اور ہمیشہ کی سعادت ملے گی۔

اس تجارت کا جلد ہی ملنے والا دوسرا فائدہ، مومنین کے لیے فتح و نصرت ہے۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ کی طرف سے مومنوں کے لیے دنیا و آخرت میں کامیابی کی بشارت دی جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بن جاؤ جس طرح عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا: کون ہے جو راہ خدا میں میرا مددگار بنے؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں، پس بنی اسرائیل کی ایک جماعت تو ایمان لائی اور ایک جماعت نے انکار کیا لہٰذا ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی اور وہ غالب ہو گئے۔“

اللہ کے دین اور اس کے رسولؐ کی مدد کرنا

اس آیت میں مومنوں کو اللہ کے دین کے لیے کام کرنے اور اللہ کے رسول ﷺ کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس طرح کہ ان کا اوڑھنا بچھونا یہی ہو اور یہ ان کی علامت بن جائے کہ وہ اللہ کے دین کی نصرت کرنے والے ہیں کیونکہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مدد ہی انسان کو اللہ کے راستہ میں بابصیرت بنا دیتی ہے۔ اس بات کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے اپنے حواریوں سے یہ سوال کیا کہ تم میں سے کون ہے جو اللہ کے راستہ میں میرا مددگار بنے تو حواریوں نے یک زبان ہو کر

جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول ہم سب اللہ کے انصار ہیں یعنی اللہ کے راستے کو طے کرنے میں ہم کوتاہی نہیں کریں گے۔ اسی طرح حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کی توحید خالص اپنانے اور اللہ کی خالص عبارت کرنے کا وعدہ دیا اور حضرت عیسیٰؑ کے اوامر و نواہی پر پوری طرح عمل کرنے کا وعدہ دیا۔ جبکہ بنی اسرائیل دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ تو وہی تھا جو حواریوں کہلاتے تھے جو حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائے اور انؑ کو اللہ کے راستے پر چلنے کا وعدہ دیا جبکہ دوسرا گروہ کافر ہو گیا۔ اللہ نے مومنوں کی مدد کی۔ اس جگہ مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لائے اور رسول اللہ ﷺ کے اوامر و نواہی پر عمل کرتے رہے اللہ ان کی مدد کرے گا اور کافروں پر انہیں غلبہ دے گا۔ خدا ہمیشہ مومنوں کی مدد فرماتا ہے۔ سورہ یوسف آیت ۱۰۸ میں بھی اسی قسم کا مطلب موجود ہے۔ یہ اللہ کا ایک مسلم قانون اور ضابطہ ہے کہ خدا صاحبان ایمان کی مدد کرتا ہے انہیں تنہا نہیں چھوڑتا۔

پیغام: ہر مسلمان پر ہے کہ وہ اللہ پر ایمان اور اسلامی عقیدہ کا پابند رہے اللہ اور اللہ کے رسول نے جو کچھ انسان کی سعادت کے لیے بیان کیا ہے اسے دل و جان سے تسلیم کرے زبانی اعتراف و اقرار پر اکتفاء نہ کرے اور جو اقرار کیا ہے اسے دل سے مانے اللہ کے سعادت بخش قوانین پر عمل کرے اس طرح اللہ کے دین پر چلنے والوں سے بن کر اپنے لیے (انصار اللہ) کا تمغہ حاصل کرے جب آپ اللہ کے ناصران ہوں گے یعنی اللہ کے دین پر عمل کرنے والے تو اللہ تمہارا مدد گار ہوگا اور کسی بھی جگہ پر تم رسوا نہ ہوگے اور نہ ہی شکست کھاؤ گے، دنیا اور آخرت کی کامیابی تمہیں نصیب ہو گی۔